جماعت اہل حدیث کی تنظیم:

مسائل مشکلات اور ترجیحات

مولانا عبدالمعید مدنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اس وقت نئے تقاضے ہیں۔ نیا دور ہے۔ نئے مشکلات اور تحدیات ہیں۔ ان کو کیسے پورا کیا جائے ان سے کیسے نمٹا جائے۔ اس کے لئے کن صلاحیتوں اور اسباب وسائل کی ضرورت ہے اور راستے کی رکاوٹیں کیا کیا ہیں۔ یہ سب قابل توجہ سوالات ہیں جن کا جواب دیئے بغیر ہندوستان کے اہل حدیث نہ اپنی دینی ودنیوی ذمہ داریاں نبھا سکتے ہیں نہ اپنا رول پلے کر سکتے ہیں۔

ہم بطور اہل حدیث منہج سلف کے ماننے والے اور اپنی صحیح دینی شناخت رکھنے والے یہ مانتے ہیں کہ ہمارے اوپر اللہ کی عائد کردہ ذمہ داری ہے کہ دنیا والوں کو (کلمۃ سواء) کی طرف بلائیں اور صحیح اصولوں کے مطابق اور اس کا عملی نمونہ بن کر صحیح دین کی دعوت لوگوں کو دیں اور امت کی اصلاح کے لئے ہمہ جہتی کام کریں۔

امت کے عقیدے کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ اس وقت تاریخ اسلام میں امت کا عقیدہ ہر دور سے زیادہ بگڑا ہوا ہے۔ تقلید وتصوف کی پکڑ پہلے کے مقابلے میں کافی ڈھیلی ہوئی ہے لیکن ان کے نہ ماننے سے ہم ناراض ہوکر بھڑوں کی طرح دشمنی کے لئے امڈ پڑے ہیں اور تکفیر سے لے کر تفسیق اور یہودی ایجنٹ تک ہمارے متعلق روزمرہ ان کی زبانوں کا چٹخارہ ہے۔

قبر پرستی عام ہے اور سارے تقلید وتصوف کے ماننے والے اس میں مبتلا ہیں۔ مظاہر پرستی پر لوگ ٹوٹے پڑتے ہیں۔ قصے کہانیاں دینی زندگی کا مصدر بنی ہوئی ہیں۔ گلوکاری کو کمال عبادت بنالیا گیا ہے۔ روزمرہ زندگی میں بدعات کو اصل دین بنالیا گیا ہے۔ انتشار پسندی کو کمال اور اساس حیات تسلیم کرلیا گیا ہے۔

تحریکیوں نے اشعری وماتریدی اصولوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کی الوہیت کو نظرانداز

کر کے حاکمیت اور ربوبیت کے عقیدے کو بنیاد مان کر حکومت الٰہیہ کے قیام کی دعوت دی اور اس کو مرکز عمل اور اساسی دینی جدوجہد قرار دیا۔ اس کے نتیجے میں سارے فرق اسلامیہ ان کے نزدیک قابل قبول قرار پائے۔ سارے فقہی تقلیدی اور صوفیانہ انحرافات بھی کوئی مسئلہ نہیں رہے۔ شرک اور مظاہر پرستی کی قباحت باقی نہ رہی۔ ولاء براء کی قدر نہ رہی۔ حق وباطل کا امتیاز مٹ گیا اور تمام مظاہر پرستوں، صوفیوں، روافض اور تحزب پرستوں کا اپنے اپنے طریقوں پر رہتے ہوئے مل جانا عین دینی اتحاد قرار پایا۔ حکومت الٰہیہ قائم نہ کرنے والے سارے علماء تنظیمیں اور جماعتیں اور ان کی ساری دینی جہود ان کے نزدیک زیرو۔ تمام ملوک زیرو۔ احادیث کی اہمیت بس روایتی من کے مطابق۔ صحابہ عام لوگوں کی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب سب غلط کار۔ مصنوعی دنیوی اتحاد جب جائز اور عین دینی اتحاد تو حکومت قائم کرنے کے لئے سارے علمانی پروسس درست۔ پوری تاریخ اسلام میں تحریکوں سے زیادہ ناروانا کام ناسمجھ کوئی گروپ پیدا نہیں ہوا۔ نئی پرانی ساری ضلالتوں کے یہ حامل اور شیخی کا ان کے دلوں پر پردہ۔

امت میں انتشار، بدعملی ہوا وہوس معصیت اور عقیدے میں فساد اور بگاڑ کی وجہ سے ہے۔ یہ انتشار فقہی اختلافات کے انتشار کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ ہم خیال لوگوں کے درمیان مادی مفادات کے سبب اتنا شدید اختلاف ہے کہ دینی اختلاف اس کے مقابلے میں عشر عشیر نہیں ہے۔ اور ایک اہم نقطہ یہ بھی ہے کہ اختلاف کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو حق پر نہ ہو۔ باطل پر رہنے والے کو اختلاف کرنے والا کہا جائے گا۔ حق پر رہنے والا چاہے ایک ہو اسے اختلاف کرنے والا نہیں کہا جائے گا۔ یہ نقطہ بھی سمجھنے اور سمجھانے کی ضرورت ہے۔

سیکولر علم ہر طرف چھایا جا رہا ہے۔ علوم دینیہ منہج سلف کے مطابق پڑھائے جائیں اس کا چلن بڑھا ہے لیکن ابھی بہت کمی ہے۔ ابھی بھی علوم دینیہ پر اہل تاویل وتقلید کی چھاپ ہے۔ اسے دور کرنے کے لئے بڑی محنت کی ضرورت ہے۔ مسلم سماج ہمہ جہتی طور پر اعلی تعلیم میں پیچھے ہے اور جو تھوڑے بہت تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ امت کا حصہ بننے اور ان کی فکر کرنے کے بجائے عموما بندگان شکم وکیریر بن جاتے ہیں اور امت کی تعلیمی ضرورت باقی ہی

رہ جاتی ہے۔ مکتب کی تعلیم بھی مسلمانوں کے یہاں صحیح ڈھنگ سے نہیں ہو پاتی ہے۔ سیکولر تعلیم سے پوری نسل بگڑتی جا رہی ہے۔ یہ تعلیم جن بنیادوں پر قائم ہے وہ مغرب کے مادی افکار پر قائم ہے۔ کائنات حیات اور انسان ہر ایک کے متعلق ان کا تصور ان کے الحادی اور انسانیت کی توہین آمیز تھیوریوں پر قائم۔ کائنات کے متعلق بگ بینک۔ انسان کے متعلق نظریہ ارتقاء اور نظریہ جنس، انسان کی زندگی کے متعلق انسانی مادی ضرورتیں، الحادی سیکولر قانون، سرمایہ دارانہ نظام، فیملی قدروں اور رشتوں سے آزادی، جنس زدہ عریانیت، فن اور آرٹ میں جنس زدگی، الحاد انسانی ویلیوز کا مذاق، تاریخ مغربی حرب وضرب اور اس کی تشکیکات اور اختراعات کی کہانی۔ سیکولر تعلیم کو حاصل کر کے انسان کیا بن سکتا ہے اسے شیطان بنانے کے سارے انتظامات ہوتے ہیں۔ اور ہندوستان میں ساری دیومالائیت اور معبود ارضی کی پرستش اور اسے وطن پرستی نام دینے کی بد دماغی مزید مصیبت۔

جھوٹا میڈیا اور ہمہ آن فحاشی کا مظاہرہ اور مظلوموں پر دہشت گردی کا الزام۔
کنزیومرزم کی تبلیغ استہلاکیت اور صرف پر ہمہ آن زور۔ مادیت کا زہر زندگی میں گھولنے کی رات دن فن کاری دنیا کے گھٹیا ترین بدترین لوگوں کو ماڈل بنا کر پیش کرنے کی جسارت۔

اقتصادی زندگی میں لوٹ کھسوٹ، فریب دھوکہ بے ایمانی جوا سٹہ سود دلالی خیانت غبن استحصال کا دور دورہ ہے۔ لقمہ حلال کا حصول دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔

سماجی زندگی میں عنصریت علاقائیت ذات برادری اور لسانی تعصبات کا قہر۔ خودغرضی اور مفاد پرستی کی نفرت۔ طمع پرستی کی آگ، رسم ورواج کی بندھنیں۔ ثروت اور مفلسی کا طبقاتی نظام۔ عائلی زندگی میں اعتماد اور اخوت کی گرتی ہوئی دیواریں۔ بے یقینی اور بے اعتمادی کی دوریاں۔ جنسی بے راہ روی فیشن اور تعیش کے لئے دیوانگی باہمی ٹکراؤ، لڑائی جھگڑے حقوق مارنے کا چلن باہمی ظلم وستم۔

فرد کی حیرانی اور الجھنیں مستقبل کی طرف سے بے اعتمادی، زندگی کی خانگی مشکلیں، مسائل کا انبار، نفسیاتی گرہیں، ٹنشن اور شگفتگی کا فقدان۔

سیاست کی مافیائی روش بے سمتی اور کرمنلائزیشن اور تجارتی کاروبار صحت اور تعلیم کی

مشکلات مہنگائی غلاء فاحش اور کالا بازاری۔

یہ اور اس طرح کی ہزاروں مشکلات ہیں۔ اور بطور اہل حدیث ہم خود اپنی آبادی کی دینی شناخت اور اس کی تعلیم وتربیت اور اصلاح فرد ومعاشرہ کے ذمہ دار ہیں اور ساتھ ہی ملک ووطن کے مذکورہ مسائل ومشکلات ہیں۔ ان سے بھی ہم بے پرواہ نہیں رہ سکتے ہیں۔ ان کے بھرپور اثرات سے ہم باہر نکل نہیں سکتے۔

جماعت کی تنظیم ان تمام مسائل سے بے خبر اور الگ تھلگ ہے۔ اس کے پاس کوئی نظام ہے نہ پالیسی ہے نہ افراد کار تیار کیے گئے ہیں۔ نہ منصوبہ ہے، نہ پروگرام ہے۔ اہل حدیث آبادی کروڑوں میں ہے اور سو آدمیوں کی دیکھ ریکھ تعلیم وتربیت آبادکاری روزگار اور پرورش کرنے کی بھی ہمارے پاس صلاحیت نہیں ہے۔ آبادی کے مطابق ذرائع ڈمانڈ تسہیلات اور مشکلات سب ہوتے ہیں۔ عملی پروگرام نہ ہونے یا نہ کرنے کی وجہ سے عموما تنظیمی ذمہ دار صرف اپنے جیب وشکم کی فکر میں لگ جاتا ہے اور لوٹ پھر کر تنظیم میں یہی ہو رہا ہے۔ جب کوئی باشعور ایسی بے حسی اور خودغرضی پر انگلی اٹھاتا ہے تو اس کے اندر انا پرستی بڑھتی ہے اور اس کی نموو پرورش ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ تنظیم میں انا کی جنگ چھیڑ دیتا ہے اور سارے حمقاء اور سفہاء کو اپنے ساتھ ملا لیتا ہے اور ایک اتھل پتھل کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ سارے شرفاء اور اعتدال پسند ایسے ماحول میں مجبور بن کر اس پر قانع ہو جاتے ہیں کہ دور کے تماشائی بنے رہیں۔

موجودہ وقت میں بڑا مسئلہ اصغر اینڈ پارٹی کا ہٹانا نہیں ہے۔ وہ بھی تنظیم کے لئے درد سر اور تباہی کا باعث ہیں۔ لیکن اس سے زیادہ تنظیم کا احیاء اصلاح اور سدھار ہے اور اس کی جدید کاری ہے۔ اصغر کا ہٹانا بھی کوئی مشکل کام نہیں۔ اس کے دسیوں راستے ہیں۔ اصل مسئلہ جماعت کے وقار آبرو اور عظمت کا تحفظ ہے۔ جس طرح اس شخص کا معاندانہ رویہ ہے دجل وفریب کاری اور تعنت ہے اگر اس سطح پر اتر کر اس کا علاج کرنا ہوتا تو کب کا اس کا دماغ درست ہو گیا ہوتا۔ لیکن یہ بھی ایک اہم مسئلہ ہے کہ ایک شر سے دسیوں شر کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ جب جماعت کے سمجھدار علماء جماعت کی

تنظیم کی اہمیت ضرورت مشکلات مسائل، نقائص خرابیاں اور اس کی جدید کاری کی اہمیت کو نہ جانیں۔ ملک کے مسائل ومشکلات کو نہ سمجھیں اور ملک میں بطور اہل حدیث اپنا دعوتی تعلیمی تعمیری رول طے نہ کر سکیں تو تنظیم پر اصغر کا قبضہ ہو یا اس کی طرح کوئی دوسرا ذمہ دار ہو برابر ہے۔ ایسی حالت میں تنظیم سے کیا ہو سکتا ہے اور ایسی حالت میں اگر ایک اصغر جاتا ہے تو اس کی طرح دیگر اصغر پیدا ہو سکتے ہیں۔ ۱۹۸۰ میں جمعیۃ میں قیادت کی تبدیلی آئی کون سی بڑی جماعتی فلاح وبہبود میں تبدیلی آ گئی۔ ۲۰۰۱ میں خلجی صاحب کے ہاتھ سے قیادت نکل کر اصغر کے ہاتھ میں آ گئی کون سے اچھی تبدیلی آئی؟ پہلے کے مقابلے میں بعد کی قیادت زیادہ بدتر خائن اور گھٹیا نکلی۔ جب تک تنظیم کے اندر موجود بنیادی خرابی نقائص اور عیوب کو دور نہیں کیا جائے گا اصغریات ہی کا فساد چلتا رہے گا اور اصغریات ہی تنظیم کی پہچان بنی رہیں گی اور اصغریات نام ہے اصغری فساد فریب جتھا بندی غبن بے حسی جھوٹ اور تنظیمی استحصال اور استغلال کا۔

اس موقع پر جب پوری جماعت میں اصغریات پر بے چینی ہے اور ہر طرف انتشار وخلفشار ہے ہماری ذمہ داری صرف یہ نہیں کہ اصغر کو ہٹا کر تنظیم کو آزاد کریں۔ اس سے زیادہ ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اصغریات سے نجات حاصل کریں۔ جب تک اصغریات سے نجات حاصل نہ کریں گے دسیوں اصغر پیدا ہوتے رہیں گے اور جماعت وجمعیۃ کو جیب وشکم کا سامان بناتے رہیں گے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ اصغر نے تنظیم کو کلی طور پر جان بوجھ کر برباد کیا۔ میرا خیال ہے تنظیم کو برباد کرنے میں اس کے الھڑ پن کا زیادہ حصہ رہا ہے۔ اسے قطعا یہ اندازہ نہیں ہے کہ تنظیم کیا ہے؟ تنظیم کس جماعت کی نمائندہ ہے؟ اس کے مسائل ومشکلات کیا ہیں؟ اور تنظیم کے اندر خلل کیا ہے؟ تنظیم کو اکتساب زر کے لئے راہ دکھلانے والی اس کی گھریلو غربت اور پریوار کے اس کے پیر باطل ہیں۔ اور پھر جماعت میں قزاقی اسٹیٹس بنا لینے کے بعد انانیت اور پھر چن چن کر گھٹیا قسم کے لوگوں کی جتھا بندی نے اسے رسوا بنا دیا اور تنظیم کو زیر وکر دیا۔

ان تمام اصغریات سے تنظیم کو پاک کرنا اور تنظیم کو از سرنو منظّم کرنا اشد ضروری ہے۔
اصغر صاحب کیسے بھی ہیں؟ اور ان کا تنظیمی رفقاء کیسے بھی ہیں؟ ہیں اپنی تنظیم ہی کے افراد۔
انھیں سمجھانے بتانے اور جماعتی نقصانات کا احساس دلانے کی ضرورت ہے۔ یہ دونوں کام
ہمدردی اور مناصحت سے کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کو بتانے کی ضرورت ہے کہ جماعت
اور جماعت کی تنظیم اور جماعت کے مفادات فرد اور مفادات فرد سے اربوں بار زیادہ اہم
ہیں۔ اس لئے یہاں انا کا مسئلہ بنانے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ جو ہو گیا وہ اللہ تعالیٰ کے
حوالے وہ احکم الحاکمین ہے۔ ہمارے پاس سلطہ اور طاقت نہیں کہ کچھ کر سکیں۔ دین کی دہائی
جماعت کے مفادات اور آخرت میں باز پرس کی تذکیر کر سکتے ہیں۔ تمام اہل حدیثوں کے
لئے بہتر یہی ہے کہ جماعت کی ایک تنظیم ہونی چاہیے۔ اصغر صاحب ہٹ جائیں اور جمعیۃ اہل
حدیث ہند تحلیل ہو جائے اور ایک ایڈہاک بنادی جائے اور جدید کاری اصلاح اور سدھار کے
مراحل سے گذر کر چھ ماہ یا ایک سال کے اندر مرکزی جمعیۃ کی نئی تشکیل ہو جائے۔

جمعیۃ اہل حدیث ہند کے ذمہ دار اسے تحلیل کرنے کے لئے تیار ہیں اور وہ اس کام میں
بھرپور تعاون کر رہے ہیں کہ تنظیم جماعت کی تجدید نو ہو اور جماعت کی ایک ہی تنظیم رہے۔
یحییٰ صاحب اصغر اور ان کے ہم راز بھی یہ نیک کام کریں اور تنظیم جدید اور اصلاح کی خاطر
اپنے عہدوں سے دست بردار ہو جائیں اور جماعت کو یہ کام کرنے دیں۔ خود اپنے طور پر یہ
قربانی دیں تا کہ جماعت میں انتشار اور فساد نہ پھیلے اور ایک بہترین مثال بھی قائم ہو جائے۔

اس طرح تمام ریاستوں کے ارکان شوری سے گذارش ہے کہ وہ استعفیٰ دیدیں۔
بات کھینچا تانی کی مناسب نہیں ہے۔ جو ذمہ دار بنے ہوئے ہیں اور تیسرے میقات میں
جماعت کی تنظیم کی ذمہ داری صحیح یا غلط طور پر اٹھا رکھا ہے مفاد جماعت میں انھیں سب سے
زیادہ حساس ہونے کی ضرورت ہے۔

بحث ومباحثہ حجت بازی سے مسئلے حل نہیں ہوتے۔ مفاہمت سے حل ہوتے ہیں
اور مفاہمت کے ماحول ہی میں اصلاح وتجدید کا کام انجام پا سکتا ہے۔ انسان اگر حقیقت
پسند اور سچا ہو، باشعور اور باضمیر ہو اور ذاتی تضادات پر جماعتی مفادات کو ترجیح دینے کی بات

دل میں بیٹھ جائے اور وہ ٹھان لے کہ راہ حق پر گامزن ہوگا تو لمحوں میں گمبھیر مسائل بھی حل
ہو سکتے ہیں اور اگر بے شعوری ضد اصرار علی الباطل اور مفاد پرستی کے اڑیل رویے اور ٹیڑھی
سوچ پر قائم رہے تو عمر نوح بھی مل جائے تب بھی مسائل کا حل نہیں نکال سکتا۔

تنظیم کی موجودہ قیادت کا بدل پیش کرنے کی بات ہوتی ہے۔ بدل صرف بطور انجام
دوسرا اصغری بن سکتا ہے۔ اصلاح جدید کاری اور عملی خاکے کے بعد اور دینی جماعت سے ہم
آہنگ دستور بنانے کے بعد از سرنو تنظیم سازی بدل سے لاکھوں بار زیادہ اہم مسئلہ ہے۔

موجودہ تنظیمی تعطل کا حل یہ بھی نہیں ہے کہ مجلس شوری بلائی جائے۔ مناظرہ کیا جائے
اور جوتم بیزاری اٹھا پٹک ہو۔ پولیس بلائی جائے۔ کٹا بردار غنڈے گیٹ پر کھڑے کئے
جائیں۔ اور مجلس شوری ہے کہاں اور کب موجودہ قیادت ایسی شوری بلائے گی کہ آزاد خیال
ارکان شوری اس کو زیر کر سکیں۔ موجودہ تعطل بحران اور فساد کا واحد حل یہی ہیکہ افہام تفہیم
کے ساتھ مسئلے کا حل نکالا جائے۔ جبر ہنگامہ اور فساد سے دوسرے فساد پیدا ہوں گے۔
رضا کارانہ کاموں میں دل کی خوشی زندہ ضمیری ذمہ داری کا احساس اور مفاد ذات سے اوپر
اٹھ کر کام کرنے سے کار خیر کی راہیں کھلتی ہیں۔ خلجی صاحب کے ہٹانے میں جبر ہوا۔ یحییٰ
نے فراڈ کیا۔ باہر سے پیر ضال نے مداخلت کی اس کا نتیجہ ہمیں اصغر اور اصغریات ملا جنھیں
ہم بھگت رہے ہیں۔

مفاہمت اور مصالحت کی زبان میں اعیان جماعت اصغر صاحب سے گذارش کریں
وقت دیں کہ جماعت کے مفاد میں نظامت چھوڑیں۔ شوری کے لوگ استعفا دیدیں۔ نہیں
تیار ہوں تو ملک کا دورہ کیا جائے شوری کے ممبران کو سمجھایا جائے۔ ان سے استعفا مانگا جائے
اور پورے ملک سے مسلسل اعیان جماعت اور ادارے اصغر پر دباؤ ڈالیں۔ ایمان ویقین
سے میدان میں اتریں تو اللہ کی نصرت شامل حال ہوگی اور فساد دور ہوگا۔ لیکن یہ کام تسلسل
کے ساتھ ہونا چاہیے۔

اس وقت جماعت انتشار وخلفشار کی شدید تر صورت سے گذر رہی ہے۔ اور دعوت
وتربیت تعلیم وثقافت کے میدان میں خاص طور پر سخت انحطاط کا شکار ہے اور پوری جماعت

غلط کاروں کے لئے مال غنیمت بنی ہوئی ہے۔اس وقت جماعتی اتحاد مفاہمت اور مصالحت کی شدید ترین ضرورت ہے۔اور وقت کا شدید تقاضا ہے کہ جماعت کی تنظیم سازی اس طرح حقیقت پسندانہ اوراصول وضوابط کے مطابق ہو کہ بار بار تنظیم میں تعطل استبداد فساد مفاد پرستی اورفریب کاری کے لئے کسی طرح کی گنجائش نہ رہ جائے۔

جماعت نے ماضی میں کیا کیا ہے اوراس کا کتنا شاندار امتیازی ماضی ہے سب عیاں ہے۔پھر ہم کس قدر انحطاط کے شکار ہو گئے اور فکر ونظر سرگرمی ونشاط عمل وحرکت میں ایسے نقائص پیدا ہو گئے کہ جماعت کی تنظیم آماجگاہ شر وفساد بن گئی۔ان نقائص کو کیسے دور کیا جائے اور کس طرح تنظیم سازی ہونی چاہیے۔اور تنظیم کی جدید کاری کیسے ہو کن نقائص کو دور کریں، کن خصائص کا حامل نہیں کہ تنظیم فعال اور مؤثر بن جائے۔تنظیم سے وقت کے سب سے بڑے سوالات ہیں۔

ان امور پر غور وفکر کے بعد یہ صفحات جماعت کے بابصیرت لوگوں کی خدمت میں پیش ہیں تاکہ غور کریں کہ تنظیم کی جدید کاری کیسے ہو۔ یہ فکری زاویئے کوئی نئے نہیں ہیں جماعت اور جمعیۃ سے جن کو لگاؤ ہے اور وہ بابصیرت ہیں ان سبھی کی سوچ اسی طرح کی ہو سکتی ہے اور بہت سے فضلاء ہم سے بھی زیادہ اچھے انداز میں سوچتے ہوں گے۔ جماعت میں ایسے بابصیرت لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ یہ سطور ان کی خدمت میں پیش ہیں وہ بھی غور کریں اور جماعت کو موجودہ فساد سے نکالنے کے لئے آگے بڑھیں۔

اللہ تعالیٰ میری اس حقیر کوشش کو قبولیت بخشے اور جماعت کے لئے مفید بنائے۔آمین

عبدالمعید، دہلی

14/10/2014

☆☆☆

باب اول

جماعت اہل حدیث

(شان دار ماضی)

الحمد الله رب العالمين، والصلاة والسلام على أشرف المرسلين وعلى آله و صحبه أجمعين۔

● جماعت اہل حدیث:

منہج سلف یعنی صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے طریقہ عقیدہ وعمل کو ماننے والے اہل حدیث کہلاتے ہیں۔اور منہج سلف یہ ہے کہ اسلام اور مصادر دین کو اسی طریقے سے جاننا سمجھنا اور اسی صحیح شعور وادراک کے مطابق عمل کرنا جس طرح رسول گرامی ﷺ نے دین کو بتایا اور عمل کیا اور جس طرح آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تابعین عظام اور تبع تابعین قرون مشہود لہا بالخیر نے دین کو سمجھا اور عمل کیا۔

سوال یہ ہے کہ دین کے ساتھ منہج کی ضرورت کیوں آن پڑی؟اور کہاں سے آن پڑی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ منہج کی ضرورت اس لیے آن پڑی تاکہ دین خالص و بے آمیز رہے۔ اس میں کسی آمیزش کی گنجائش نہ رہے۔اور اس کی فعالیت اور اثر آفرینی پر کوئی فرق نہ پڑے۔تخلیق انسانی کے بعد جب انسان کو دین وشریعت دی گئی تو ایک ہی الفیہ کے بعد انسان نے اپنے افکار اور ہوا ہوس کو دین میں شامل کر دیا۔اور امت واحدۃ میں تفرق و اختلاف در آیا۔یہ انسانی طبائع مزاج اور اس کی امنگوں ولولوں مطامع اور ہوا ہوس کا خاصہ ہے کہ جادۂ اعتدال سے ہٹتا ہے اور بسا اوقات اپنی ساری لغزشوں کو دین کا جز بنانے کی کوشش کرتا ہے۔دین کو بے آمیز نہیں رہنے دیتا۔انسانوں کی لغزشیں ایک تو ہوتی نہیں ہیں۔انسان کی ذاتی لغزشیں بے شمار ہوتی ہیں۔کبر وغرور کی لغزشیں، منصب کی بے جا طلب کی لغزشیں، مال و دولت کے حصول کی غیر اصولی کوششیں، تعقل پرستی، وہم پرستی، اخلاقی بگاڑ، جنسی بگاڑ، دین کے نام پر تجارت، دین کے نام پر ڈھونگ۔یہ بگاڑ ایک فرد کا نہیں بے شمار افراد کا ہوسکتا ہے۔ان تمام کو ہوس کا فساد کہا جا سکتا ہے اور انھیں اصول آئیڈیا لوجی افکار اور نظریے کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔اور یہ بگاڑ بے شمار انسانی افراد کے ہوتے ہیں۔یہ بگاڑ سماجی سیاسی، اعتقادی اور اقتصادی بھی بن سکتے ہیں اور ہر قسم کے اتھل پتھل کا

سبب بھی بن سکتے ہیں۔یہ سب جتھا بندی، حزبیت اور فرقوں کا روپ دھار سکتے ہیں اور ان سے حزبی تعصّبات بھی رونما ہوسکتے ہیں اور یہ ساری شکلیں دین اور مصادر دین پر حملہ آور بھی ہوسکتی ہیں اور انھیں لوگ اپنی پسند کے مطابق بدلنے کی بھرپور کوشش بھی کر سکتے ہیں۔اس سے انتحال تاویل اور تحریف کے دروازے بھی کھل سکتے ہیں۔

یہ ساری خطائیں اور لغزشیں سرزد ہوتی ہیں اور تاریخ میں ریکارڈ ہوجاتی ہیں۔انفرادی و اجتماعی بگاڑ کی ان ساری انواع واقسام کی شکلوں کو دین کا نام بھی ملا۔فرق بھی رونما ہوئے، تاویل وتحریف اور انتحال کے دروازے بھی کھلے۔ان کے لیے حزبیت اور تعصّبات کی رنگیں بھی ظاہر ہوئیں اور فرق کے درمیان باہم جدال وقتال بھی ہوئے۔

ان تمام اباطیل سے دین کو محفوظ رکھنے کے لیے منہج کی ضرورت پڑی۔قرآن اور سنت کے اصول وضابطوں اور قرون مشہود لہا بالخیر کے فہم وعمل اور تعامل کو منہج قرار دیا گیا۔اسی منہج کے ذریعہ خارجیت، رافضیت، جہمیت، قدریت، ارجاء اعتزال، تقلید، تصوف اور موجودہ دور کے دینی استشراق اسلامی جمہوریت، مادی اباحیت پسندانہ اتحاد سب کی قلعی کھلتی ہے اور صراط مستقیم سے ان کے بھٹکنے کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔اسی سے اشعریت اور ماتریدیت کے سارے جھوٹے دعاوی اور اصولی اور کلی گمراہیاں کھل کر سامنے آتی ہیں۔اور تصوف وتقلید کے نام پر اہل سنت اور دین کے عنوان سے جاری سارے شرک الحاد فسق و فجور قبر پرستی، مشائخ پرستی، پیر پرستی، وحدۃ الوجود، تصور شیخ تصرفات اولیاء کے تھوک در تھوک شرکیات اور ضلالات کا بھی پتہ چلتا ہے۔

● منہج سلف کی عظمت واہمیت:

یہی منہج سلف کا مجمل تعارف ہے۔(تفصیل کے لیے منہج پر ہماری زیر تالیف کتاب کا انتظار کریں)

اسی منہج سے دین کا صحیح اور کامل شعور ملتا ہے اور اس کو اپنا کر عقیدہ اور عمل درست ہوسکتا ہے۔اسی سے راہ مستقیم طے ہوتی ہے۔اسی سے طائفہ منصورہ کی تعیین ہوتی ہے۔اسی کے ذریعے حسنات دنیا وآخرت کا حصول ممکن ہے اور اسی سے رضائے الٰہی حاصل ہوسکتی ہے۔

اسی منہج سے صحیح عقیدے کی تعین ہوتی ہے۔راہ راست اتباع کی روشن شاہراہ بنتی ہے۔عقیدہ وعمل میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔مصادر دین کی حیثیت طے ہوتی ہے اور نصوص کی معتبریت استناد ضرورت اہمیت اور دینی ہیمنت متعین ہوتی ہے۔عقیدے کی اساسیت اور اس کے اساسی رول کی وضاحت ہوتی ہے۔اسی منہج سے دین کی صحیح تشریح ہوتی ہے۔مباح امور میں یہی منہج اجتہاد کا دروازہ اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والوں کے لیے ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔یہی منہج تعقل پرستی، وہم پرستی، شخصیت پرستی بے اعتدالی غلو افراط وتفریط سے لوگوں کو بچاتا ہے۔ اور کامل دین کو فرد اور معاشرے میں لاگو کرنے اور اسے صبغۃ اللہ میں رنگنے کا گن سکھاتا ہے۔اسی منہج نے رد باطل کو ہمیشہ دینی فریضہ قرار دیا۔دعوت کو ہر جگہ ہر وقت اور ہر فرد پر واجب بنایا اور جہاد کو تمام شروط کے ساتھ اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی طاقت اور کامیابی کا ذریعہ تسلیم کیا۔

اسی منہج سے اہل سنت اہل حدیث کی تعیین ہوئی۔سلفی عقیدے طے ہوئے حدیث اور علوم حدیث کے اصول وضابطے بنے اور اہل سنت کو دین کا اصلی نمائندہ تسلیم کیا۔اسی نے سنت کو مقلدین تخریب پرستوں روافض معتزلہ صوفیاء اور منکرین حدیث کے دست برد سے بچایا۔اور اس کی محکم حیثیت کو طے کیا۔اور علم الاسناد جرح وتعدیل کے ضابطے طے ہوئے اور اسے خود غرضوں، جاہلوں اور متعصبوں کے خرد برد سے تحفظ عطا کیا۔اور ان کے اندر رائے قیاس اور عقل کی طغیانی کی مداخلت ہونے نہیں دی۔

نصوص قرآن وسنت کو ہر طرح اسی منہج سے تحفظ ملا۔باطنیوں صوفیوں تعقل پسندوں نے ان کے ساتھ جو کھیل کھیلنے کی کوشش کی اسے ہونے نہیں دیا۔ان کی تاویلات وتحریفات کا ابطال کیا۔اور ان سے بچنے کے لیے تفسیر ماثور کے اصول وضابطے بنے۔فقہ القرآن وفقہ الحدیث کا طریقہ طے ہوا۔کہ استنباط مسائل میں نص کے ذریعہ نص کی تشریح، صحابہ کی تشریحات مستند علماء صلحاء فقہاء اور محدثین کی تشریحات کو ایک مستند معیار کے مطابق فقہ القرآن والسنہ کی تدوین کی گئی اور نص کے مقابلے میں کسی امام عالم اور فقیہ کی رائے کو ذرہ برابر وزن نہیں دیا گیا۔

منہج نے علوم کے ساتھ معاشرت سیاست معیشت ہر میدان میں دین کی اصالت اور اصلیت کو برقرار رکھا ہے اور ان تمام میدانوں میں اس کی اثر آفرینی اور فعالیت کو برقرار رکھا اور حتی الامکان اس کی فعالیت کو عملی شکل دیا۔اور کسی طرح حیلہ وتقیہ مکر وفریب دوسرے ادیان اور افکار سے تاثر پذیری کو دین کے اندر داخل نہیں ہونے دیا۔اب فکر اور فنون میں بھی دین کی کارفرمائی کو مطلوب جانا۔

اور یہ کام وقتی نہیں ہے۔شروع سے اب تک دین کی حفاظت نصوص کی صحیح تشریحات اور باطل افکار ودعوات کی پرکھ اس کے فرائض میں داخل رہی۔اور ہر دور میں اس نے مخلص دعاۃ مجاہدین علماء فقہاء ماہرین زبان وادب سیاسی زعماء، مجتہدین، محدثین اور مفسرین پیدا کیے۔اور قیامت تک اسی کے سائے تلے طائفہ منصورہ دین حق کی پاسبانی اپنی تمام ارشاد و تصحیح اور امتیاز حق وباطل کے وصف اصول ولاء وبراء اور جتہادی وجہادی قوت کے ساتھ کام کرتا رہے گا۔

اس کی قوت عمل اور کارکردگی دیکھئے اس نے شروع میں خارجیت کو ختم کی اور اس کی پہچان متعین کی اور اس کی ترشید وتصحیح کی۔روافض کی اصلیت کو امت کے سامنے پیش کیا۔ انجام کار اپنی تمام فریب کاریوں، امت کے ساتھ مسلسل غداریوں، اکاذیب واراجیف اور منافقت کے باوجود وہ امت اسلامیہ میں مرفوض ہی رہے۔ پوری تاریخ امت میں دور حاضر کے ابلہ فریب خود کو اہل سنت سے جوڑنے والے تحریکیوں نے انھیں گلے لگایا اور اپنے دین وایمان کو بیچ ڈالا ہے۔یہ ایک شاذ مثال ہے۔

اس منہج نے سارے باطنی فرق کی گمراہیوں کو کو نمایاں کیا اور امت کو ان سے بچایا سارے فرق باطلہ جہمیہ قدریہ مرجیہ کے کفر والحاد اور گمراہی کو اجاگر کیا۔ جب ان کے سارے افکار کو معتزلہ نے پی لیا۔انھیں اس منہج اور اس کے ماننے والوں نے پہچانا اور امت کو ان کی گمراہی سے بچایا۔ان کے عقیدۂ وعمل کی ساری گمراہیوں کو تفصیل کے ساتھ امت کے سامنے پیش کیا۔معتزلہ کے وارث اشعری ماتریدی بنے اور اہل سنت کا لبادہ اوڑھ لیا۔ ان کی متنوع مہلک گمراہیوں سے امت کو آگاہ کیا اور ان کی بھیانک لغزشوں پر کتاب وسنت

کے دلائل سے ڈھیر لگا دیے۔

ان سب سے زیادہ گمراہی تقلید اور تصوف کی راہ سے آئی۔تقلید اور تصوف دونوں کا روگ ایک ساتھ چلتا ہے۔دونوں شخصیت پرستی کو پروان چڑھاتے ہیں اس لیے دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئے۔قریبا پانچ سو سال تک اہل سنت کے ٹائٹل کے تحت تقلید اور تصوف نے امت مسلمہ کو کھوکھلا کیا اوران کی ساری توانائی اور ساری صلاحیت اور امت اسلامیہ ہونے کی ساری خوبیاں چاٹ لیں اوراسے ازحد کمزور کردیا اور معاشرے میں اتنی طرح طرح کی جنگیں بپا کیں،علمی اخلاقی اور ایمانی طور پر اسے اتنا انحطاط پذیر بنا دیا کہ امت اسلامیہ صلیبی استعماری قزاقوں کے زیر تسلط آگئی۔انھوں نے اس سے اس کا سب کچھ چھین لیا۔اور آج شیطانی نظام حیات علمانیت،سرمایہ داری اور جمہوریت کے ہاتھوں میں ہمارا لگام ہے۔اباحیت پسند معاشرہ،سود اور جوے میں ڈوبا ہئی معیشت کا دور دورہ۔اور ہماری اپنی غفلتیں ہیں۔بے دینی جہالت فقر اور توہم پرستی ہے۔تقلید وتصوف کا قبر پرستی اور پیر پرستی والا دین ہے۔

ان سب کو اگر دنیائے اسلام میں کسی نے جانا سمجھا اوران کی تصحیح وترشید ابطال وتردید کی تو منہج سلف کے ذریعے سلفی علماء ومحدثین نے کی۔امت کو متحد کیا استعماریوں سے ہر جگہ جہاد کیا امت کو کتاب وسنت کی طرف لوٹنے کی دعوت دی اور امت کے کھوئے ہوئے وقار کی بازیابی کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔اس کے ساتھ روافض صوفیاء ومقلدین استعماریوں اور مسلم دانشوروں کی دشمنیوں کا بھی سامنا کیا۔اوراب تک جھیل رہے ہیں۔

● برصغیر میں اہل حدیث کی عظیم کارکردگی:

پوری تاریخ اسلام میں ہر جگہ منہج سلف کے حاملین نے اپنا دینی فریضہ نبھایا اور ہمیشہ ہر جگہ ان کی علمی واخلاقی ہیمنت قائم رہی۔چار صدیوں تک یہی منہج سلف مسلمانوں کے اندر ہر میدان عمل میں معمول بہ رہا۔اس کے بعد بھی شمع ہدایت ہر جگہ یہی اٹھائے رہے اور آج تک اٹھائے ہوئے ہیں۔

ہندوستان میں بھی چوتھی صدی تک مفتوحہ مسلم خطوں میں اور مسلم آبادیوں میں اہل حدیثیت کا بول بالا رہا۔چوتھی صدی کے بعد ہندوستان تورانی ثقافت فقہ حنفی اور وحدۃ الوجود کا ریلا آیا اور سارا ملک اسی رنگ میں رنگ گیا لیکن تورانی ثقافت کے مقابلے میں بھی کہیں نہ کہیں اہل حدیثیت زندہ رہی خصوصا تغلق گھرانے کے دور حکومت میں۔مغلوں کے ساتھ جب ہندوستان میں ایرانی ثقافت آئی اور لوگ تورانی ثقافت کے بعد وحدۃ الوجود،منطق اور فلسفہ میں منہمک ہوگئے۔اس وقت بھی ملک کے مختلف علاقوں میں ایسے علماء موجود تھے جو خالص کتاب وسنت کی تعلیم دیتے تھے۔اور تقلید کی ہلاکت خیزیوں سے لوگوں کو آگاہ کرتے تھے۔

شاہ ولی اللہ ان کے تلامذہ اوران کے بیٹوں نے لوگوں کے اندر تقلیدی ثقافت سے ہٹ کر سنت کی راہ مستقیم پر چلنے کی طرف توجہ دلائی۔اس سنی اور حدیثی ثقافتی رجحان سے تھوڑا کچھ علماء کی سوچ میں بدلاؤ آیا۔شاہ ولی اللہ کی الانصاف،عقد الجید،ازالۃ الخفاء،حجۃ اللہ البالغہ،تراجم ابواب البخاری،فارسی میں ان کے بعض وصایا قرآن کریم کا فاری ترجمہ قرۃ العینین اوران کی تدریس حدیث نے رجوع الی الکتاب والسنۃ کا علماء کے اندر ایک مثبت رجحان بنایا۔جامد تقلیدی ماحول میں یہ بہت عظیم کارنامہ تھا۔

ان کے بعد ان کے بیٹے خصوصا شاہ عبدالعزیز کی تفسیر اور فتاوی میں تقلیدی جمود پر قیمتی مباحث،ان کی کتاب تحفہ اثنا عشریہ،شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کے تراجم قرآنی نے ایرانی وتورانی ثقافت کو متزلزل کیا۔شاہ ولی اللہ کے شاگردوں میں مرزا مظہر جان جاناں،قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب تفسیر مظہری اور ملا معین الدین صاحب دراسات اللبیب کی دعوت رجوع الی الکتاب والسنہ نے اپنا ایک حلقہ بنایا جن کی تقلیدی ماحول میں الگ پہچان بنی۔اسی طرح علماء سندھ میں جو شاہ ولی اللہ کے قریب وبعید کے ہمسر تھے ان کی بھی رجوع الی الکتاب والسنہ کی جہود اہمیت کی حامل ہیں۔

شاہ ولی اللہ کے سلسلہ درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کی تیسری پیڑھی شاہ اسماعیل مولانا عبدالحئی بڈھانوی سید احمد شہید اور شاہ اسحاق کے دور میں رنگ ہی کچھ اور نکھر چکا تھا۔یہ سبھی

تقلیدی جمود سے باہر آ چکے تھے اور ان کے منہج دعوت میں نکھار آ چکا تھا اور یہ لوگ عملا اور تعلیما ہر طرح تقلید وسنت میں مقابلہ آرائی کے موقع پر سنت کو ترجیح دیتے تھے۔

اس تیسری نسل میں شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید کا رنگ سب سے زیادہ نرالا تھا۔ اور ان دونوں میں شاہ شہید کا رنگ ہی الگ تھا۔ انھوں نے ماحول کی ساری تقلیدی بندھنوں کو توڑ ڈالا اور دعوت حق کے مشن کو تدریسی حجروں سے نکالا اور عملی میدان میں لا کھڑا کیا، عوام میں توحید کی صدا بلند کی، جہاد کے لیے منصوبہ بنایا، افراد کی تربیت کی، عوام کے لیے دعوتی تحریریں چھاپیں، تقویۃ الایمان کو پورے برصغیر میں پھیلایا۔ پورے ملک میں دعوتی جہادی دورے ہوئے۔ حج کے لیے سفر کیا گیا۔ اس طرح پورے ملک میں ہر جگہ دعوت رجوع الی الکتاب والسنۃ کی آواز پہونچی اور اس کی خاطر مثالی عملی جدو جہد شروع ہوئی۔ دین کے کام میں پھیلاؤ ہوا اور پورے ملک میں اصلاح دعوت تعلیم اور جہاد کا کام شروع ہو گیا۔ ہر طرف کتاب وسنت کی دعوت دی جانے لگی۔ تقلیدی جمود ٹوٹا اور ملک کو شاہراہ کتاب وسنت پر لانے کی بھرپور کوشش شروع کی گئی۔ شرک وبدعت کی دلدل سے بندگان الٰہی کو نکالا گیا۔ فکر وخیال میں تازہ کاری آئی۔ اعمال میں نکھار آیا۔ معاشرے میں زندگی آئی۔ اسلامی شناخت بننے لگی۔ ملک کا ہر طبقہ تجدید دعوت کے اس سلفی مشن سے متاثر اور مستفید ہوا۔

دعوت وتعلیم اور اصلاح وجہاد کا یہ کام چوتھی نسل کے ہاتھ میں آتا ہے۔ شاہ اسحٰق کی تدریس حدیث کی وراثت سید السادات میاں نذیر حسین کو ملتی ہے۔ علمی کارواں کی حدی خوانی سید والا جاہ نوب صدیق حسن کو ملتی ہے۔ جہاد کا کام مولانا ولایت علی اور عنایت علی کو سپرد کیا جاتا ہے اور تینوں خدمت دین کے سوتے ایک ساتھ مل جاتے ہیں۔ اور تینوں جہتیں مل کر دعوت واصلاح کا وہ کام کرتی ہیں کہ تاریخ اسلام کے نقوش اولیں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ دعوت واصلاح تعلیم وتدریس اور جہاد کے یہ تینوں مورچے اور ان پر لگے خدام اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں اپنا سب کچھ لگا دیتے ہیں اور یہ تمنا کرتے ہیں کہ جو کچھ ان کے پاس تھا اس سے سوا ہوتا تو وہ بھی اللہ کی راہ میں لٹا دیتے لگا دیتے۔

ایک فقیر بے نوا در کبریا پر بیٹھا علم کا دریا بہائے ہوئے تھا۔ جس کی لہریں برصغیر کے علاوہ

ایران توران نجد وحجاز عرب وعجم تک پہونچیں اور جس نے اس کے دربار گہربار سے استفادہ کر لیا اگر وہ ذرہ تھا تو نیر تاباں بن گیا۔ برصغیر کا گوشہ گوشہ اس کے جود علم سے فیض یاب ہوا۔ اس کے تلامذہ نے سارے برصغیر میں دعوت وتعلیم اور جہاد واصلاح کو اپنا مشن بنا لیا اور صادق پور کے جہادی مشن میں مکمل مشارکت کی زیر زمین بھی اور آن دی گراؤنڈ بھی۔

بھوپال میں دوسرے فدائے سنت نے برصغیر اور اس سے ورے اپنے فیضانِ علم کی وہ بارش کی کہ گھر گھر میں علم کی روشنی پہونچی۔ علماء کا کفیل بن گیا اور بلا طلب مستند ثقہ اور معتبر علماء کے لیے سہارا بن گیا اور خدمت دین کے لیے انھیں فارغ البال کر دیا۔ اس کی کرم گستری کا یہ حال تھا کہ کے خانپور کے قاضی برادران کو خدمت دین کے لیے اتنا نوازا کہ آج کے دور میں اس کا حساب کروڑوں نہیں اربوں میں ہوگا۔ اس نواب اور اپنے دور کے سب سے بڑے قلمکار سید زادے نے مسلمانوں کے اندر دینی کتابوں کو چھاپنے اور مفت بانٹنے کی سنت حسنہ قائم کی جس پر آج دینی علمی دنیا میں ہر خطے میں عمل ہو رہا ہے۔ اور اسی تتبع میں ''دارالمعارف العثمانیہ'' حیدرآباد کا قیام عمل میں آیا اور اس کی نقل ''دارالمصنفین''، ''ندوۃ المصنفین'' اور دوسرے تالیفی وتحقیقی ادارے ہیں۔ ان سے پہلے جزوی طور پر یہ کام مولانا ولایت علی صادق پوری نے بھی کیا تھا۔

صادق پور عظیم آباد کا صدیقی گھرانہ بھی نوابوں کا گھرانہ تھا اس میں کئی پٹیاں تھیں۔ اور بعض استثناءات کے ساتھ سب پورے برصغیر کے مسلمانوں کی تعلیمی جہادی اور دعوتی قیادت کر رہی تھیں ان کا یہ نیٹورک زیرزمین سونا جنگل بنگلہ دیش سے پشاور تک پھیلا ہوا تھا اور اس سے دہلی کی مسند درس سے وابستہ لوگ بھی جڑے ہوئے تھے۔ اور بھوپال کے دربار علم سے وابستہ لوگ بھی اور بنگال کے دادو میاں ٹیٹو میاں کے مشن کے لوگ بھی۔

اس گھرانے کی اتنی قربانیاں ہیں کہ اسے برصغیر کا اول گھرانہ کہنا چاہیے۔ علم دولت جاہ و حشمت کیا کچھ نہیں تھا اس گھرانے میں۔ مولانا ولایت علی کے چھوٹے بھائی مولانا عنایت علی نے ۱۸۴۰ء کے قریب گھرانے کی جائداد سے اپنا حصہ لے کر سرحد جا بسے اور راہ جہاد میں ان کا گھرانہ مرکھپ گیا اس وقت ان کا حصہ ۶ /لاکھ روپئے نکلا۔ اعلائے کلمۃ اللہ کی

خاطر انھوں نے جان و مال سب کی قربانی دے دی۔ اندازہ لگایئے پونے دوسو سال پہلے چھ لاکھ کی قیمت آج کتنی ہوگی۔ صادق پور گھرانے کی قربانیوں کی یہ عظیم شاہکار مثال ہے اور اس گھرانے کی دوسری قربانیاں بھی شاہکار ہیں۔ برصغیر کے ہر فرد کی گردن پر اس گھرانے کا احسان ہے۔ اس گھرانے کی قربانیوں کا اعتراف پنڈت جواہر لال نہرو نے کیا تھا۔ ہندوستان کے وزیر اعظم نے مولانا سید عبدالخبیر کی زیارت کی اور کہا ہندوستان کی آزادی کی ساری قربانیوں کو اگر ایک پلڑے میں رکھا جائے اور صادق پور گھرانے کی آزادی کے لیے دی گئی قربانیوں کو دوسرے پلڑے میں تو صادق پوری قربانیوں کا پلڑا بھاری ہوگا۔

اس رجوع الی الکتاب والسنہ کی دعوت اور جدوجہد میں ملک کے مسلم باشندوں کے ہر طبقے سے لوگ شریک ہوئے۔ اور اس سے وابستہ ہوگئے اور اس دینی اجتماعی جدوجہد کے ہمہ گیر اثرات مرتب ہوئے۔ اس میں سارے اہل حدیث تجار شریک ہوئے کلکتہ پٹنہ بنارس لکھنؤ قنوج بھوپال دہلی آگرہ ممبئی لاہور پشاور امرتسر کے مشہور تاجروں کی فیاضی خفیہ طور پر کام آتی رہی۔ عوامی تعاون ہر اہل حدیث کرتا رہا اور خفیہ طریقے سے یہ کام آزادی ہند تک جاری رہا اس میں علماء تعلیم یافتہ غیر تعلیم یافتہ مختلف پیشوں سے وابستہ حضرات طلباء اور محنت و مزدوری کرنے والے اہل حدیث بھی شریک رہے۔ اس میں بہت سے نوابوں زمین داروں اور جاگیرداروں کی بھی حصہ داری رہی۔ یہ سارا کام عیاں و نہاں مشن کے طور پر جاری رہا اور اتنے منظّم فدا کارانہ اور رضا کارانہ ڈھنگ سے ہوا کہ ڈیڑھ سو سال تک خفیہ جہادی تعلیمی و تنظیمی مشن کی تاریخ میں ایک غدار نہیں نکلا۔ بڑی سی بڑی اذیتیں جھیل لیں لیکن کبھی مشن کے برخلاف کام نہیں کیا نہ اس کے ساتھ وفاداری میں فرق آیا۔

مومنین صادقین کا یہ کاروان قریب ایک صدی تک تنہا برٹش استعمار سے لڑتا رہا۔ ۱۹۱۶ء تک ندوہ، دیوبند، بریلی، فرنگی محل حمایت اسلام لاہور استعمار کے ہمنوا تھے یہ تو علماء، اصلاحی تنظیمات اور اداروں کا حال ہوا۔ ملک کے جاگیردار، نواب رجواڑے، بنئے سب استعمار کے ساتھ۔ ملک کی ساری اسلامی تنظیمیں ان صادقین کے خلاف۔ ان کو وہابی مترادف باغی

قرار دے کر پھانسی پر لٹکانے کے لیے سفارش میں سرگرم۔ ہندوستانی وہابیوں کے خلاف ملک کے سارے مقلدین کے متفقہ فتاوی، تکفیر کے فتاوی، ضلالت و تفسیق کے فتاوی، سماجی بائیکاٹ کی قراردادیں، مساجد سے نکالنے کی اپیلیں، کورٹ میں مقدمے، قتل و خونریزی مار پیٹ سب روا۔ علماؤں کی استعماری حکومت سے گزارش کہ وہابیوں کو باغی قرار دے کر انھیں تہہ تیغ کر دیا جائے۔ یہ سب ہوا لیکن کاروان دعوت و جہاد چلتا رہا۔ اس کے توڑ میں دیوبند میں استعمار کے نوکروں نے مدرسہ قائم کیا اور استعمار غلامی کی برٹش استعمار سے سند حاصل کی۔ ۱۹۱۶ء کے بعد قومی سیاسی عمل شروع ہوا اور سیاسی تحریکیں اٹھیں تو یہ بیچارے بھی اس میں شریک ہوگئے اور آزادی کا ہیرو بننے کا افسانہ گھڑنے لگے۔

برصغیر میں بہت سے جھوٹے مسیحا پیدا ہوئے اور اپنے لیے عظمت کا مینار قائم کرنے لگے۔ سرسید کی عظمت کے لیے بڑی چھلانگیں لگائی جاتی ہیں اس استشراقی بندے، استعماری غلام اور انکار حدیث کے بانی اکبر کے کمالات میں ایک کالج کے قیام کو بڑا عظیم قرار دیا جاتا ہے جب کہ وہ استعمار کے در کی ایک بھیک کے سوا کچھ نہ تھا۔ اور ہزاروں کے بجٹ سے آگے نہ جاتا تھا اور یہاں عظمت کے میناروں کا یہ حال ہے کہ برصغیر میں اسلامی ریاست کے قیام کے لیے ایک فرد واحد سرسید سے چالیس سال قبل ۶ رلاکھ خرچ کر دیتا ہے اور اپنی پوری فیملی کھپا دیتا ہے اور کسی سے اس کا صلہ نہیں مانگتا۔ نہ شہرت کی راہ سے نہ منصب کی راہ سے۔ برصغیر کی سو سالہ عظمتیں اداروں تنظیموں اور قائدین کی شکل میں اگر صرف مولانا عنایت اللہ صادق پوری پر قربان ہو جائیں تب بھی ان کی عظمت کا حق ادا نہ کر سکیں گی۔ مگر افسوس خود اہل حدیث اپنی عظمتوں کو نہیں جانتے اور ہما وشما کی خود ساختہ جعلی عظمتوں کے سامنے شرمانے لگتے ہیں۔

برصغیر میں اہل حدیثوں کے کارناموں کے ہمہ گیر اثرات اور ان کی عظمت واہمیت کو نہ اپنے جانتے ہیں نہ غیر۔ یہاں تو پیہم یہ صدا آتی رہتی تھی۔

سودا خمار عشق کا خسرو سا کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

ہمہ آہوان صحرا سرِ خود نہادہ برکف　　　بہ امید آں کہ روزے بہ شکار خواہی آمد

اور راہِ حق میں سب کچھ لٹا کر یہ صدا لگاتے تھے:

ہم کھو کے تری راہ میں کل دولت دنیا　　　سمجھا ہے کہ کچھ اس سے سوا میرے لیے ہے

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے　　　یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

●بر صغیر میں اہل حدیث کے اثرات:

برصغیر میں اہل حدیث کی ہمہ جہت کوششوں کے اثرات بھی ہمہ گیر رہے۔ اتنی شاندار کامیابی کی مثال شاذ و نادر ملتی ہے۔ کمیت اور کیفیت ہر اعتبار سے ان کی کامیابیاں شاہکار ہیں۔ آزادی سے قبل برصغیر ہندو پاک بنگلہ دیش نیپال افغانستان برما اور سری لنکا میں ان کی جہود کے اثرات کو دیکھیں تو اندازہ ہوگا اہل حدیث آبادی ان خطوں میں کل خلیجی ممالک عراق اردن شام اور یمن کی مجموعی آبادی سے زیادہ ہے۔ یہ تعداد کیسے بڑھی اور کہاں سے آ گئی۔ ظاہر ہے مذکورہ اجتماعی جدو جہد کا نتیجہ ہے۔ برصغیر اور اس سے ملے ہوئے خطوں میں ماحول قبر پرستی پیر پرستی مشائخ پرستی جمود تقلید حزبیت اور انتہائی درجہ کی گاڑھی مسلکی عصبیت کا تھا۔ ایک آدمی کی اصلاح اور اس کی دینی تربیت بھی آسان کام نہ تھا۔ عداوت و دشمنی کا ماحول، شدید ترین مخالفتوں کا سامنا کافر باغی گمراہ فاسق گستاخِ رسول کے فتوے۔ سماجی بائیکاٹ۔ مسلسل اکاذیب اور اراجیف کا طوفان۔ اس کے باوجود اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کے عقیدے کو بدل ڈالنا اس کی سوچ ان کی ذہنیت تبدیل کر دینا۔ ان کے شاکلۂ حیات میں تغیر پیدا کر دینا۔ شرک و بدعت بد اخلاقی، ظلم و زیادتی، دکھاوا، ریت رواج، طریقہ تعلیم، معاشی حالت سیاسی رویہ سب کچھ بدل دینا کیا آسان کام ہے؟ کمیونزم ستر سالوں تک لوگوں کے اوپر جبراً سوار رہا اس کا جوا اترا تو سب اس کے باغی ہو گئے۔ دلوں کو بدلنا اور ذہنوں کو تبدیل کرنا سب سے مشکل کام ہے۔

ہندوستان کے ماحول میں اور ہندوستان کے سوا کسی بھی ملک کے ماحول میں سب سے زیادہ کٹھن ہوتا ہے کہ سلفی منہج کے مطابق رجوع الی الکتاب والسنہ کی دعوت دی جائے۔ یہ دعوت مسلکی حزبیاتی سیاسی تحریکی رافضی دعوات کے لیے موت کا پیغام بن جاتی ہے۔ رجوع الی

الکتاب والسنہ کی دعوت دینا ایسے ہی ہے کہ ایسا داعی سارے باطل پرستوں کو اپنا مخالف بنا لے۔

برصغیر میں جب اس دعوت کی شروعات ہوئی تو تنکہ تنکہ دانہ دانہ فرد فرد کو بڑی مشکلوں سے جمع کرنا پڑا۔ اور دعوت دینے والوں نے اپنا سب کچھ لٹا دیا تب آشیانہ بنا سکے۔ ذرا سوچیے تو سہی ڈیڑھ سو سال قبل ہم کچھ نہ تھے۔ ہمارے پاس نہ مساجد تھیں نہ مدارس تھے نہ ہماری بستیاں تھیں نہ ہمارے ادارے تھے نہ ہمارے تجار تھے۔ نہ ہمارے علماء تھے نہ طلباء تھے نہ کارکن تھے نہ تنظیمیں تھیں لیکن آج اللہ کے فضل سے ہمارے پاس بڑی تعداد میں سب کچھ ہے۔

حنفی عنوان کے تحت اس ملک میں کچھ بھی کیا جائے آسان ہے۔ سالہا سال کی بنیاد ہے حکومتوں کے قائم کردہ ادارے، مساجد، سماج ماحول منہج سب کچھ مہیا چاہے بریلوی ہو چاہے دیوبندی چاہے جماعت اسلامی یکساں ہے۔ نام کا فرق ہے ایک گھر کے اس کمرے میں رہیے یا اس کمرے میں۔ عقائد مسلک ذہنیت سوچ تعصّبات انتساب سب یکساں۔ انھیں میں سے کھینچ کر لایا گیا اور اصلاح و تربیت کا کام کیا گیا تب برصغیر میں ہمارا بہت بڑا دینی اثاثہ بنا۔

اس ماحول میں تحریکی کام اور تحریکی دعوت بھی مشکل نہ تھی۔ یہ دعوت کیا تھی ایک دنیا دارانہ دعوت، اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ ایک آدمی کسی میدان میں آ کر بانگ لگائے آؤ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں بس آ جاؤ دیری نہ کرو۔ آؤ جماعت بنا لو چاہے بے وضو ہو یا غسل کے حاجت مند ہو۔ یہاں جماعت بنانے کے لیے وضو غسل شرط نہیں ہے بس آ جاؤ۔ ظاہر ہے ایسی دعوت کے لیے کیا مشکل ہے کہیں اس کو کچھ سر پھرے مل ہی جائیں گے۔

مشکل تو یہ ہے رجوع الی الکتاب والسنۃ کی طرف دعوت دی جائے۔ یہاں دعوت ہی ہوتی ہے کہ دل کی تطہیر بھی ضروری ہے ذہن کی تطہیر بھی ضروری۔ لقموں کی تطہیر بھی ضروری ہے لباس و جسم کی تطہیر بھی ضروری ہے نگاہ کی پاکی بھی ضروری ہے عقیدہ و اخلاق کی بھی تطہیر ضروری ہے۔ نہ ادنی شرک یہاں گوارا ہے نہ تقلید و تصوف کو برداشت کیا جا سکتا ہے نہ اشعریت و ماتریدیت اور رافضیت قابل قبول ہے۔ نہ پیر پرستی اور مشائخ پرستی مقبول ہے۔ نہ دین کے نام

پر سیاست کاری چل سکتی ہے نہ شور ہنگامے اور نعرے دین کا مقام لے سکتے ہیں۔

اہل حدیثوں کی ڈیڑھ سو سالہ اجتماعی دینی جدوجہد کے ثمرات ونتائج اور ہمہ گیر اثرات زندگی کے ہر میدان میں مرتب ہوئے۔ اس دعوت سے جغرافیہ بدل گیا، تہذیب متاثر ہوئی، زبان وبیان میں تنوع پیدا ہوا، معیشت ومعاشرت میں خوشگوار تبدیلیاں آئیں۔ دینی علوم کی ترویج واشاعت ہوئی، نظام تعلیم وتربیت بدلا، مزاج بدلا، اخلاق بدلے، سیاست پر ہمہ گیر اثرات مرتب ہوئے۔ دعوت وتبلیغ کا نہج بدلا۔ مدارس ومکاتب کا جال بچھا۔ شرک و بدعت کی لوگوں کو شناخت حاصل ہوئی۔ فکر ونظر تفقہ واستنباط کے دروازے کھلے۔ جاگیر دارانہ اور زمین دارانہ نظام میں جکڑے انسانوں کو اپنے دینی انسانی حقوق کی پہچان کا شعور ملا۔ سماجی انصاف کے لیے کام ہوا مساوات اور برابری کا پیغام عام ہوا۔ یتیموں اور بیواؤں کے حقوق کی بحالی ہوئی۔ زندگی میں سادگی مروت اور شرافت آئی۔ غلامانہ ذہن کو آزادی کی خوشگوار فضا ملی۔ جبر کے سامنے اٹھ کھڑا ہونے کا یارا ملا۔ غرض اس دعوت وہابیت (رجوع الی الکتاب والسنہ) سے برصغیر کے مسلمانوں اور عام انسانوں کی زندگی میں بڑی تبدیلی آئی۔ ایسی تبدیلی کی مثال برصغیر کی اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی۔ تاریخ کے طالب علم کو تفصیل کے ساتھ ان تبدیلیوں کا جائزہ لینا چاہیے۔

ہماری غفلت کا یہ حال ہے کہ ہماری تاریخ ہی جعل سازوں اور تاریخ کے مگرمچھوں نے ہڑپ لیا اور ہم اف نہ کر سکے۔ اگر کوئی اف کرے تو آج اپنی صفوں کے اندر موجود تحریکی و علمانی منافقین کو پریشانی ہوتی ہے۔ کل کے استعماری غلام اور ہمارے خلاف استعمار کے دربار میں رپورٹیں پہونچانے والے ہمیں استعمار کا پروردہ بتلاتے ہیں۔ اس ڈھٹائی اور بے شرمی پر اگر زمین شق ہو جائے اور آسمان پھٹ پڑے اور ایسے ظالموں پر آسمان سے آگ اور پتھر کی بارش ہو تو بجا ہے۔

اس ڈیڑھ سو سالہ تاریخی جدوجہد میں ہمارے قافلہ حق اور کاروان دعوت کا ایک ادنی فرد بھی جس عزیمت اور استقامت سے سرشار تھا اور اس کی جو خوئے تسلیم ورضا تھی اور

سرخروئی وفدائیت کا اس کے اندر جو جذبہ تھا وہ ہمارے بھائیوں کے اعلام وعظام اور قائدین کے اندر بھی نہ تھا۔ اگر ہماری ان جہود کو برصغیر کی تاریخ سے نکال دیا جائے تو اسلامیان ہند کے پاس تاریکی بدعات شرکیات اور قبر پرستی رسوم ورواج جبر واستحصال کی بندگی کے سوا کچھ نہ بچے گا۔

افسوس تو اس کا ہے کہ ہمارے بھائیوں کو اپنی تاریخی عظمتوں کا بھی شعور واحساس نہیں ہے۔ بہت سے کہیں تحریکیوں کی جعلی عظمت کے آگے سرنگوں نظر آئیں۔ کہیں مودودی ان کے پیر بن جائیں گے۔ کسی کے لیے وحیدالدین خان۔ کسی نے بستر والی جماعت کے بہروپیوں کو آقا مان رکھا ہے اور تو اور اسرار عالم جیسے ملحدانہ افکار کے حامل راشد شاذ جیسے منکر حدیث اسرار احمد جیسے وحدۃ الوجودی اور نائک جیسے جوکر ڈرامہ باز شکم پرور بھی ان کے امام بن جاتے ہیں۔

بہرحال آزادی تک ہماری اجتماعی دینی جدوجہد جاری رہی اور ہر محاذ پر ہم سب سے زیادہ موثر عنصر بن کر کام کرتے رہے آزادی آئی تو ہمارے لیے سب سے بڑی مصیبت لائی۔ ہمارا محور عمل اور محور طاقت مغرب ومشرق میں پنجاب اور بنگال میں تھا۔ تقسیم میں سب سے زیادہ ہمارا نقصان ہوا۔ ہمارے مدارس، مساجد، لائبریریاں، ادارے افراد کار مارے گئے اور علماء کو شہادت حاصل ہوئی۔ اس سانحہ کے بعد جماعت اہل حدیث کے اجتماعی عمل کا ایجنڈا سخت متاثر ہوا جماعت کے لوگ تین خطوں میں بٹ گئے۔ اور نئے مشکلات و مسائل کا ملبہ ان کے اوپر آ گرا۔ ڈیڑھ دو سو سالہ رجوع الی الکتاب والسنہ کا ایک باب یہاں بند ہو جاتا ہے۔ استعمار جاتا ہے اور اس جدوجہد کو شدید دھکا لگا کر جاتا ہے اب ہندوستان میں قومیت جمہوریت سیکولرزم اور اقلیت واکثریت کے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں تین خطوں میں اس اجتماعی دینی جدوجہد کو نئے حالات مشکلات اور مسائل کا سامنا ہوتا ہے۔ تین خطوں میں کاروان توحید ودعوت جدا جدا ہو گیا۔ پرانے سسٹم پرانے ہیکل تنظیمی باہمی ربط سب ختم ہو گئے۔ سب تتر بتر کا شکار ہو گئے۔

اہل حدیث کانفرنس:

جماعت کے عمل و نظم کی جو تین اکائیاں بھوپال، دہلی اور صادق پور میں تھیں۔ باہم مربوط تھیں لیکن ملک کے سیاسی قومی عمل سے جو اجتماعی تبدیلیاں آئیں وہ یہ تھیں کہ اب نئی سیاسی نیم سیاسی سماجی مذہبی تنظیمیں تشکیل پانے لگیں۔ ویسے بھی زندگی کی نئی وسعتیں نئے زاویے اور نئے تقاضے مضبوط اور مربوط تنظیم کی ضرورت کے متقاضی تھے۔ جماعت کے بزرگوں نے بہت جلد ان امور کو سمجھا اور ہوش مندانہ شعور اور ادراک کا انھوں نے ثبوت دیا لیکن افسوس اس کا رہا کہ تنظیم تو اہل حدیث کانفرنس کے نام سے ۱۹۰۶ء میں قائم ہوگئی تھی لیکن تنظیم کے اساسی امور کو کبھی نہیں حل کیا گیا۔ تنظیم کی بنیادی ضرورت اس کی آفس کی تھی۔ اس کے لیے آفس کا انتظام نہیں کیا گیا۔ نہ آفس کی ضرورت کو مہیا کیا گیا نہ ربط کا کوئی ذریعہ۔ بے شک تنظیم کی ضرورت بہت شدید تھی تاکہ نئے تقاضوں کے ساتھ خدمت دین اور خدمت خلق کا کام ہو سکے۔

تنظیم ہی سب کچھ نہیں تھی اس سے غیر وابستہ خدمت دین اور خدمت خلق کا نیٹ ورک اس سے کہیں بڑا تھا۔ تنظیم انھیں منظّم کر سکتی تھی ان کا اشراف کر سکتی تھی۔ مختلف شعبے قائم کر کے جماعت وملت کی خدمت ہوسکتی تھی اور ان کی تعلیمی وتربیتی ضرورتوں کو پورا کر سکتی تھی۔ افکار ونظریات کی کشاکش میں ان کی رہنمائی کر سکتی تھی۔ دینی تعلیمی ضرورتوں کو پورا کر سکتی تھی۔ دعوت واصلاح کا وسیع اور اچھا ماڈل بنا سکتی تھی۔ غرض جدید دور میں جدید تقاضوں کو پورا کر سکتی تھی لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ وقت وقت پر مختلف علاقوں میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنسوں کا انعقاد ہو جاتا تھا۔ تنظیم بس ایک روایتی چیز بن کر رہ گئی تھی اور جو اس کے ذمہ دار تھے وہ خود بہت زیادہ مصروف تھے جن کے لیے تنظیمی کاموں کے واسطے وقت نکالنا ناممکنات میں سے تھا۔ اور آزادی سے پہلے لگتا ہے مختلف سطحوں پر تنظیم کی شکل میں نہ ہوتی تھی نہ ممبر سازی کا تصور تھا۔ لگتا ہے صرف آل انڈیا سطح کی اہل حدیث کانفرنس تھی اور بس۔ نہ آفس نہ آفس بیرر نہ کارکن نہ ایجنڈا نہ مقصد نہ طریق کار نہ شوری عاملہ کی میٹنگیں۔ بس

جماعتی دعوتی اور مسلکی ارتباط جلسے جلوس اور مناظرے ہوتے تھے۔

اس بے عملی اور تعطل کا نتیجہ تھا کہ دہلی میں مؤتمر اہل حدیث قائم ہوئی اور اس کا ماہانہ ترجمان تھا اور ملک کے معزز علماء اس سے وابستہ تھے۔ آزادی کے بعد جہان بہت سے ادارے اور لوگ بے نام ونشان ہوگئے انھیں میں سے یہ مؤتمر بھی بے نام ونشان ہوگئی۔

اس تنظیم نے جماعت کے لیے بطور تنظیم جو کرنا تھا بہت معمولی کام کیا اور فضاؤں میں معلق رہی۔ اس بے عملی اور تعطل سے تنظیم کے لیے جو راہ بنی وہ نہایت مضر ثابت ہوئی۔ سو سال سے زیادہ کا وقفہ بیت گیا لیکن تنظیمی تعطل اور بحران کا بھوت مستقل طور پر اس پر سوار رہتا ہے اور جو بھی ذمہ دار بن کر آتا ہے ذمہ داریوں اور کاموں سے خود کو آزاد سمجھتا ہے اور کوئی بھی ایرا غیرا ذمہ دار بن جاتا ہے۔ جماعت کے اندر تنظیم کا جوڑ ریک بنا ہے اور اس کی جو روایت بن گئی ہے اس کے سبب جماعت کے لوگوں کے اندر شاذ ونادر تنظیم کی ضرورت اہمیت اور اجتماعی عمل کا احساس پایا جاتا ہے۔ اس طرح کم ہی لوگوں کو اندازہ ہوتا ہے کہ شوری وعاملہ کا مطلب کیا ہے؟ اس کی کارکردگی کیا ہے؟ ناظم وصدر کی حیثیت کیا ہے اور اور ان سے کیا مطلوب ہے؟ اس کارکن بننے کی اہمیت اور ضرورت کیا ہے؟ ایجنڈا کیا ہوتا ہے اسے کیسے تیار کیا جاتا ہے؟ کیسے مسائل کا حل نکالا جاتا ہے؟ نوعیت مسئلہ کیا ہے؟ اغراض و مقاصد کیا ہیں تنظیم کاری کیا ہے؟ نظم وضبط کیا ہے۔ کارکن کیسے تیار ہوتے ہیں۔ ذمہ دار کن لوگوں کو بننا چاہیے اور ذمہ داری کیا ہوتی ہے۔ تنظیم کے یہ بنیادی امور ہیں اگر یہ امور بھی جس گروپ اور جماعت کو نہ معلوم ہوں وہ تنظیم چلانے کے لیے اہل نہیں ہوتے ہیں۔

☆☆☆

فصل دوم

آزادی ہند کے بعد جماعتی تنظیم کا حال

یاس وقنوط کے سال:

ملک کے آزاد ہونے کے بعد سب کچھ بکھر گیا۔ ہندوستان سے بہت سے علماء وتجار ملک چھوڑ گئے۔ افراتفری کا عالم۔ دلی اجڑ گئی۔ اس کے علماء وتجار یہاں سے رخصت ہو گئے سارے مدارس بند ہو گئے۔ مسجدیں ویران ہوگئیں اور بہت سی مسجدیں غیر مسلموں کے قبضے میں چلی گئیں۔ سارا پنجاب اور مغربی یوپی مسلم آبادی سے خالی ہوگئی۔ شہروں میں تھوڑی تھوڑی مسلم آبادی رہ گئی۔ بہار و بنگال بہت سے علماء وعوام سے خالی ہوگیا۔ ہر طرف یاس وقنوط کا عالم تھا۔ لوگ سہمے ہوئے فرقہ پرستوں کے مظالم سے ڈرے ہوئے۔ ہندوستان میں ایسا لگتا تھا جیسے کوئی بڑا عالم رہ ہی نہیں گیا تھا۔ بنارس میں مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی رہ گئے تھے جو اہل حدیثوں کے قائدین میں سے تھے۔ آزادی کے دو سال بعد ان کا بھی انتقال ہوگیا۔ مشرقی یوپی اور بہار ہی میں جو کچھ تھا وہی جماعت کا اثاثہ اور سرمایہ تھا۔ بہت کم مدارس تھے جہاں سے طلباء عالم فاضل بن کر نکلیں۔ دارالسلام عمرآباد، بنارس دارانگر کا مدرسہ سعیدیہ، مئو کا فیض عام، دربھنگہ کا احمدیہ سلفیہ۔ مدرسہ سعیدیہ مولانا سیف صاحب کے انتقال کے بعد بجھ گیا لے دے کے اہل حدیثوں کے دو تین مدرسے تھے جہاں سے طلباء بہت محدود تعداد میں فارغ ہوتے تھے۔ ان کے سوا علاقائی مدرسے تھے جہاں سے یکا دکا مقامی بچے فارغ ہوتے تھے۔

اور علماء میں عموماً رحمانی علماء تھے جو مختلف خطوں میں جماعت کا اثاثہ تھے یا تھوڑے بہت وہ علماء تھے جو احمدیہ سلفیہ سے فارغ تھے اور اپنے محدود علاقوں میں کام کرتے تھے۔ جنوب میں مدرسہ دارالسلام عمرآباد تھا جہاں کے فارغ التحصیل علماء جماعت وملت کی خدمت میں لگے ہوئے تھے۔

یاس وقنوط کے چند سال بیت گئے مایوسی کے غبار چھٹے اور پھر قدم آگے بڑھے۔ علماء کی نئی صف بندی ہوئی۔ نئی قیادت ابھری۔ آزادی کے بعد جماعت کی قیادت رحمانی علماء نے

کی۔تعلیم و تنظیم اور دعوت وافتاء کا انھوں نے محاذ سنبھالا اور خصوصی طور پر شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی اور مولانا نذیر احمد رحمانی اور ان کے شاگردوں نے نئے ماحول اور نئے حالات میں جماعت کی رہنمائی کا کام کیا۔ان کی معتبر اور مضبوط شخصیت جماعت کے علماء و عوام کو جماعتی و مسلکی سلسلے میں جوڑنے میں کامیاب رہی۔

تنظیم نو:

جماعت کے کاموں کی تنظیم نو شروع ہوئی۔دعوت و تبلیغ تعلیم و تربیت تصنیف و تالیف سیاست و معاشرت اور معیشت کے سارے کام شروع ہو گئے۔جماعت سنبھالا لینے لگی۔ نئے حالات میں استعماری جاگیردارانہ اور زمین دارانہ نظام ٹوٹ چکا تھا جمہوری نظام آیا تھا اس نظام میں صلاحیت کے فروغ اور شخصی ترقی کے مواقع آئے۔سماجی انصاف اور آزادی کے دروازے کھلے۔ بہت ساری رکاوٹیں اور بندھنیں ٹوٹیں۔طبقاتی درجہ بندیاں ختم ہوئیں۔سیاسی عمل میں ہر فرد کا ووٹ برابر قرار پایا ان کا تقاضا تھا کہ جماعت کی اجتماعی جدو جہد کے لیے از سر نو تنظیم کا احیاء ہو اور خاص طور پر دو نقطے پر زور ہو۔

-بشری رشور سیز صلاحیتوں اور توانائی کی حفاظت ترقی اور فروغ۔

-اجتماعیت کا شعور بیدار کرنے کی بھر پور جدو جہد۔

بشری رشور سیز صلاحیتوں اور توانائی کی حفاظت ترقی اور فروغ کا مطلب یہ تھا کہ نئے حالات میں ایک مسلم فرد۔عالم اور کارکن کے بشری حقوق کو تسلیم کیا جائے۔اس کی عزت و توقیر ہو اور اس کی صلاحیتوں کے مطابق اسے کام اور حق المحنت ملے۔ صلاحیتوں کے نکھارنے اور افراد کے اندر نظم وضبط پیدا کرنے کے لیے تربیتی پروگرام رکھا جائے تا کہ اجتماعی جدو جہد کے لیے طبیعت میں ضابطہ بندی آئے۔کام کی انجام دہی کا ہنر معلوم ہو۔ ذمہ داری کا احساس پیدا ہو۔کام کے لیے لگن پیدا کیا جائے۔مل کر کام کرنے کا جذبہ ابھرے اور ساتھ چلنے کا سلیقہ آئے۔مقاصد کے حصول کے لیے تڑپ پیدا ہو اور فردی خصائص کے ساتھ اجتماعی شعور اجاگر ہو۔

اجتماعیت کا شعور بیدار کرنے کا مطلب یہ ہے افراد جماعت کے اندر علی وجہ العموم حق

پسندی اور منہج نوازی کی بنیاد پر لوگوں کا باہم قلبی ربط ہو۔فکر و خیال میں افراتفری بگاڑ خود رائی اور من مانی نہ آئے۔اور سارے کام دینی اجتماعی اصول و خصائص کے مطابق انجام پائیں۔منہجی خصوصی دینی ربط باہم قائم رہے۔لوگ منہج مسلک اور جماعت کی اہمیت کو سمجھیں انھیں از کار رفتہ نہ جانیں انھیں زندگی کا مابہ الامتیاز حقیقت جانیں۔خارجیت کے اسباب سے بچیں۔

ان دو نقطوں پر سرے سے غور نہیں ہوا۔جماعت کی تنظیم بنی اہل حدیث کانفرس کا احیاء ہوا۔دستور کے عناصر طے کرنے تیار کرنے اور نافذ کرنے اور تنظیم کی تشکیل کرنے اور چلانے میں کلی طور پر کانگریس کی نقل کی گئی۔اس نقل میں اہل حدیث کانفرنس / مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سیاست میں ڈوب گئی۔پنج سالہ مردم شماری علاقائی،ضلعی،صوبائی اور مرکزی جمعیت کے تشکیلی مراحل میں ایسے ایسے پیچ وخم آتے ہیں اور اس طرح انسانیت مروت امانت داری اور صالحیت کا جنازہ نکلتا ہے کہ تنظیم ایک بلا بن جاتی ہے اور فساد عظیم کا سبب۔

اس سیاسی دستور،سیاسی ممبر سازی اور سیاسی تشکیلِ تنظیم اور تصوراتی عہدوں اور مناصب کی بلا دن بدن مہلک تر بنتی گئی اور دن بدن فساد میں ڈوبتی چلی گئی۔اور تمام اساس خیر اور دینی خصائص کھونے کے بعد بدعنوانیاں اور خیانت بھی کمال میں شمار ہونے لگیں۔

پینتیس (۳۵) سالوں -۱۹۵۰تا۱۹۸۵- تک جمعیت کو استقرار حاصل نہ ہوا۔ ایڈھاک پر چلتی رہی۔اور اس کے اوپر ایسے ایسے حالات گذرے ہیں کہ الامان والحفیظ۔۱۹۸۰ء تک وہ بے گھر در رہی۔کبھی اس کا آشیانہ کشن گنج میں،کبھی پریس اسٹریٹ کی مسجد میں،کبھی ریاض العلوم کے چھوٹے چھوٹے دو کمروں میں۔اور سرمایہ داروں کے چنگل میں۔جمعیت کے ذمہ داروں پر یہ بھی الزام ہے کہ ان کی چوکھٹ پر علماء کو ان کی فرعونیت کو سلام کرنے جانا پڑتا تھا اور ناظم جمعیت کو تنظیم کے چپراسی سے لے کر جمعیت کی نظامت تک کے کام کرنے پڑتے تھے۔اس کا یہ بھی کام تھا کہ اگر سرمایہ دار نائب صدر یا جو بھی عہدہ دار ہو دفتر میں آئے تو وہ خود جا کر اس کے لیے چائے لائے۔بلکہ یحییٰ صاحب کا معمول تھا کہ نائب صدر کی حیثیت سے دفتر تشریف لاتے تھے اور کرسی پر بیٹھ کر فلمی ماہنامہ

شمع کا معمہ حل کرتے تھے اوراس وقت کے ناظم کو چائے لانے کے لیے بھیجتے تھے۔ایسی رزالت بھی ہمارے ''دکاترہ'' علماء کے لیے۔قابل اعتراض نہیں ہے بلکہ یہ غیر شرعی طرز کے بناوٹی امیر المومنین ہیں تف ہے ایسی سوچ پر ایسے لوگ تو اکبری نورتن بننے کے لائق ہیں۔ آل انڈیا کے ناظم کی یہ درگت۔اس دور میں ہمیشہ ذمہ داروں کی ایک دوسرے کے خلاف بیان بازیاں ہوتی رہیں اس دور میں مولانا عبدالوہاب آروی، مولانا عبدالسلام بستوی، ڈاکٹر عبدالحفیظ سلفی صاحبان صدر بنائے گئے۔مولانا عبدالجلیل رحمانی، مولانا داؤد راز اور مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہم اللہ کو ناظم بنایا گیا۔اس میں نظامت کا سب سے لمبا وقفہ مولانا عبدالجلیل صاحب کا رہا۔ بیچ میں شاید کسی وقفے میں غیر فطری طور یحییٰ صاحب بھی ناظم رہے۔ جو ہمیشہ طفیلی بن کر منصب کے لیے آئے اور سانپ کی طرح جمعیت پر قبضہ کر کے بیٹھ گئے۔ یہ شخص آزادی کے بعد سے اب تک کسی نہ کسی طرح جمعیت پر بھوت بن کر مسلط رہا اور جمعیت کو معطل غیر دستوری بنا کر رکھا۔۱۹۸۰ء میں انھیں تنظیم سے اٹھا کر پھینک دیا گیا تھا لیکن تنظیم میں کھوٹے سکوں کی پہچان نہیں ہے اس لیے یہ کھوٹا سکہ اپنی ثروت پرستی کا منحوس سایہ لیے پھر تنظیم پر مسلط ہوگیا۔اور اپنے سے بدتر ساتھیوں کو پا کر پھر تنظیم پر مسلط ہے۔

ساتویں دہے میں حافظ یحییٰ کے سبب تنظیم تعطل میں ڈوب گئی اور سید عبدالحفیظ سلفی کو تنظیم کا صدر بنانے کا مقصد فوت ہوگیا۔مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کے دور میں سلفی مرحوم تنظیم میں لائے گئے تھے لیکن تنظیم تو یحییٰ صاحب کے چنگل میں پھنسی ہوئی تھی۔ جب یحییٰ صاحب کے چنگل سے نکالی گئی تو وہ زبردستی ریاض العلوم میں آشیانہ بنا کر بیٹھ گئے۔ ان کے لیے مدرسہ والی مسجد میں جگہ نہیں تھی۔ اسٹریٹ پریس کی مسجد گنوا بیٹھے۔ دارالحدیث رحمانیہ کے لینے سے انکاری ہوگئے۔ دیگر دو درجن سے زیادہ اہل حدیث وقف مساجد میں نہیں گئے۔ مسجد عبدالنبی مل رہی تھی نہیں لیا لیکن ایک مدرسہ جو چل رہا تھا اور آزادی کے بعد اہل حدیثوں کی آبرو تھا اس میں سیندھ لگانے پہونچ گئے تھے۔اور جب وہاں کے لوگوں نے کسی طرح ان کے چکر سے چھٹکارا حاصل کیا تو غندہ گردی کا مظاہرہ کیا۔

خیر جناب نے کئی سالوں تک کھینچ تان کی۔ رحمانیہ کے نام سے کچھ ڈرامہ کرنے کی

کوشش کی مگر تابکے۔ جب خالی ہاتھ رہ گئے اوران کی جمعیت بھی زیرو ہوگئی اور کہیں کوئی پرسانِ حال نہیں رہا تو پھر تنظیم جماعت کو تباہ کرنے کے لیے اس سے آچکے۔اور اب تک چپکے ہیں۔ان کو اسی طرح کے ناظم کی ضرورت تھی جو ان کے نام سے کمائے کھائے اور ان کا نام زندہ رکھے۔ان کے لیے یہی کافی ہے۔

آزادی کے بعد جمعیت کا جب سے احیاء ہوا 1980ء تک وہ ایڈھاک کی بنیاد پر چلتی رہی حتی کہ مولانا عبدالحمید رحمانی صاحب بھی اپنا ٹرم پورا نہ کر سکے اور یحییٰ اور دیگر سرمایہ داروں کی رعونت کا شکار ہوگئے۔1980ء کی دہائی میں مولانا مختار احمد ندوی کی ہمت و حوصلے سے اہل حدیث منزل کی خریداری ہوئی اور ۴/۷ سال بعد جمعیت کو آفس کے لیے جگہ میسر ہوئی لیکن پانچ سالوں تک یہاں بھی تنظیم کو استقرار نہیں حاصل ہوا۔اور اس وقت سے لے کر اب تک یہاں بھی صدارت آنریری رہی۔عملی اختیارات ناظم کو حاصل رہے۔ اور شروع سے یہاں صدارت کے بکھیڑے بھی رہے۔ 1980ء سے 1998ء تک تین صدر آئے اور کسی کے لیے جمعیت کی صدارت راس نہیں آئی پھر یہاں یحییٰ صاحب دھونی رما کر امیر بن کر بیٹھ گئے۔ان کے لیے صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ گویا ان کو لات مار کر کھدیڑا جا رہا ہے پھر بھی معذور بیکار اور معطل یحییٰ تنظیم کی صدارت یا امارت چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔مولانا عبدالجلیل رحمانی کے دور نظامت میں سب سے اہم اور مؤثر کارنامہ نوگڑھ کا اجلاس ہے اور اس کے نتیجے میں جامعہ سلفیہ کا قیام ہے یہ ایک متفقہ حقیقت ہے جس کا انکار محالات میں سے ہے۔اسی وقفے میں کچھ اہل حدیث علماء اور عوام جماعت اسلامی سے وابستہ ہوگئے اور مسلک و جماعت کے لیے الجھن کا باعث بنے۔

سنوات عجاف:

1985ء سے 2001ء کا وقفہ تنظیم کے لیے سنوات عجاف تھا۔ یہ وقفہ ہندوستان میں سب سے بڑی تبدیلی کا تھا۔سماجی سیاسی معاشی ہر طرح کی تبدیلیاں آرہی تھیں۔ ملک کوٹہ لائسنس کسٹم اور کلی معاشی کنٹرول سسٹم سے نکل کر انفتاحی اور جدید کاری کی راہ پر چل پڑا تھا۔امپورٹ اکسپورٹ میں کھل کر چھوٹ مل رہی تھی۔ فارن انوسٹرز کی تلاش ہو رہی تھی۔

ملٹی نیشنل کمپنیوں کی طلب بڑھ رہی تھی۔ معیشت اور تعلیم کو نجی کاری ملنے لگی تھی۔ این جی اوز میں بکثرت اضافہ ہو رہا تھا۔ بیرون ملک تعلقات میں گہرائی اور تنوع بڑھ رہی تھی۔ میڈیا کا رول بے تحاشا بڑھ رہا تھا۔ انفارمیشن ٹکنالوجی ڈائنا مک شکل اختیار کر رہی تھی۔ معیشت تنوع پذیر ہو رہی تھی۔ سماج کے ذوق مزاج پسند ناپسند میں بڑی تبدیلیاں آ رہی تھیں۔ لباس فیشن کا شکار ہو رہا تھا۔ شادی بیاہ میں رنگینیاں آ رہی تھیں شراب نوشی کی رنگارنگی بڑھ رہی تھی۔ رہائش کے انداز واطوار بدل رہے تھے۔ ترفیہی اشیاء بنیادی ضرورت کی جگہ لے رہی تھیں۔ تعلیم وصحت میں زبردست پھیلاؤ ہو رہا تھا۔ آبادی تیزی سے بڑھ رہی تھی یہ ساری تبدیلیاں ہر فرد پر اثر انداز تھیں لیکن ہماری تنظیم کے ناخدا بلکہ ناکتخدا ان تبدیلیوں سے بے خبر تھے۔ قیادت کو گھومنے اور کچے پکے اسٹیجوں سے نیتائی کرنے کا شوق تھا اور گھر ویرانہ تھا۔ فکرو بصیرت سے عاری چند لوگوں کا جتھا تھا جو ملک و بیرون ملک تفریح کرنے کے مواقع کی تلاش میں رہتا تھا۔ اس پورے وقفے میں شوق سفر اتنا زیادہ تھا کہ جیسے یہ سفر نصیب بن گئے تھے۔

مزاج وہی بے شعوری وبے خبری کا۔ تنظیم وہی بالکل کانگریسی تنظیم کاری کی نقل۔ اس وقفے میں بہت ساری تنظیمیں وجود میں آ گئیں اور خلیج کی دولت جعلی رپورٹوں اور شناختوں کی بنیاد پر بٹورتی اور پھیلتی گئیں۔ شخصی اور جیبی سائز کی یہ انجمنیں صرف فراڈ لیکن ہمارا تاریخی ریکارڈ ہونے اور ہماری حیثیت تسلیم شدہ ہونے کے باوجود گلف میں ہماری حیثیت نہ بن سکی۔

اس وقفے میں ہماری تنظیمی حالت بالکل اسی طرح رہی جس طرح اس کا پرانا ریکارڈ تھا۔ اس میں جدید کاری نہ ہو سکی۔ نہ نئی ضرورتوں کا احساس پیدا ہو سکا۔ بلکہ انتشار انارکی اور بگاڑ کا دور شروع ہو گیا۔ اور اجتماعیت معتبریت اور صالحیت وصلاحیت کا ادراک مدھم ہونے لگا۔ جتھا بندیاں اور سازشیں شروع ہو گئیں، تنظیمی فکر وعمل میں سطحیت اور مفاد پرستی کو جگہ ملنے لگی۔ 1980ء کے بعد کا دور مادی انعاش کا دور تھا اور تنظیم کے لیے بھی مادی انعاش کے مواقع ملے اور اس کے سہارے تنظیم کے اندر افراد اور نجی اداروں کو مادی تعاون کی امید ہو چلی تھی۔ اس لیے اب تنظیم کا ممبر بننے کی ہوڑ بازی بھی شروع ہو گئی تاکہ متوقع مفادات کے مواقع ریزرو ہو سکیں۔ تنظیم کے اسٹیج سے ذاتی دوستیوں اور رفاقتوں کو استوار کرنے اور

ان سے لطف اندوز ہونے کے زیادہ سے زیادہ جتن ہوتے رہے۔ جمعیت کی اتنی اہمیت ہو چکی تھی کہ اب اس کے تزکیے کی بنیاد پر اداروں مساجد اور مدارس کو چندے مل سکتے تھے۔ ان کو بھی جوڑ کر عموماً خوشامد اور چاپلوسی کی دکان کھول لی گئی اور ان کے سہارے بھی شخصیات کو چمکنے کا موقع مل گیا اور خوشامدیوں کی ٹیم سیاہ سفید صدق وکذب کو ایک کرنے لگی۔

یہیں سے جماعتی تنظیمی کاز کے بجائے ذاتی مفادات اور اغراض کو پورا کرنے کی طرف تنظیم میں رجحان بڑھا اور چونکہ تنظیم کا کوئی منصوبہ اور لائحہ عمل کبھی رہا نہیں اونگھتے کو ٹھیلنے کا بہانا تھا اس لیے شہرت اور نام کمانے اور تعلقات استوار کرنے اور قیادت کو مضبوط کرنے کا سب سے زیادہ آسان نسخہ تھا اس لیے اس کو پکڑ لیا گیا۔

اتفاق سے اسی دور میں مشروعات کا کام بھی شروع ہوا مشروعات کے نام پر ضمیر وایمان اور اخلاق کو لٹنے کے تماشے ہونے لگے۔ اور ان سے مستفید ہونے کی لائنیں لگنے لگیں اور قیادت سے قربت بڑھانے کے لیے کوششیں ہونے لگیں اصول وضابطہ تھا نہیں دیکھ ریکھ مراقبت اور احتساب تو تھا نہیں اور جب تنظیمی اسٹیج کو شخصیت کے نکھارنے کے لیے ذاتی لین دین اور افادے استفادے کا رجحان ڈیولپ ہوا اور ایک بگڑا ہوا نظم بن کر پر چلت ہو گیا تو پھر مکمل تائید کا ماحول بن گیا اور شوری وعاملہ میں ''اپنے'' آنے لگے۔ ان ''اپنوں'' نے قیادت کو ''اپنا'' بنا لیا اور پھر متفقہ طور پر انتخاب میں قیادت کو چن لیے جانے کی نوید آنے لگی۔ اس عمل سے پورے ملک میں ذاتی مفادات کی بناء پر ایک جتھا بن گیا۔ اسی دور میں یہ رجحان پھل پھول کر توانا ہوا کہ جمعیت کے اسٹیج سے ذاتی فوائد کے حصول کے لیے کوشش کی جائے۔ ایسا جتھا بنا لینے اور بن جانے کے بعد خود سری کا پیدا ہونا لازم ہے۔ اس وقت قیادت کی ذہنی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اتنا طاقتور مضبوط اور قابل بن چکا ہے کہ اصول و ضابطوں سے ماوراء ہے یہ ذہن بننے کے بعد لاقانونیت اس کی سرشت میں داخل ہو جاتی ہے اور اگر انسان کم فہم ہو نتائج وعواقب کی پرواہ نہ کرتا ہو یا نتائج وعواقب کا اندازہ لگانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو پھر وہ اور شیر بن جاتا ہے پھر یہ حالت ہوتی ہے کہ کیا کر رہا ہے؟ کہاں جا رہا ہے؟ کدھر سے آ رہا ہے؟ کیا خرچ کر رہا ہے؟ کہاں خرچ کر رہا ہے؟ ذمہ

دارائی کیا ہے، کیا نہیں ہے؟ ان سوالات کے جوابات کی ضرورت نہیں رہ جاتی ہے۔ قیادت کا یہ رویہ اس دور میں بنا۔

نیتا بننے اور بڑا بننے کا شوق بھی ایک خبط سے کم نہیں ہوتا ہے۔ بڑا بننے کا خبط نہایت عبرت انگیز اور بیہودہ خبط ہے۔ اس کے لیے اتنے ناٹک کرنے پڑتے ہیں کہ انسان کی اصل پہچان ہی ختم ہو جاتی ہے۔ انسان بڑا بننے کے شوق میں اتنا آگے چلا جاتا ہے کہ اپنی کم فہمیوں شاطرانہ چالوں عیاریوں کو کمال سمجھنے لگتا ہے اور مقصد بھول کر ہوس منصب اور اقتدار کا شکار ہو جاتا ہے۔ بڑا بننے کے لیے کیمروں کا زیادہ سامنا کرتا ہے اور نمایاں جگہ کھڑا ہوتا ہے یا بیٹھتا ہے تاکہ اخبارات میں نمایاں فوٹو چھپے۔ بڑا بننے کے لیے ہر کچے پکے سچے جھوٹے اسٹیج پر بیٹھنے کے لیے جگہ ملے چاہے کیسے بھی ملے۔ تنظیم کی قیادت سستی شہرت کا دیوانہ ہوئی یہ رواج بھی اسی وقفہ میں تنظیم کی قیادت نے دیا۔

اس قائدانہ بے شعوری عدم توازن اور سطحیت سے ایک حساس اور تغیر پذیر دور میں اور حیات کی توسیع پذیر حالت میں نقصان کس کا ہوا؟ تنظیم کا۔ اور پھر آہستہ آہستہ بے شعوری اس قدر بڑھی کہ تنظیم کلی طور پر زیرو ہو گئی۔ اس کے روایتی اور ظاہری محدود کام بھی بند ہو گئے۔ پرچے بند ہو گئے۔ مکتبہ ویران ہو گیا ساری چلت پھرت ختم ہو گئی اور زیرو پوائنٹ پر پہونچ گئی۔

سنوات خدّاعات:

سنوات عجاف کے بعد سنوات خداعات کا دور شروع ہوا۔ سنوات عجاف کی تمام بے شعوریوں اور نئے پنپنے ہوئے غلط رجحانات اور رویوں سے سنوات خداعات کی ابتدا ہوئی اور بڑھتے بڑھتے اس وقفہ کی تمام بے شعوریاں غلط رجحانات اور غلط رویے بدعنوانیوں کی ساری حدوں کو پار کر گئے۔ اور پوری تنظیم از اول تا آخر بدعنوانی میں ڈوب گئی۔ اس دور میں دکھانے کے لیے کچھ اور ہوتا رہا اور کرنے کے لیے کچھ اور۔ یہاں مخفی ایجنڈے زیادہ ہوتے ہیں اور ظاہری ایجنڈے کم۔ تنظیم کے اسٹیج سے ظاہری طور پر دکھانے کے لیے کچھ اور

ہوتا ہے اور زیر زمین سارا کام ذاتی ادارے کے لیے ہوتا ہے اور سارے مفادات اسے حاصل ہوتے ہیں۔

اس وقفے میں نہ مروت رہ گئی نہ شرافت۔ نہ مسلک نہ جمعیت نہ جماعت۔ بے شرمی ہی بے شرمی، بدعنوانی ہی بدعنوانی، خیانت ہی خیانت، منافقت ہی منافقت، ڈھونگ ہی ڈھونگ۔ اس دور میں جمعیت کلی طور پر مال غنیمت، یرغمال اور یتیم بن گئی۔ ان سنوات خداعات پر اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ ہوش مندوں کی آنکھ کھول دینے بلکہ انھیں ورطۂ حیرت میں ڈال دینے کے لیے کافی ہے لیکن بے شعوری غفلت خبث باطن منافقت مفاد پرستی، علاقائیت زدہ روگ ذات برادری کی گندگی شذوذ پسندی اور شیخی بازی کا کسی کے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ ان روگوں اور ان کے روگیوں کا علاج تو انبیاء بھی نہ کر سکے۔

بہر حال ان سنوات خداعات میں تنظیم کیسے لٹی رسوا ہوئی اس کی تلخ داستان جان لینا ضروری ہے۔ اور میرا یہ یقین ہے کہ پوری تنظیم کو جو روگ لگ گیا ہے ہے اس کا علاج اس سے وابستہ آفس بیررس اور شوری و عاملہ کے بس میں نہیں ہے بلکہ یہی اصل روگ ہیں۔ اس دور میں بدعنوانی کا شکار پوری تنظیم اوپر سے نیچے تک ہو گئی۔ مردم شماری سے لے کر مقامی ضلعی صوبائی اور مرکزی تنظیم کی تشکیل تک ہر مرحلے میں بدعنوانی اور کرپشن بھر گیا۔ شریعت اور دستور سب کو نظر انداز کر دیا گیا۔ بے اصولی خرید فروخت جھوٹے پروپیگنڈے جبر و زبردستی ہی مردم شماری اور تشکیل جمعیت میں اساس رہی۔

جس تنظیم کی تشکیل اس طرح ہو کہ اسے شرعا اور دستورا کالعدم بنا دیا جائے اس سے کس خیر کی توقع کی جا سکتی ہے۔ کرپشن بدعنوانی اور مالی و منصبی خیانت تنظیم کے ریشے ریشے میں سما گئی۔ اور قیادت کی جتھا بندی کی سیاست نے تنظیم کے اندر مقامی ضلعی صوبائی اور مرکزی ہر سطح پر تباہ کن نفاق شقاق موامرت اور مخالفت کا کام کیا۔

اس دور کی ابتدا ہی مکر و فریب سے ہوئی۔ نظامت کے لیے ایک ناکارہ اور بدعنوان انسان کا نام، ہندوستان کے اہل حدیث علماء میں سب سے زیادہ بدعنوان بدعمل مفاد پرست خود پرست اور سیاہ کو سفید، سفید کو سیاہ بنانے والے فرد نے پیش کیا۔ اور امارت پر جماعت

اور جمعیت کی جونک خود ہی فریب کے ذریعہ مسلط ہوگئی۔تبدیلی کے خواہش مندوں اور سنوات عجاف سے پریشان لوگوں کے سامنے زیر زمین دام ہمرنگ بچھائے جانے کی خبر نہ تھی اس لیے جیسے ہی نظامت ملی بال و پر نکلنے لگے۔اور شروع سے ہی ان کی مخالفت ہونے لگی لیکن مخالفین کی مخالفت اصولی اور اصطلاح تنظیم نہ تھی صرف کردار کشی تھی اس لیے اس میں دم خم نہیں محسوس کیا گیا۔اور بات جہاں کی تھی وہیں رہ گئی۔

جب ایک گمنام اور نااہل کو تنظیم کی قیادت مل گئی تو فوراً اڑان کے لیے پر کھل گئے اور اسے عیش وعشرت ٹہلنے گھومنے جیب وشکم بھرنے کا سامان بنالیا گیا اور جسے سوچ کر ہمارے علماء کو گھن آئے اسے پیشہ بنالیا گیا۔سنوات عجاف کی آزادروی نے جتھابندی بے اصولی، ذاتی پکڑ، ذاتی فائدہ کو اپنالیا اور اس سے دسیوں گنا زیادہ بڑھایا گیا۔ بدعنوانی کرپشن اور خرید فروخت کا ان پر اضافہ ہوا۔''جمعیۃ کا حال زار'' اور دیگر تحریروں میں تفصیل کے ساتھ اس کا حال بیان کیا گیا ہے۔

اس دور میں امارت نظامت شوری عاملہ سب کرپشن اور مالی ومنصبی خیانتوں میں ڈوب گئے اور امیر شوری عاملہ سب ناظم کی انگلیوں پر ناچنے لگے۔اس دور میں سارے کے سارے مجرمانہ عمل میں شریک ہوگئے۔سری طور پر شوری اور عاملہ کے نام پر خوشامدی ٹٹوؤں کو لایا جاتا ہے جن کا تعلق نہ شوری سے ہوتا ہے نہ عاملہ سے۔اکثر قرب وجوار کے چرکٹ قسم کے لوگوں کو پکڑ کر شوری وعاملہ کے نام پر لا بٹھایا جاتا ہے اور ان سے قرارداد مذمت پر ہاں کہلوا کر ان کی خدمت کر دی جاتی ہے اور وہ خوشی خوشی گھر واپس لوٹ جاتے ہیں۔یہی کل شوری اور عاملہ کی کہانی ہے۔یہ ''سنوات خداعات'' کے خادم ہیں اور قیادت کے مجرمانہ اعمال میں شریک۔

قیادت نے کیسے تنظیم کو بدعنوانی کا اڈہ بنادیا اور اس کی شوری وعاملہ کی کیا پہچان ہے اسے ذرا تفصیل سے پڑھیے۔اس لیے پڑھیے تاکہ قلوب واذہان کے دروازے کھلیں، حق ناحق، امانت وخیانت، اچھے برے اور نفع ونقصان کو جانیں اور جماعت کی خدمت کے لیے فعال اور اعلی کردار کے حامل بنیں۔

ایک جھلک قائد کے روپ بہروپ کی:

ہندوستان کی دینی تنظیموں میں دو تنظیمیں ایسی ہیں جو اصولی اور آئینی کہی جاسکتی ہیں۔ (١) مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔ (٢) جماعت اسلامی ہند۔ یہاں قیادت ہر میقات کے بعد منتخب ہوتی ہے اور آئین کے مطابق کسی کو بھی قیادت مل سکتی ہے۔جماعت اسلامی میں کبھی قیادت کا بحران نہیں پیدا ہوتا ہے کیونکہ وہاں تنظیمی ادارہ بہت چست ہے۔ارکان تنظیم کی تربیت ہوتی ہے۔وہ تنظیم کے اصول وضوابط اور اغراض ومقاصد سے آگاہ ہوتے ہیں اور ان کی تعداد بھی بہت ہی کم ہے اور ان کا ایک صاف ستھرا دستور ہے۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند میں ہر نئے میقات پر قیادت کا بحران پیدا ہوتا ہے۔ اس کے کئی اسباب ہیں۔اور انھیں موجودہ قیادت نے خوب چمکایا نکھارا اور بنایا ہے۔

کانگریسی دستور، تضاد وابہام اور نقص سے پر۔ارکان کی عدم تربیت، بے شعوری اور غفلت۔کانگریس کی طرح موقت ارکان کی پانچ سال پر رکنیت سازی اور ہرایرے غیرے کو سیاسی وشخصی خیالی مفادات کے تحت رکن بنانے کی مہم۔ بھاری تنظیمی یونٹیں۔(بیالیس ہزار) نہایت ڈھیلا ڈھالا تنظیمی ادارہ بلکہ نہ کے برابر۔اور کوئی بھی چلتا پھرتا ذمہ دار۔ارکان کا جم غفیر۔کانگریس کی طرح ہر میقات پر مقامی سے لے کر مرکز تک تنظیمی یونٹوں کی تشکیل اور انتخابی مہم۔دھاندھلیاں خرید فروخت کانگریس پارٹی سے بھی زیادہ خراب ڈھنگ سے۔

ان کمزوریوں کے سبب جب کسی کو جمعیت کی قیادت کی سواری مل جاتی ہے تو اس سواری سے اترنے کا نام نہیں لیتا۔اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اسے گھسیٹ کر اتارا جاتا ہے تب ہی اترتا ہے۔مرکزی جمعیت کی موجودہ قیادت غیر اصولی، غیر فطری طور پر آئی اور قیادت کی کرسی سے اترنے کا نام نہیں لے رہی ہے۔اور کسی بھی دینی تنظیم کو بگاڑنے، بدعنوانی میں غرق کرنے، بے جان معطل اور ازکار رفتہ بنانے کی جتنی بھی شکلیں ہوسکتی ہیں موجودہ قیادت کے سبب سب بروئے کار آگئیں۔اور قیادت کی بے شعوری پاگل پن کی حد تک ہے۔

کسی بھی دینی تنظیم کو چلانے کے لیے صالحیت، امانت داری، نصح امت، صلاحیت،

قربانی اور انتھک محنت کی ضرورت ہوتی ہے لیکن جمعیت کی موجودہ قیادت نے سلبیات کی ساری برائیوں سے خود کو مسلح کر لیا ہے اور ایک دینی تنظیم کو ختم کر کے اسے شخصی تنظیم میں ڈھال دیا ہے اور اب مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کالعدم ہو چکی ہے۔ لیکن ان سلبیات کے باوجود اس کے حمایتی موجود ہیں۔ جب کسی تنظیم کا استحصال ہوتا ہے تو اس کے لیے حمایتی مل جانا بہت آسان ہوتا ہے اور خاص کر آج کے دور میں۔ مفادات کے حصول کی للک، ضمائر کی خرید وفروخت، علاقائیت، ذات برادری کے تعصّبات، مطامع، سفلہ پن، چاپلوسی، کم فہمی وکم ظرفی، مسلکی حمیت کی پرفریب دہائی، شہرت کی خواہش، منصب کی ہوس کیا کچھ اس وقت عناوین حیات نہیں ہیں۔ اگر جیب میں پیسہ ہے تو لوگ بکنے کے سامان ہیں اور یہ عناوین حیات نرخ ناموں کی تختیاں ہیں۔ استحصال کرنے والے چاہیں تو دھڑلے سے ان کا استحصال کریں انھیں کون روک سکتا ہے۔ مفاد پرستی کے لیے ضرب المثل ہے (**السیف مع معاویة، والقلب مع علی**) تلوار معاویہ کے ساتھ اور دل علی کے ساتھ ہے۔ یعنی مفادات کے لیے حق کو جانتے بوجھتے قربان کرنا مفاد پرستوں کے لیے بڑا آسان ہوتا ہے۔

کالعدم جمعیت کو ذاتی تنظیم میں ڈھالنے والی قیادت کے پاس قیادت کو برقرار رکھنے اور خریداری کرنے کے لیے سب کچھ ہے، کل جس کے پاس کچھ نہیں تھا غربت افلاس اور بس۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی قیادت حاصل کرتے ہی وہ دلی اور بہار میں کئی اداروں کا مالک بن گیا۔ دلی اور بہار میں چل اور اچل عیاں ونہاں جائدادیں بن گئیں۔ کہا جاتا ہے خیرات کے پیسوں کو اکٹھا کر کے دوسو کروڑ کی جائداد کے حضرت مالک بن گئے ہیں۔ حقیقت اللہ جانے۔ لیکن جس طرح ذاتی کروفر ہے جس طرح لاکھوں کی رشوت سے میڈیکل کالجوں میں بچوں کے داخلے ہو رہے ہیں۔ جس طرح معیار زندگی ہے اور جس طرح قیادت کے بچاؤ کے لیے خرید وفروخت ہے اور رشوتیں دی جاتی ہیں ان سے اور جو کچھ دلی میں پراپرٹی نظر آتی ہے یا مخفی بتائی جاتی ہے ان سے انداز ہوتا ہے کہ لوگوں کا دعوی ایسا کچھ مستبعد بھی نہیں ہے۔

جب حلال حرام کی تمیز اٹھ جائے۔ دینی خدمت کو ذاتی کمائی کا ذریعہ بنا لیا جائے۔ تعمیر مساجد فنڈ، مشروع الایتام، مشروع البحوث والتحقیق، مشروع الأضاحی، مشروع افطار الصائم، نل لگوانے، کنواں کھدوانے کے مشروعات اور ان کے سوا دیگر معلوم غیر معلوم مشروعات ذاتی کمائی میں تبدیل ہو جائیں اور ملکوں ملکوں ذاتی چندے ہوں تو ١٣ر سالوں میں دوسو کروڑ اکٹھا ہونے کو خارج از بحث نہیں کہا جا سکتا ہے۔ اس سے کم مدت میں اور مرکزی جمعیت کے اسٹیج سے نہیں ذاتی اسٹیج سے مذکورہ مشروعات کے نام پر، ایک مولوی صاحب ایک ارب روپئے کی ملکیت کا پانچ سال پہلے الیکشن کی امیدواری کے موقع پر ڈکلیر کر چکے ہیں اور ایک دوسرے مولوی صاحب کے متعلق مذکورہ مشروعات کے نام پر چرچا ہے کہ ایک سو کروڑ روپئے جمع کر چکے ہیں۔

ظاہر ہے اس غریب ملک میں جہاں چند سکوں میں دین وایمان بک جاتا ہے ایک سونے کی چڑیا پالنے کے لیے، ایک آل انڈیا تنظیم کی قیادت پر سوار رہنے کے لیے کتنا آسان ہے ہاتھ کشادہ کرنا اور ضمائر کو خرید لینا۔ خاص کر اس وقت جب سو فیصد یقین ہو کہ جتنا زیادہ ضمیر وایمان کی خریداری ہوگی اتنا ہی زیادہ قیادت مضبوط ہوگی۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے دفتر نظامت میں قیادت کا اپنے ادارے کا مخفی دفتر ہے۔ اور ایک آل انڈیا تنظیم کے سارے ذرائع کو آسانی سے ذاتی ادارے میں منتقل کرنا کتنا آسان کھیل ہے۔ اور خوش نما کھیل بھی۔ کہ جمعیۃ کی شوری اور عاملہ کے ایک فرد کو دکھلائی نہ دے۔ جمعیۃ کے نام پر سب بھاگ دوڑ اور اس کے خرچ پر۔ اور سارے پھل ذاتی ادارے جامعہ ابوبکر صدیق کی ٹوکری میں۔ اور ١٣ر سالوں میں کبھی کوئی باز پرس نہیں اور اگر کسی نے باز پرس کی تو قیادت کے خیراتی گرہ گیر زلفوں کے اسیر قرارداد مذمت پاس کرنے یا کرایہ کے چند ٹکوں کے ٹٹوؤں کے قلم سے لکھی ہوئی قرارداد کو فریب خوردہ ممبران شوری و عاملہ کے ساتھ منسوب کر کے چھپوانے میں دیری نہیں کی جاتی۔ ع

چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی　　نگہباں چوں شود رہزن کجا ماند نگہبانی

وہ دینی جمعیتیں انجمنیں ادارے اور مدارس جن کے مناصب رضا کارانہ ہیں اور جو ملی امانت ہیں اور اجر آخرت کے حصول کے لیے ہیں اور اسلاف نے جن کو اپنے خون پسینے سے سینچا، آج انھیں اداروں کا خون ہو رہا ہے اور ملت کا نبض احساس ڈوب رہا ہے۔ اس کھلی ہوئی بدعنوانی کے بھی بڑے بڑے ریش والے، لمبی لمبی ڈگریوں والے مؤید ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اس بدنصیب جمعیت کے امیر دہلی کے ایک تاجر ہیں۔ جو ارذل عمر کو پہونچ گئے ہیں اور بالکل عضو معطل ہیں۔ نہ چل سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں۔ بالکل سامری کا بچھڑا، لیکن بلا حرکت مفت میں نام کی امارت ملی ہوئی ہے اور ان پر اس کا نشہ اس طرح سوار ہے کہ ہر دم یہ شعر پڑھتے رہتے ہیں۔

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

لطف یہ ہے کہ مجبور اور ناتواں امارت نظامت کی ہیکڑی کو بخوشی دیکھتی ہے تا کہ نشہ قیادت باقی رہے۔ اس وقت ہندوستان میں ملت کا المیہ یہی ہے کہ صدقات وخیرات پر چلنے والے دینی اداروں کا نجی کرن تیزی سے ہو رہا ہے اور جن کا ناحق ایک پیسہ اسلاف کے لیے حرام تھا، آج کروڑوں کا غبن ہو رہا ہے اور خیانت کے بلیک ہول سے ذاتی ملکیت بن رہے ہیں۔ ع بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ملت کے یہ خود ساختہ رہنما حلال وحرام کی تمیز اٹھا کر اباحیت کا دروازہ کھول چکے ہیں۔ اور اپنے ناپاک وجود کے بقا کے لیے ایسی مذبوحی حرکتیں کرتے ہیں کہ آسمان بھی تھرا اٹھے۔

مخالفوں کو ڈرانے دھمکانے کے لیے مأجور قلم سے کردار کشی، انٹیلیجنس کا سہارا اور ان کے خلاف رپورٹوں کی سپلائی، ہائی کورٹ میں مقدمہ، اکاذیب واراجیف کی اشاعت، الزام اور تہمتیں، حرام خوروں کا ہر زمانے میں حربہ رہے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ قیادت کا یہ نشہ، خیرات کے پیسوں کی نخوت، اصرار علی الباطل، ایک بڑی تعداد کا استحصال، ضمائر کا خرید وفروخت، لقمہ خوروں کا تعاون، کب تک؟ یقیناً اس دنیا

میں ایسے لوگوں کو ذلیل اور رسوا ہونا ہے۔ سب اپنے کیفر کردار کو پہونچ جائیں گے اور کچھ پہونچ چکے ہیں۔ زکوۃ وخیرات کی رقوم میں معمولی خیانت کو رسول اللہ ﷺ نے جہنم کا پیش خیمہ بتلایا ہے۔ کروڑوں کا غبن مالی ومنصبی خیانتیں اور پھر ان کی اجتماعی تائید، اور غبن کے پیسوں سے خرید وفروخت اور رشوت ستانی کس بھیانک انجام کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے؟ اس کے تصور سے ایک سچا مسلمان کانپ جاتا ہے۔

غبن اور خیانت کو تاویلات کے ذریعہ جائز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ رسول پاک ﷺ نے جس شے کے معمولی خرد برد پر شدید وعید فرمائی ہے۔ سارے مسلمان مل کر خرد برد کرنے والے کو بری نہیں قرار دے سکتے اور جو اسے بری قرار دینے کی کوشش کریں گے خود مجرم قرار پائیں گے۔

المیہ یہ ہے کہ اتنی بے ضمیری ہے کہ کسی نے کبھی یہ تک مطالبہ نہیں کیا کہ حضور یہ دولت کہاں سے اکٹھا ہوئی اور آپ کی ملکیت بن گئی اور کیسے آئی اور نظامت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد کیسے یہ دولت جمعیت کے پاس آنے کے بجائے نجی بن گئی۔

نظامت کیا ہے؟ ذمہ داریاں کیا ہیں؟ وہ نباہی جا رہی ہیں کہ نہیں؟ نظامت کیا کرتی ہے؟ کہاں آتی ہے؟ کہاں جاتی ہے؟ سرے سے یہ سوالات ہیں ہی نہیں۔ آزادی ہی آزادی۔ دفتر کا ٹائم نہیں ہے۔ غیبت میں نائب نہیں۔ فون سے کام چلتا ہے اور کوئی کام ہی کیا۔ دکھاوے کے چند کام اور اس کا پروپیگنڈا اور دعاوی دنیا فتح کرنے کے۔ پھر ایسے نحوست زدہ لوگوں کی کمی نہیں کہ غبن اور حرام خوری کا ساتھ دیتے ہیں۔ کام کل بدعنوانی کے اور خوش فہمی تنظیم خلافت اسلامیہ کے درجے میں۔ اور قیادت خلیفہ کے مقام پر اور مخالفت حرام اور مخالف جہنم رسید۔ ع عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے

اور کھلے عام خیانتوں کو خیانت کہہ دیا جائے تو بے وقوفوں کی لاٹ جماعتی غیرت ختم کرنے اور جماعت کو بدنام کرنے کا نام دیتی ہے۔ کینسر زدہ کو کینسر زدہ مریض کہا جائے تو بھیانک جرم۔ فکر ونظر کے پیمانوں کے بگڑنے اور ان کے زاویوں کے بدلنے کا یہ دلدوز منظر!! رسولِ گرامی ﷺ کی حدیث کی تصدیق موجودہ قیادت کرتی ہے۔ [ستاتی علی

الـنـاس سـنوات خداعات يخون فيها الأمين ويوتمن فيها الخائن ويصدق فيها الكاذب ويكذب فيها الصادق، ويتكلم فيها الرويبضة قيل يارسول الله وما الرويضة؟ قال الرجل التافه يتكلم فى أمر العامة](ابن ماجہ ۴۰۳۶)

لوگوں پر بہت زیادہ فریب کن سال آئیں گے، ان میں جھوٹے کوسچا کہا جائے گا، اور سچے کو جھوٹا۔ خائن کو امانت دار کہا جائے گا اور امانت دار کو خائن اور ان میں رویبضہ بولے گا پوچھا گیا رویبضہ کیا ہے؟ ارشاد ہوا گھٹیا آدمی پبلک میٹر میں تکلم فرمائے گا۔

کیا اس حدیث کے ہوتے چھٹ بھیوں کی حالت پر ماتم کرنے کی ضرورت ہے۔ حالات بگڑ گئے ہیں لوگ بگڑ گئے ہیں۔ زندگی کے پیمانے بدل گئے ہیں، سب کچھ الٹا ہو گیا ہے۔ موجودہ حالات میں الٹی سوچ کے لوگ اور چھٹ بھیوں کو کون سیدھا کرسکتا ہے۔ حدیث سے طے ہے موجودہ حالت میں خائن ہی امین ہے اور جھوٹا ہی سچا ہے اور لغو آدمی ہی قائد اور لیڈر رہے۔ والعیاذ باللہ!

ایسی صورت میں ان کا فیصلہ اس دھرتی پر کون کرسکتا ہے؟ ان کا فیصلہ روز قیامت طے ہوگا۔ یہاں فقط رسوائیاں، ذلتیں، تعیش اور لطف اندوزی ہے۔ جھوٹی انا اور جھوٹی قیادت ہے۔ الرجل التافہ لغو آدمی ہی لیڈر رہے۔ نااہلی سب سے بڑی اہلیت ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جس تنظیم کے تعلیم یافتہ عامی جاہل سب کی سوچ اتنی گر گئی ہو کہ بدعنوانی جھوٹ خدیعت اور غبن میں جو شخص سب سے آگے نکل گیا ہو اس کی بھی تائید کریں انھیں کوئی حق نہیں کہ دین کے نام پر کوئی تنظیم چلائیں۔ ایسے لوگ امت اسلامیہ کے لیے ننگ ہیں اور ملت پر بوجھ۔ ایسے لوگ کبھی زندگی میں کوئی اچھا کام کر ہی نہیں سکتے نہ ان کو کارِ خیر کی توفیق ہی مل سکتی ہے۔ کیا ایسے لوگوں کی یہ سزا کم ہے کہ حرام کرتے اور حرام کھاتے ہیں۔ مگر ان سے اس کی قباحت کا احساس وشعور سلب کرلیا گیا ہے اور وہ اصرار علی الباطل کو کمال سمجھتے ہیں اور قلوب واذہان پر ایسے لوگوں کی حرام کاریوں اور حرام خوریوں کا یہ اثر ہے کہ بے شرمی اور ڈھیٹ پنے میں ساری حدوں کو پار کر گئے ہیں۔

ایسے لوگ صرف جماعت اہل حدیث ہی کے لیے مہلک نہیں ہیں بلکہ ان کے کردار کا تعفن اور اس کی سڑاندھ پوری ملت اسلامیہ ہند کے لیے پریشان کن ہے۔ برائی پر شرمساری کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ لوگ روپوش ہو جاتے اور لوگوں کا سامنا نہ کرتے۔ ایک ڈاکو ایک چور ایک گرہ کٹ بھی دوسروں کا مال لے کر چھپ جاتا ہے اور پبلک میں آنے سے شرمساری محسوس کرتا ہے۔ لیکن یہاں سفید پوشوں قرآن وسنت کی گردان کرنے والوں، اونچی ٹوپیوں اور لمبی داڑھیوں والوں کا یہ حال ہے کہ تیرہ سالوں سے دن دھاڑے ایک مسکین تنظیم کو لوٹ کا سامان بنائے ہوئے ہیں اور خیرات وصدقات کے اموال کے ساتھ وہ سلوک کرتے ہیں جو ایک کافر جاہل سودخور بنیا یا یہودی بھی نہیں کرسکتا۔ پھر بھی شرمساری کا دور دور تک پتہ نہیں ہے بلکہ ایسا لگتا ہے شرمساری کا گلا دبا کر اسے کہہ دیا گیا ہے ہم سفید پوشوں کے لیے تیری کیا ضرورت ہے۔

اوپر کی حدیث پھر یاد آرہی ہے اس حدیث کے سو فیصد مستحق یہی [زھاد] ہیں۔ پھر بچا کیا؟ بس یہی فریاد کرسکتے ہیں۔

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

ملت اسلامیہ ایسے لوگوں سے سوال کرسکتی ہے۔ جناب مکر وفریب چھوڑیئے اور صرف یہ بتلا دیجئے مرکزی جمعیت کی قیادت ملنے کے بعد یہ ڈھیر ساری دولت کہاں سے آپ کے پاس آگئی۔ کیا کسی معنی میں آپ اسے حلال کہہ سکتے ہیں؟ آخر عالم ہو کر یہ حرام خوری اور غبن وخیانت کیوں؟ اور حرام خوری اور غبن کو جائز قرار دینے اور اس کی تائید کرنے والے کیا اپنے اعمال کے حبط ہونے سے نہیں ڈرتے۔ اور جمعیۃ کو خلافت اور اس کے ناظم کو خلیفہ، کہنے والے اپنے سوا جو ایسی قیادت اور تنظیم کو نہیں مانتے نہ ان سے ان کا تعلق ہے ان کو جاہلیت کا شکار، باغی، خارجی اور قتل کا مستحق جانتے ہیں؟ یا دین کے سب سے مقدس ادارہ خلافت اور خلیفہ کا مذاق اڑانے کے مرتکب بنتے ہیں اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں؟ کیا تنظیمات کی حیثیت مباح کے درجے سے زیادہ ہوسکتی ہے؟ لگتا ہے آنکھ بند کر کے

یہ سب یہ پڑھتے رہتے ہیں۔

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

اللہ تعالی صحیح فکر عطا فرمائے۔ آمین!

یہ دورِ سنوات خداعات کی ایک جھلک ہے۔ یہ جھلک کالعدم جمعیت کے قائد کی ہے۔ اب ایک دوسری جھلک دیکھیے۔ یہ جھلک اس غریب جمعیت کی شوری و عاملہ کی ہے جو انتہائی پریشان کن حیرت انگیز اور ان کے اخلاقی انحطاط اور سطحی فکر و ذہنیت کی آئینہ دار ہے۔

ایک دوسری جھلک:

ہمیں حیرت شوری و عاملہ کے موجودہ ممبران پر نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہمیں ان کے شوری یا عاملہ کا ممبر بننے یا بنائے جانے کے طریقے کا بھی پتہ ہے اور ان کے قد و قامت کا بھی پتہ ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ کون کب ممبر بنتا ہے کب نظر انداز ہو جاتا ہے۔ اور ان کی جگہ مدعوئین خصوصی لے لیتے ہیں۔ بلکہ حقیقی بات تو یہ ہے کہ شوری و عاملہ کے خوشامدی ٹٹوؤں کو ہی پنج سالہ شوری و عاملہ کی ممبری مل سکتی ہے لیکن ان میں بھی جن کے اندر دم خم ہے اور ان سے حق پسندی کا مظاہرہ ہو سکتا ہے انھیں ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جاتا ہے۔ تیرہ سالوں سے یہی کہانی دہرائی جاتی ہے اور شوری کے انعقاد کی ضرورت نہیں محسوس کی جاتی۔ بسا اوقات پورے پانچ سالہ میقات میں شوری کا ایک اجلاس ہوا ہے جب کہ سال میں دو شوری بلانے کا دستوری طریقہ ہے۔ اور شوری کا انعقاد ہوتا ہے تو ایسا بندوبست ہوتا ہے کہ غیر متعلق قسم کے لوگوں کو مدعوئین خصوصی کے طور پر بلا لیا جائے اور ایک جوکر کسی فیصلے کے لیے تحریک کرے اور سارے بے ضمیر مدعوئین خصوصی انسانی زنجیر بن کر کھڑے ہو جائیں اور دونوں ہاتھ اٹھا کر یک ساتھ چلائیں ہاں بس مؤقر مجلس کا فیصلہ ہو گیا اور اگر کوئی مخالفت کرے تو اسے غنڈہ گردی کے ذریعہ بٹھا دیں۔ ذرا تفصیل پڑھیے اور پہچانیے جمعیت کے سنوات خداعات کے اعضائے شوری اور ممبران عاملہ کو۔

اس وقت جماعتِ اہل حدیث کے اندر جس طرح کا انتشارِ فکر و عمل ہے اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ پورے ملک میں ہر جگہ یہی کیفیت موجود ہے۔ یہ انتشارِ فکر و عمل ہماری

ثقاہت معتبریت اجتماعی تصور اور حق و باطل کی شناخت کے درمیان امتیاز کی صلاحیت پر حملہ آور ہے۔ تقوی صالحیت اور دین داری پر اس کا یلغار ہے اور ہماری دینی دعوتی اور منہجی شناخت کو شدید نقصان پہونچا رہا ہے۔ ان تمام ہمہ جہتی نقصانات کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ جماعتی تنظیم کے بدعنوان شخص کے مؤید جماعت میں اعلی ڈگریوں کے حامل لوگ بھی نظر آتے ہیں۔

دراصل تنظیم ہماری اجتماعی جہود کا ایک پلیٹ فارم ہے۔ تنظیم کے قیام کے مقاصد یہ ہوتے ہیں کہ انفرادی صلاحیتوں کو اجتماعی جہود میں استعمال کیا جائے اور دینی فکری منہجی اور عملی شناخت رکھنے والے گروپ کے دینی و دنیوی مفادات کے حصول اور تحفظ کے لیے آخری حد تک کوشش کی جائے۔ اگر یہ مقاصد سامنے نہ ہوں تو کسی بھی تنظیم اور اجتماعی جدو جہد کا وجود بے معنی ہوتا ہے۔

دینی تنظیموں کے ایجنڈوں میں سب سے زیادہ اس پر زور دیا جاتا ہے کہ ان سے وابستہ افراد کی صحیح تربیت ہو اور انھیں صالح متوازن فعال اور حوصلہ مند بنایا جائے۔ ان کے اندر دینی بصیرت اور اجتماعی شعور پیدا کیا جائے اور مسائل و مشکلات کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے کا اہل بنایا جائے تا کہ وہ کل زندگی کو دین کے رنگ میں رنگ دیں اور رضائے الہی حاصل کر سکیں۔

کسی بھی دینی تنظیم کا یہ تصور اگر مفقود ہو اور تنظیم کے مقاصد کے حصول کے لیے صحیح تعلیم و تربیت کا فقدان ہو تو تنظیم فسادِ فکر و نظر اور فسادِ عمل کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اور تنظیم نظم و ضبط سے خالی ہو جاتی ہے اور اجتماعیت کا شیرازہ بکھر کر رہ جاتا ہے اور تنظیم سے وابستہ تمام لوگ اصلاح کے بجائے فسادِ عام کا شکار بن کر رہ جاتے ہیں۔

کسی بھی تنظیم کو چلانے کے لیے صالح اور باصلاحیت ارکان کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ یہ کسی تنظیم کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ اگر تنظیم صالح اور باصلاحیت ارکان سے محروم ہو تو تنظیم ناکارہ بن کر رہ جاتی ہے۔ اسی طرح اگر تنظیم کے پاس صالح اور باصلاحیت افراد بھی موجود ہوں لیکن صالح اور امانت دار قیادت نہ پائی جائے تو کارکنوں کو راہِ عمل نہیں مل سکتی۔

اور اگر اچھے کارکن موجود ہوں اور صالح قیادت بھی میسر ہو لیکن تنظیم کے اغراض و مقاصد طے نہ ہوں یا طے ہوں مگر زینت ورق بن کر رہ جائیں ان کے حصول کے لیے عملی مساعی سرے سے نہ پائے جائیں اس وقت بھی تنظیم ناکامی کا منھ دیکھے گی۔اسی طرح اگر تنظیمی ڈھانچہ اور ہیکل تنظیمی ہر سطح پر ڈھیلا ڈھالا ہو نظم وضبط اس کے اندر سرے سے مفقود ہو۔اوپر سے نیچے تک لوگوں کے درمیان کوئی تال میل نہ ہو۔ نہ افراد کو جوڑنے اور انھیں منظّم اور فعال بنانے کا تصور ہو، نہ صلاحیتوں کی پہچان اور درجہ بندی کا شعور ہو تو تنظیم گونگوں بہروں کی انجمن بن کر رہ جاتی ہے یا فساد انگیزی اس کا روز کا وظیفہ بن جاتا ہے۔

تنظیم کی قیادت اگر فیصلہ لینے اور اسے نافذ کرنے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو تو تنظیم صرف نام کی رہ جاتی ہے۔اور اگر امانت داری اور شفافیت کسی دینی تنظیم میں نہ پائی جائے تو صالح فکر صالح عمل دینی بصیرت اور فہم وفراست کا اس کے اندر کال پڑ جاتا ہے۔

بدقسمتی سے جماعت اہل حدیث کی تنظیم صالح کارکنوں امانت دار بابصیرت اور صالح قیادت سے محروم رہی۔اغراض ومقاصد زینت ورق بن کر رہ گئے۔ہیکل تنظیمی بالکل ڈھیلی ڈھالی، نظم وضبط، تال میل اور عملی اقدامات سے خالی رہی۔تنظیم کا نہ کوئی لائحہ عمل بن سکا نہ مقاصد کے حصول کے لیے عملی جدوجہد ہو سکی۔نام کی تنظیم، کام سے کوسوں دور۔

جو تنظیم اپنے اجتماعی اور عملی تقاضوں سے کوسوں دور ہو اس کے اندر صرف فساد پھیلتا ہے اور ایسی حالت میں اس کے اندر چاپلوسی، ابن الوقتی عام ہوتی ہے، فساد وخیانت، فکری بحران اور بدعملی پھیلتی ہے۔ ذاتی مقاصد کے حصول پر قیادت اور خوشامدی جتھے کا ارتکاز ہوتا ہے۔دنیوی فوائد کے حصول کے لیے اس کے اندر امکانات موجود ہوتے ہیں، اس کے سبب تنظیم کے لیے خوشامدی اور ابن الوقت جتھا جونک بن جاتا ہے۔اس سے ایسا چپک جاتا ہے کہ اس کو چوس ڈالتا ہے اور اسکو معطل اور کلی طور پر ناکارہ بنا کے چھوڑتا ہے اور یہی نہیں اس کی بگڑی ہوئی حالت کو امتیازی قرار دینے پر تل جاتا ہے، خوشامدیوں اور مفاد پرستوں کا ٹولہ اپنے کو قابل فائق اور شاہکار بتانے اور یقین دلانے کی ان تھک جدوجہد کرتا ہے۔اور ناکارہ قیادت کے ایسے قصیدے پڑھتا ہے کہ اگر اس کے بس میں ہو، تو اسے

حضرت جبریل علیہ السلام کا ہم پلہ بنا دے۔

برسوں سے جماعت کی تنظیم تعطل فساد انتشار اور بے عملی کا شکار ہے اور خوشامدی ومفاد پرست جتھا انھیں علامت خیر بنانے اور اس کا یقین دلانے پر تلا ہے اور اس غیر ثقہ قبیح اور فساد انگیز کام کو بے مثال بتانے پر اسے اصرار ہے۔اس تعطل بدعملی اور ناکارہ پن کے بعد مجرمانہ حرکت ہے۔

قیادتیں بدلتی اور آتی جاتی رہتی ہیں لیکن تنظیم کے اندر موجود علتیں اور بیماریاں بڑھ جاتی ہیں تو قدم قدم پر بحران پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ٹھیک یہی حالت جمعیت کی ہے نہ تنظیم کے اندر علتیں ختم ہوئیں نہ بحران ختم ہوئے۔ نہ ان علتوں کو سمجھنے اور دور کرنے کے لیے کبھی کوشش کی گئی بلکہ نئی نئی علتیں اس کے اندر پیدا ہوتی گئیں۔

تنظیم شدید بحران کا شکار ہے۔ جان لیوا بیماریاں تنظیم کو لگ چکی ہیں۔ان علتوں اور بحران کے سبب جماعتی زندگی میں حددرجہ ابتری موجود ہے۔جن لوگوں کو جماعت اور دعوت سے گہرا لگاؤ ہے، تنظیم کے اندر موجود علتیں فساد بکھراؤ تعطل اور عملی و تنظیمی بحران ان کے لیے سوہان روح ہے۔تنظیم کی دن بدن بڑھتی یہ بیماریاں اور بڑھتا بحران پورے ملک میں وابستگان جماعت کے لیے سخت الجھن کا باعث ہے۔تنظیمی فساد تعطل اور استحصال کرنے والا جتھا اس وقت شغل محفل، زبانوں کا چٹخارہ، ٹاون ٹاک بنا ہوا ہے۔تنظیم میں عام تعطل کی حالت قیادت کارکن اور خوشامدی جتھا ان کا کج رویہ لوگوں کے ٹھٹھا اور مخول کا سامان بنا ہوا ہے اور ہر طرف سطحیت دروغ بافی اور کردارکشی کا دور دورہ ہے۔ملک کی بگڑتی اخلاقی حالت اور بڑھتے ہوئے مسلکی تعصّبات کے ماحول میں ہمارا دلچسپ مشغلہ یہ رہ گیا ہے کہ ہم شیطان کے تزئین اعمال کو اپنا کر خوش ہو رہے ہیں اور ہماری ساری برائیاں بھلائی خوبی اور کمال لگ رہی ہیں۔کہاں اتباع سنت کا امتیاز اور کہاں یہ انحطاط کہ شیطانی تزئین عمل خوبی اور کمال۔کیا رہ گیا ہے اہل حدیث ہونے کا امتیاز؟ کہاں ہم کھڑے ہوئے تھے لوگوں کے رشد وہدایت کے لیے اور خالص کتاب وسنت کی دعوت کے لیے۔اور کہاں یہ انحطاط کہ سارے فکری وعملی انحرافات کو ہم بیٹھے ہیں کلین چٹ دینے اور ان کی خوبی اور کمال کی

شہادت دینے۔

جماعتی تنظیم میں خرابیاں موجود ہیں۔ سب یہ محسوس کرتے ہیں۔ لیکن یہ خرابیاں کتنی خطرناک ہیں۔ کتنا زیادہ اور تباہ کن ہیں سب کو اس کا صحیح ادراک نہیں ہے۔ اور بہت سے ایسے ہیں جن کو خرابیوں اور بدعنوانیوں کا ادراک ہے لیکن ضد حسد اور مفادات کے شکار ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو ہر شعور وادراک سے خالی ہیں فقط لیکن روایت پسندی کے شکار ہیں جیسا ہے ویسے چلنے دو۔ کچھ ایسے بھی ہیں جنھوں نے خود کو اپنے تئیں جمعیت کا مائی باپ سمجھ رکھا ہے اوور اپنی بڑکپن کے زعم باطل میں مبتلا ہیں۔ اس لیے تنظیم کو اسی نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ بیٹا چاہے کانا ہی ہو اپنا ہے۔ اس کو کیسے چھوڑا اور دور کیا جاسکتا ہے۔ ایسے بھی لوگ ہیں جو اس دینی تنظیم کو سیکولر ادارہ سمجھتے ہیں۔ جس کی جمہوری حیثیت ہے اور سارے برابر ہیں۔ ان کو گن کر طے کر لو کس کا ووٹ زیادہ ہے جس کا ووٹ زیادہ ہوگا وہی قائد اور تنظیم کا مالک بن سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو نفاق کے شکار ہیں جہاں فائدہ نظر آیا اس کے ساتھ ہو لیے۔ ایسے بھی موجود ہیں جو منصب کی خاطر کالی بھیڑوں کا ساتھ دے کر کالی بھیڑ بننا پسند کرتے ہیں۔ مذبذبین کی تعداد کچھ کم نہیں ہے۔ خوشامدیوں اور مفاد پرستوں کو قلت تعداد کی شکایت نہیں ہے۔ جو بدعنوان ہیں اور بدعنوانی ان کی پہچان ہے وہ تنظیم کو خلافت اسلامی اور امارت اسلامی کا مترادف ہونے کی بات کرتے ہیں اور اس سے دوری اور علیحدگی اختیار کرنے والوں کو باغی اور [من شذ شذ فی النار] کی وعید سناتے ہیں۔ ایسے بھی ہیں جو جماعتی غیرت کا جھوٹا طوق پہنے گھومتے ہیں اور ساری بدعنوانیوں، حرام خوریوں، خیانتوں اور سازشوں کو ناقابل التفات سمجھتے ہیں۔ اور تنظیم کی اس حالت انحطاط پر بھی خوش ہیں۔

جماعت اہل حدیث کے بزعم خویش یا بدقسمتی سے کہے یا مانے جانے والے تنظیم کے یہ ذمہ دار ممبران شوری کا یہ مختلف رویہ اور موقف کسی اجتہادی مسئلہ میں نہیں ہے بلکہ اجتماعی عیاں سالوں کی بدعنوانی اور خیانت کے مسئلے میں ہے۔ یہ ژگ ژیگ جیسی شئ نہیں ہے۔ غور کرنے کی بات ہے۔ اہل حدیث ہو کر مکھی نگلنے کو لوگ کیسے روا رکھتے ہیں۔ اس کا سیدھا

سادھا جواب ہے۔ مفاد پرستی، غباوت، تغافل کیشی اور بے خبری۔

زیادہ تر ممبران شوری مفاد پرستی کی دلدل میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ریاستوں کے امراء خصوصی طور پر۔ ریاستوں کے امراء اپنے ہینڈ پک کو شوری کا ممبر بنواتے ہیں اور اپنی راہ پر چلاتے ہیں۔ چند مفاد پرستوں کے سوا شوری کی اکثریت کو کچھ پتہ ہی نہیں ہوتا ہے کہ تنظیم کیا ہے؟ اس کی ہیئت کیا ہے؟ اور اس کے اغراض ومقاصد کیا ہوتے ہیں؟ اور ان کو چلانے والے کو کیسے ہونا چاہیے؟ ان کو یہ بھی پتہ نہیں کہ خیانت اور بدعنوانی تنظیم میں کس طرح چل رہی ہے۔ اس وقت شوری وعاملہ کے ارکان کو جب دیکھا جاتا ہے تو حیرت ہوتی ہے کہ کیا یہ اہل حدیث تنظیم کی شوری کے ممبر ہیں۔ ممبران شوری کی اکثریت کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے گنواروں کی ایک ٹیم کو پکڑ کر اسٹریٹ فائٹ کے لیے لے آیا گیا ہے اور اسی کا مظاہرہ انتخاب کے وقت ہوا بھی تھا۔

ان کے سوا عیار لوگوں کے اپنے مصالح اور مفادات ہیں۔ دو تین صوبوں کے ذمہ دار موجودہ بدعنوان قیادت کی ہم آہنگی اس لیے کر رہے ہیں کہ ان کے بدعنوان اور محبوب لیڈر عرب سے دولت لاکر یونیورسٹی اور میڈیکل کالج کھلوا دیں گے۔ ظاہر ہے جن لوگوں نے جناب سے اتنی بڑی لالچ باندھ رکھی ہو وہ کیوں کر ان کی حمایت سے دست بردار ہوں گے چاہے وہ چور ہوں غاصب ہوں مجرم ہوں بدعنوان ہوں۔ انھیں جمعیت و جماعت اور مسلک سے کیا مطلب۔ بس ان کا الّو سیدھا ہونا چاہیے۔

دو تین ریاستوں کے ذمہ داروں کا باہم خیراتی پیسے کی بنیاد پر بلڈنگ لائن میں تجارتی تعلق ہے۔ اب کوئی بتائے کون ان کے دنیاوی رشتوں کو توڑ سکے گا؟

کئی صوبوں کے ذمہ داروں کا تعلق یوں ہے کہ ان کو جمعیت کے قائد اعظم سے مساجد کنوؤں اور اضاحی وافطار کے مشروعات مل جاتے ہیں، انھیں سے ان کی تسلی ہو جاتی ہے اور خرچ نکل آتا ہے ظاہر ہے وہ ان کی ہاں میں ہاں ملائیں گے ہی۔

کچھ صوبوں کے ذمہ دار اور شوری کے ممبر مرکز سے اس لیے چپکے ہیں کہ اسی کے سہارے ریاست میں ان کی قیادت برقرار ہے۔ اگر مرکز کے فریب اور مادی کمک کا سہارا

نہ ہوتو پبلک ان کوایسا دفن کردے کہ پھر کبھی سر نہ اٹھاسکیں۔ کچھ دیگر صوبوں کی کہانی یہ ہے کہ ان کے ذمہ دار مساکین اور گربۂ ناتوان ہیں۔ موہوم ومبہم بدعنوانی اور ہر صفت سے عاری ہونے میں مرکزی قیادت سے کم نہیں اس لیے بدعنوانمرکزی قیادت کے ساتھی ہیں۔ دو ایک صوبوں کے ذمہ دار سمجھ دار اور بابصیرت ہوں گے۔ کچھ صوبوں کے شوری ممبر نہایت غبی ہیں کہ انھیں انگوٹھا چھاپ سمجھنا چاہیے۔ ۷۵ رفیصد شوری کے لوگ نکمے اور ناسمجھ ہیں اسی لیے ریکارڈ توڑ بدعنوان اور خائن قیادت کے ساتھ ہیں۔ اب ذرا غور کریں کیا ان ہوا وہوس کے بندوں سے اس کی امید کی جاسکتی ہے کہ بدعنوانی اور ضابطہ بندی، امانت اور خیانت کے درمیان فرق سمجھیں گے۔

یہ ہے ہماری تنظیم کے ذمہ داروں اور لوگوں کی سوچ اور فساد وشر کے متعلق عمومی رجحان۔ اندازہ لگائیے کس قدر خراب سطحی، تباہ کن اور خیر وشر حق وباطل کوایک بنانے والا رجحان ہے۔ دینی ذوق اس قدر سطحی اور گھٹیا۔ سوچ اس قدر جامد اور فکر ونظر اس قدر راوتھلا۔ کیا ایسے صفات سیئہ کے حامل لوگ کوئی دینی تنظیم چلا سکتے ہیں؟ انھیں پتہ ہی نہیں کہ تنظیم کے اندر کتنا گہرا یا فکری عملی اور اخلاقی بحران موجود ہے۔ جب سرے سے جماعت کے علماء اور ذمہ داروں کوفساد کا نہ صحیح ادراک حاصل ہے نہ ان کے اندر شعور ہے کہ تنظیم کی نوعیت ذمہ داری اور اہداف کو جانیں تو پھر اس ناقص بلکہ حد درجہ المناک ادراک اور شعور کے حاملین سے کس شیٔ کی امید کی جاسکتی ہے۔

ادراک، شعور، تصور بصیرت اور معاملہ فہمی سے بے بہرہ لوگ اجتماعی امور کوانجام نہیں دے سکتے۔ موجودہ حالت میں جماعتی تنظیم کو چلانا جماعت کے لوگوں کے بس کا روگ نہیں۔ ایسی حالت میں اگر ایک بدعنوان جاتا ہےتو اس کی جگہ دس بدعنوان آجائیں گے۔ اس لیے سب سے پہلے ہماری ذمہ داری یہ بنتی ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ تنظیم کے حالات کتنے بد تر ہیں اور اس کے اندر فساد کس قدر بھر گیا ہے۔

تنظیم کی ابتر حالت سمجھانے کی بار بار کوشش کی گئی اور بار ہا اس فساد پر لکھا گیا۔ تنظیم میں برپا فساد اور اس کی تباہ کاریاں نمایاں کی جا چکی ہیں۔ لیکن تاویلات جاہلہ، زعم باطل، لالچ

اور منافقت کے سبب لوگ اس قدر فساد فکر ونظر کے شکار ہیں اور اس قدر سیرت وکردار کے گئے گزرے ہیں کہ پوری جماعت مکمل طور پر تباہ ہی ہوجائے فساد کی دلدل سے نکلنے کی ان کے پاس سکت ہی نہیں ہے۔ اب یہ اتنے کمزور بے بس شکستہ پا اور بے دم ہو چکے ہیں کہ تنظیمی فساد کی دلدل سے یہ خود نکل ہی نہیں سکتے۔ ان کو اس دلدل سے نکالنے کی ضرورت ہے۔ یہ ایسی کسمپرسی بے بسی اور دل ودماغ کی تاریکی کی حالت میں رہتے ہیں کہ ان کو تنظیمی فساد کی دلدل سے نکلنے کے لیے کوئی راستہ ہی سجھائی نہیں دیتا ہے۔

ایسا ہوتا ہے کہ بسا اوقات کوئی فرد یا گروہ گناہوں اور معصیتوں کے ارتکاب میں اتنا پختہ ہوجاتا ہے کہ گناہ اور معصیتیں اس کی پہچان، بدعنوانیاں اس کی طرز زندگی اور شر اس کی راہ عمل بن جاتا ہے۔ اس کے سوا وہ کسی بھی چیز کا شعور کھو دیتا ہے۔ اپنے تئیں ان کو خیر کا راستہ بالکل سجھائی نہیں دیتا ہے۔ ان کی اصلاح اور سدھار کے لیے دوسروں کی رہنمائی اور دست گیری کی ضرورت پڑتی ہے۔

بر وقت تنظیم کی قیادت اور اس کے رفقاء کا حال یہی ہے۔ یہ اپنی بدعنوانیوں، بے شعوری، بے خبری اور مالی ومنصبی خیانتوں میں اتنے پختہ ہو چکے ہیں کہ انھیں شر شرارت بد عنوانی اور خیانتوں کی تائید کے سوا کچھ سوجھتا ہی نہیں ہے۔ اوپر سے خیانتوں بدعنوانیوں بے شعوری اور شر پسندیوں کو کمال جانا جا رہا ہے اور انھیں چالاکی ذہانت تیزی اور بصیرت مانا جا رہا ہے۔ تاویلات کی درانتی سے حقائق کی کاٹ چھاٹ کی جاتی ہے۔ اور سارے رضا کارانہ عمل کو کبر ونخوت غرور وگھمنڈ کا معاملہ بنا لیا گیا ہے۔ پھر جہنمی کاموں پر ضد اور اصرار بھی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے باطل پر اصرار ضد اور گھمنڈ کے ذریعہ بولہبی اور ابن ابی بن سلول کا پارٹ ادا کیا جا رہا ہے۔ جب ذہن دماغ اور عمل وکردار ایسے بن جائیں اس وقت یہ طے ہوجاتا ہے کہ ان کو کسی نجات دہندہ کی ضرورت ہے۔

سنوات خداعات کی کچھ اور کہانی:

- سنوات خداعات میں قیادت کے سارے اعمال لوٹ اور فریب کے ہوئے بے حسی

اور بے شعوری کے ہوتے، سازشیں موامرت، جھوٹ اور منافقت کے ہوتے، تنظیم کو اس نے کیسے چلایا وہ بھی ہوش اڑا دینے کے لائق ہے۔

● اس نے نظامت کی آفس میں اپنے مدرسے کا آفس بنا لیا۔ بظاہر وہ آفس مرکزی جمعیت کے ناظم کی آفس تھی مگر فی الواقع وہ جامعہ ابوبکر (واقع برندابن، چمپارن، بہار) کی آفس تھی اور اس کا ذمہ دار اس کا ہم وطن بنا۔

● جمعیت کے نام پر سارے باہری دورے ذاتی ادارے کے مفادات میں ہوتے تھے اور ہیں۔ اس کے لیے مشروعات حاصل کرنا، اس کے لیے چندہ کرنا۔

● اندرون ملک زیادہ تر دورے انھیں مشروعات کے کسٹمر ڈھونڈھنے اور جتھا بنانے کے لیے ہوئے۔

● اور ایسے مریدوں اور ایجنٹوں کی تلاش میں جو اس کی قیادت کا کلمہ پڑھنے اور تائید و حمایت میں آگے رہیں۔

● سارے دورے ذاتی قسم کے ہوئے۔ تنظیمی وفود یا تنظیمی دورے شاذ و نادر کے ہوئے ہیں۔

● مشروعات کے نام پر صدقات وخیرات کی رقوم کو ذاتی ملکیت میں تبدیل کیا گیا۔

● ضمائر کی خرید وفروخت ہوئی اور جماعت میں اختلافات اور فتنۂ وفساد کا چوپٹ دروازہ کھلا۔

● جمعیت کے کام دکھاوے کے لیے ہوئے اور اتنا ہی کہ پبلک کی آنکھوں میں دھول جھونکا جا سکے اور اپنے ان ''عظیم کارناموں'' کے متعلق لوگوں کی شہادت زور جمع ہو سکے۔

● ساری کانفرنسیں بے ثمر فراڈ اور تنظیم کے لیے رسوا کن تھیں اور فقط معمولی سا روڈ شو اور سیاسی ہتھکنڈے استعمال کرنے اور حاصل کرنے کا بہانہ۔

● سطحی اور تھرڈ قسم کی صحافت اور ذاتی کارناموں کو اجاگر کرنے کے چونچلے۔

● تنظیم کو ذاتی ملکیت اور جائداد سمجھنا اور استبدادی انداز میں تنظیم چلانا۔

● ذات برادری اور علاقائیت کے احساسات کو بڑھانا اور اس سے خود کو مضبوط بنانے کی ناروا کوششیں۔

● اجتماعی جدوجہد سرے سے مفقود بلکہ جماعت کے فلاح و بہبود کے لیے نہ کوئی پروگرام نہ منصوبہ نہ عمل۔

● تربیتی، دعوتی اور تعلیمی اہم کام جو جماعت کی اساس ہے سرے سے ہے ہی نہیں۔

● جتھا بندیوں کی بنیاد پر پورے ملک میں جماعت کے اندر انتشار اور خلفشار پھیل گیا اور لوگ الجھنوں کا شکار ہو گئے۔

● بدعنوانیوں کو تسلیم کرنے اور اللہ تعالی سے توبہ واستغفار کرنے کے بجائے ان پر بالکل خاموشی اور ان کی پردہ داری اور ان پر پچھتانے کے بجائے مذلوجی حرکتیں۔

● مولانا محمود الحسن فیضی رحمہ اللہ کو مارنے کا واقعہ۔ جو تنظیم کے لیے ''یوم سیاہ'' ہے۔

● قراداد مذمت کا سہارا لے کر اصلاح پسندوں کو باغی جمعیت کا بدخواہ فسادی اور مختلف ناموں سے یاد کرنا۔ قرارداد مذمت بدعنوانی کو چھپانے کا سب سے بڑا ہتھیار اور ایک عاجز نااہل کے لیے ایک سہارا۔

● اخبار میں اشتہاری مہم، دشنام طرازی، اکاذیب کی اشاعت۔

● جمعیت کے پرچوں کو ذاتی اغراض اور جھوٹی اختلاقی مہم کے لیے استعمال کرنا اور اپنے تصور کردہ مخالفین کی کردار کشی اور خاص کر ابن احمد نقوی کو استعمال کرنا اور ارذل عمر میں اس کی عاقبت خراب کرنا۔

● ہائی کورٹ میں مقدمہ دائر کرنا۔

● کرائے کے اوباشوں کے ذریعہ انتخابی شوری میں ہڑبونگ مچانا۔

● شہادت زور کا بھرپور استعمال اور ان کی اساس پر مثالی بننے کی کوشش۔

● شوری اور عاملہ کو اس طرح مٹھی میں کنٹرول کرنا کہ تنظیم کے سنوات خداعات کے طویل وقفے میں ان کا کوئی ممبر ناظم کی مالی و منصبی بدعنوانیوں کے متعلق زبان کھول نہ سکا۔ نہ اس کی بدعنوانیوں پر لگام لگا سکا۔ اس کو ناظم کا استبداد کہیں یا شوری وعاملہ کی بے شعوری بے ضمیری یا غفلت۔ اصلاحی تحریک اٹھنے کے بعد چند لوگوں کو چھوڑ کر کم ہی لوگوں نے شوری سے استعفی دیا۔ اصول پسندی کے بجائے لوگوں نے مصلحت چاپلوسی ساتھ دینے اور

خاموش رہنے کو غنیمت جانا یا اسے کمال سمجھ بیٹھے۔ اور ساری مالی منصبی بدعنوانیوں کو دیکھنے کے بعد جمعیت کے اندر اور باہر جماعت کے پڑھے لکھے معتبر سمجھے جانے والے لوگ بھی پتہ نہیں کیوں ان مالی و منصبی بدعنوانیوں کی تائید کر کے اپنی آخرت خراب کرتے رہے اور جماعت و جمعیت کو دفن کرتے رہے۔

اس وقت مرکزی جمعیت کی قیادت شوریٰ اور عاملہ کے پاس کوئی خیار نہیں رہ گیا ہے یارا نہیں ہے۔ ان کے پاس نہ راہ عمل ہے نہ راہ فرار راہ عمل تو کبھی رہا نہیں۔ راہ فرار اس لیے نہیں ہے کہ خوش فہمیوں مفادات اور تعنت نے ان کے پیر پکڑ لیے ہیں۔ قابلیت کا ایسا وہم سوار ہے کہ وہ انھیں راہ فرار اختیار کرنے نہیں دیتا ہے۔ رسوائیوں کا خوف مادی فوائد سے محرومی کا احساس انھیں کچوکے لگاتا ہے کہ کہاں جاؤ گے رسوا ہونے اور نقصان اٹھانے۔ ضد اور اصرار علی الباطل کے اسیر بن گئے ہیں۔ نتائج وعواقب کی پروا بھی نہیں ہے ایسی حالت میں ان کے ساتھ ان کا اکھڑ پن اور اس کے ساتھ عیاریاں بھی ہیں۔ اس لیے ان کے سدھرنے یا راہ چھوڑنے کی امید نہیں کی جا سکتی۔

● اصلاحی کوششیں:

اصلاحی کوششوں کی کئی شکلیں پیدا ہوئیں لیکن ناکام۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے نوعیت مسئلہ جاننے کی ضرورت ہے۔ جمعیت کا مسئلہ ذاتی مسئلہ نہیں ہے یہ کروڑوں اہل حدیثوں کی نمائندہ تنظیم کا مسئلہ ہے۔ اگر اس کی قیادت کھلی ہوئی بدعنوانی میں ملوث ہو تو کسی بھی اہل حدیث کو اس پر گرفت کرنے کا حق ہے۔ جمعیت کوئی سیاسی تنظیم نہیں ہے کہ اس کو نظر انداز کر دیا جائے۔ یہ ایک دینی تنظیم ہے۔ خیانتیں جب روز ہوتی ہوں اور دن دہاڑے اور بڑے پیمانے پر مالی و منصبی بدعنوانیاں ہوں۔ ہر شے ایک ہاتھ میں سمٹ کر رہ گئی ہو۔ اغراض و مقاصد بالکل نظروں سے اوجھل ہو گئے ہوں۔ کوئی مقصدی کام نہ رہ جائے صرف فریب ہی فریب ہو جھوٹ ہی جھوٹ ہو تو پھر ایسی حالت میں خاموشی کیا درست ہو سکتی ہے یا جرم عظیم میں شمار ہو گی۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ شوریٰ اور عاملہ ہی اس فساد کو درست کر لیتی لیکن کون نہیں جانتا

کہ یکا دکا لوگوں کو چھوڑ کر شوریٰ و عاملہ کے اراکین سرے سے اس صلاحیت سے محروم تھے اور ہیں کہ تنظیمی امور و مسائل کو سمجھ سکیں۔

قیادت کے فساد بگاڑ اور مالی و منصبی بدعنوانیوں کا مسئلہ اتنا پیچیدہ تھا اور اب چند در چند پیچیدہ ہو گیا کہ اسے کسی طرح نظر انداز کرنا اور جھیل لینا جب کہ سو فیصد اس کی تادیب کی گنجائش تھی اور ہے حرام ہے۔ ایک دینی تنظیم کو زیرو بنانا ہے مسلک کی خوبیوں کو روندنا ہے اور صدقات و خیرات کے مال میں چوری اور خیانت کو جائز قرار دینا ہے۔ بے حسی خیانت اور چوری کو جائز قرار دینا ہے۔ جو بدعنوانی ایک دینی تنظیم میں بدیہی بن گئی ہے اس کو نظر انداز کرنا علم و عقل دیانت دین مسلکی خصائص کی توہین ہے اور ایسا سوچنے اور جواز کا فتوی دینے والے یا نظر انداز کرنے والے یا تغافل برتنے والے بے ضمیر ہیں جو ان خیانتوں کو جانیں پھر بھی خائن کی تائید کریں وہ اندھے ہیں جو خیانت کو جانتے ہوئے خاموش رہیں وہ گونگے ہیں۔ اور جو خیانتوں کے لیے شرعی جواز تلاش کریں اور تنظیم کے ذمہ دار کو خلیفہ کا درجہ دے کر اس کی بدعنوانی پر سکوت کی تلقین کریں وہ بدباطن ہیں اور خود چور ہیں اور خیرات وصدقات پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اور بڑے مجرم کو چھپا کر اس کے پیچھے خود چھپنا چاہتے ہیں اور اپنے کالے کرتوتوں کو چھپانا چاہتے ہیں۔ یہ سارے جرائم پیشہ ہیں یہ اگر قوم و ملت کے نام پھر بھیک نہ مانگیں اور دینے والے دین و ملت کے نام پر نہ دیں۔ یہ مانگیں پیٹ بھرنے کے لیے اور ملے پیٹ بھرنے کے لیے تو کسی کو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ یہ بھکاری جھوٹ بھی بولتے ہیں خیانت اور ملی امانت میں چوری بھی کرتے ہیں اور دین میں تحریف بھی کرتے ہیں۔

اصلاحی کوششیں ہر طرح کی ہوئیں:

نجی طور پر لوگوں نے قیادت کو سمجھایا۔ انجام سے ڈرایا، جماعتی غیرت کی دہائی دی۔
امانت و خیانت کا فرق سمجھایا۔

کئی وفود بار بار یحییٰ صاحب سے ملے جن کا شمار مشکل ہے۔ ان کے سامنے سارے مسائل رکھے گئے۔ جماعت کے نفع و نقصان کی بات کی گئی جماعتی تاریخ کو دہرایا گیا۔

میں نے بھی سراجہرا انفرادی طور پر سمجھایا اور اس سلسلے میں یحییٰ صاحب کے گھر ایک درجن لوگوں کے ساتھ میٹنگ ہوئی کشمیر کے اس وقت کے صدر اور ناظم کے ڈرامے بھی دیکھے۔ خواجہ قطب الدین مونس مرحوم کر چڑھا کر لایا گیا تھا کہ میں نے ۵/لاکھ لیا ہے تب میٹنگ میں بیٹھنے کے لیے آیا۔ ان کی گالیاں بھی سنیں۔ مجھے منانے کے لیے قیادت روئی گڑگڑائی اور پاؤں پر گرنے کی حالت میں آگئی۔ کشمیری صدر نے اپنی ٹوپی اتار کر میرے پیر پر بھی رکھی۔ یحییٰ صاحب بھی اس دن کلبلائے اور اپنا سکوت توڑ دیا اور ایک معاہدہ ہوا کہ ''جمعیت کا حال زار'' میں جو اصلاحی تدابیر پیش کی گئی ہیں اس پر عمل کیا جائے گا۔ یہ معاہدہ ترجمان میں چھپ بھی گیا اور پھر ہر طرف پھیلانا بھی شروع کر دیا گیا اور ایک موقر محفل کے قابل قدر معاہدے کو میری کردار کشی کا سامان بنایا گیا یعنی میٹنگ میں آنے کے لیے ۵/لاکھ اور معاہدے پر دستخط کرنے کے لیے ۱۰/لاکھ مجھے دیا گیا اور میں نے لیا اور بہت سے طبعی خباثت کے بندوں نے اسے یقین کیا اور جھوٹ پھیلانے میں حصہ لیا۔ اللہ انھیں سمجھ دے آمین!

احتساب کے لیے احتساب ہفت روزہ خبر نامہ بھی نکالا گیا اور تنظیم میں جاری ساری خرابیوں کی نشاندہی کی گئی ۱۲/شمارے اس کے نکلے۔

الاحسان میں مضامین کا سلسلہ شروع ہوا۔

رسالے بھی لکھے گئے کم از کم خاکسار نے اب تک اردو عربی میں اصلاح جمعیت کے متعلق پانچ سو صفحات لکھ ڈالے۔

دیگر حضرات نے بھی اصلاح تنظیم کے لیے لکھنا شروع کیا خاص کر حکیم اجمل خان صاحب نے اپنے رسالہ ''اہل حدیث'' میں بہ تواتر لکھنا شروع کیا۔

اصلاح کے لیے دلی میں ایک کنونشن بھی بلائی گئی اور لوگوں نے اس میں اپنی تجویز اور شکایتیں رکھیں۔ ساری دنیا نے جان لیا کہ تنظیم کی حالت کیا ہے اور قائد کتنا خائن نکمّا اور نا اہل ہے لیکن یہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ بلکہ قذافی اور صدام بنا ہوا ہے۔

بنارس میں ۵-۶/مارچ ۲۰۱۴ء کو اعیان جماعت کا اجتماع ہوا گفتگو اور بحث ومباحثہ

کے بعد اصلاح کی تجاویز طے ہوئیں اور آٹھ آدمیوں پر مشتمل ایک وفد کی تشکیل ہوئی۔ اسے یحییٰ اور ناظم جمعیت سے ملنے کے لیے بھیجا گیا۔ یہ وفد معزز لوگوں پر مشتمل تھا جس کی رپورٹ آچکی ہے۔ وفد دلی گیا یحییٰ صاحب کے گھر پہونچا انھوں نے ملنے سے انکار کر دیا یحییٰ صاحب کے صاحبزادے نے انھیں آمادہ کیا تب ان کے گھر کا دراوازہ کھلا لیکن دل کا دروازہ بند ہی رہا اور مہر بلب۔ دو گھنٹہ وقت ضائع کرنے کے بعد وفد کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔

دفتر نظامت کے اوپر بھی مکمل سکوت طاری اور جب وفد کے معزز رکن ناظم جمعیت کے پاس وفد کا پیغام اور تجاویز اور خط لے کر پہونچے تو ناظم نے یہ سب کچھ استلام کرنے سے انکار کر دیا گیا۔

اسی پر بس نہیں ناگپور کے ایک نئے چہیتے جو اپنے شہر کے حلقے میں بڑی ''اچھی'' شہرت رکھتے ہیں وزیر خزانہ بن گئے ہیں اور جمعیت اہل حدیث ناگپور اور مہاراشٹر سے مرفوض ہیں۔ انھوں نے پتہ نہیں کس اتھارٹی کے تحت اس اچھے معتبر اور اصلاحی اقدام کے خلاف مولانا عبداللہ سعود کو بنارس خط لکھا اور اعیان جماعت کے اجلاس کو غیر آئینی غیر دستوری قرار دیا اور جمعیت کے خلاف اسے سازش بتلایا اور بعد میں شوری بلائی گئی اور قرارداد مذمت پاس ہوئی اور اعیان جماعت مفسد باغی اور قابل مذمت قرار پائے۔

بات اصلاح کی ہو رہی تھی تفاصیل کو دیکھتے جایئے اور طے کرتے جایئے کہ کیا تنظیم کے اندر دم خم ہے کہ کوئی معمولی سا مسئلہ حل کر سکے۔

اس طویل عرصے میں تنظیم کی قیادت نے کتنی سمجھداری کا ثبوت دیا ہے؟ کتنا انھوں نے سچائی کے ساتھ تنظیم کاری کی ہے؟ اور دین مسلک اور جماعت کی خدمت کی ہے؟ کتنا انھوں نے دین داری کا مظاہرہ کیا ہے اور دستور کی بالا دستی کو قائم رکھا ہے؟ کس قدر انھوں نے لوگوں کے مشوروں کو سنا ہے اور اعیان جماعت کی بات سنی ہے؟ کتنا انھوں نے تنظیم کے متعلق اٹھائے گئے سوالات کا جواب دیا ہے؟

ان سوالات کے جوابات کون دے گا۔ جوابات سنیے:

تنظیم کے سنوات خداعات کے وقفے میں کبھی بھی قیادت نے سمجھداری کا ثبوت نہیں

دیا۔ مجرمانہ خاموشی یا اکھڑ پن یا اپنے طے کردہ مخالف کے خلاف سازش یا خرید فروخت۔

پورے ملک کی تنظیم کاری میں فریق بن کر اختلافات کا جال بچھا دیا اور چھٹے ہوئے بے ضمیروں کو اپنا ہمنوا بنایا اور لالچ دے کر اپنے جتھے میں شامل کر لیا۔ اس طرح تنظیم جتھا بازیوں میں ڈوبتی چلی گئی اور چھٹے ہوئے لوگ ہی سطح تنظیم پر نظر آنے لگے۔

تنظیم کے متعلق کوئی واضح تصور یا پالیسی اور پروگرام نہ دے سکے۔ صرف الجھنیں پھیلائی گئیں اور بدعنوانوں کم فہموں اور ہلکے ذہن کے لوگوں کو جو ہاں کہنا جانیں اپنے گرد جمع کر لیا۔

ہر طرف تنظیم اور ارباب تنظیم کے متعلق شکوک وشبہات پھیلائے گئے اور کبھی اس دھند کو صاف کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ قیادت کی بلاوت ہی ہے کہ تنظیم میں جتنے دھند اٹھے اور اصحاب بصیرت نے اسے محسوس کیا اور قیادت کو محبت سے سمجھایا یا مخالفت سامنے آئی کبھی اس دھند کو صاف نہیں کیا گیا بلکہ اس نے قیادت کی بلاوت کو مزید بڑھا دیا۔ کسی بھی بڑی تنظیم میں گمبھیر مسائل اٹھتے ہیں اٹھ سکتے ہیں کمیوں کے صدور کا امکان بھی ہوتا ہے۔ مخالف رائیں بھی آتی ہیں محاسدات اور عداوات کا بھی سامنا ہوتا ہے۔ لیکن ایک بڑی دینی تنظیم کی قیادت کے اوپر یہ دینی فریضہ ہوتا ہے کہ ان مسائل سے نمٹے اور تنظیم میں شفافیت کو برقرار رکھے اور روٹھوں کو منائے اصول وضوابط اور دستور کی بالادستی قائم رکھے لیکن قیادت اس میں سو فیصد ناکام رہی۔

جماعت میں فکر وفہم کے حامل لوگوں سے میری التجا ہے ذرا غور کریں کبھی قیادت نے کسی تنظیمی مسئلے کو حل کیا۔ انھوں نے ہمیشہ حزب مخالف کا کردار ادا کیا۔ ناظم جمعیت کے تصرفات سے ایسا لگتا ہے، جیسے اسے کبھی اپنے اوپر بھروسہ نہیں رہا۔ ہر دم لوگوں کی مخالفت کے تصور سے ڈرا سہا ہوا۔ لوگوں کے تعاون کا محتاج۔ ایسی حالت میں غلط کاروں کی طرف لپکنے اور ان کا سہارا لینے اور خفیہ طور پر ان سے تال میل کرنے کی کوشش۔ اس ڈر اور خود اعتمادی کے فقدان کی نفسیات نے اسے سریت کا شکار بنا دیا اور سریت نے اسے ابن الوقتوں پر بھروسہ کرنے پر مجبور کیا کہ ایسے لوگ غیر دستوری سوچ اور غیر اخلاقی کردار کے

لوگ ہوتے ہیں۔ اور منفعت کے مواقع کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ قیادت کو غیر اخلاقی غیر دستوری سہارے کی تلاش تھی اور ابن الوقتوں کو منافع کی تلاش۔ دونوں زاویے مل گئے اور ان کا تال میل مل گیا۔ اس تال میل کے لیے خرچہ چاہیے۔ اس لیے خیانت نے سر ابھارا اور تنظیم پر قبضہ جمالیا۔ اور خود قیادت غربت سے پریشان نفسیات کی حامل تھی دولت کی پیاسی۔ یہاں بھی ڈری بھوکی پیاسی نفسایت کی حامل قیادت اور ابن الوقتوں کا قارورہ مل گیا۔ بس پھر کیا تھا یہی جتھا تنظیم پر حاوی ہو گیا اور سمجھدار لوگ تنظیم سے چھٹتے چلے گئے بلکہ ابن الوقتوں کے رویے اشاروں اور مشوروں پر قیادت ان سے دامن بچاتی چلی گئی اور کرپشن بڑھتا گیا اور سمجھ دار لوگ اس سے دور ہوتے چلے گئے۔

ایسے ماحول میں ایسی ذہنیت کے حاملین اور ایسی قیادت کے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ اصلاح کو وہ قبول کرے۔ بدعنوانی جتھا بندی اور مالی ومنصبی خیانت اس کی مجبوری اور ضرورت بن گئی ہے۔ اس کی مجبوری اور ضرورت کی اس سے بڑھ کر دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ اس نے اپنے دور ''سنوات خداعات'' میں کبھی ایک بھی فساد کو درست نہیں کیا بلکہ فسادات کے سادات کو اکٹھا کر لیا۔

یہ سماجی زندگی کی گرہیں ہیں۔ یہی گرہیں یعنی قیادت کی بے بصیرتی اور مفاد پرستی تنظیم کی گرہیں بن گئی ہیں۔ یہ جماعت کے اندر موجود ارباب بصیرت کے ناخن تدبیر سے کھل سکتی ہیں لیکن افسوس جماعت میں ابھی تک اصحاب بصیرت نے ان گرہوں کو سمجھنے تک دھیان نہیں دیا۔ کھولنے کی دور کی بات ہے۔

نجات دھندہ:

تنظیم کی یاس انگیز حالت ہے۔ ایسی حالت میں اس کے لیے نجات دہندہ کی سخت ضرورت ہے۔

۱۹۸۰ء میں جمعیت تعطل کا شکار ہو کر زیرو بن گئی تھی۔ اعیان جماعت نے اسے آگے بڑھ کر یحییٰ صاحب کے چنگل سے نکالا تھا۔ اس وقت کے صدر ایک شریف انسان تھے۔ مرکز سے دور تھے، ناظم یحییٰ صاحب کے ہینڈ پک تھے اور بالکل کمزور۔ یحییٰ صاحب سیاہ کو

سفید اور سفید کو سیاہ بناتے تھے۔ اس وقت جمعیت بحران سے نکلی تھی اور یحییٰ صاحب اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جمعیت لے کر الگ بیٹھ گئے تھے اور اٹھارہ سالوں تک اسے سینے سے لگائے رہے اور ان کی جمعیت زیرو ہو گئی تو پھر مرکزی جمعیت سے آ ملے۔

١٩٨٠ء میں جمعیت صرف تعطل کا شکار تھی۔ اس وقت تعطل بھی ہے جتھا بندی اور انتشار بھی ہے۔ تیسرے درجے کے کم فہموں اور اخلاقی طور پر انتہائی کمزور اور معمولی فوائد کے لیے مر مٹنے والوں کا گھیرا بھی۔ جمعیت کی تمام یونٹوں میں کرپشن اور بدعنوانیاں بھی ہیں۔ مبہم اور انتشار خیز دستور اور اس کی ان دیکھی بھی ہے۔ غیر موثر نافہم ہاتھ اٹھانے والی شوریٰ و عاملہ بھی ہے اور ان کو مسترد کرنے والی مدعوئین خصوصی کی ٹیم بھی ہے۔ انتہائی درجہ کی مالی خیانتیں ہیں۔ یعنی ١٩٨٠ء کے مقابلے میں ہزار گنا زیادہ تعطل فساد اور کرپشن ہے۔ پھر کیا جماعت کو ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا چاہیے۔

انتشار اور خلفشار کا یہ عالم ہے کہ پورے ملک میں بیزاری کی لہر پھیل گئی ہے اور قیادت کی جتھا بندی حزب مخالف کا رویہ اپنانے اور بدعنوانی و خیانت کے سبب لوگ پورے ملک میں بکثرت الگ تھلگ ہو گئے۔ کشمیر سے لے کر کنیا کماری تک اور بمبئی سے لے کر آسام تک ہر جگہ محاذی جماعتیں بن گئیں۔ صوبائی پیمانے پر بھی اور ضلعی و مقامی پیمانے پر بھی۔ تنظیم کی قیادت نے ایسا رویہ اپنایا کہ پورے ملک میں تنظیم کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا اور لطف یہ کہ کسی جگہ جوڑنے کا کام نہیں ہوا صرف کاٹنے کا کام ہوا۔ اور ڈرے ہوئے بندوں کا عافیت کی طرف بھاگنے کا۔

جب بگاڑ کی یہ حالت ہے اور اصلاح کی ساری کوششیں ناکام ہو چکی ہیں پھر اس کے بعد بچا کیا ہے اس لیے جماعت کے سمجھ داروں کے لیے ناگزیر ہو گیا ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو اسے موجودہ قیادت اور شوریٰ و عاملہ سے بچانے کی کوشش کریں۔

جمعیت اہل حدیث ہند:

کیا جمعیت اہل حدیث ہند نجات دہندہ بن سکتی ہے۔ اس نے مرکزی جمعیت کو بچانے کے لیے کافی کوشش کی ہے۔ لیکن دوٹوک الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ کام اس سے

نہیں ہو سکتا۔ ان سے یہ ہو سکتا ہے کہ پورے ملک میں پہلے سے مرکزی جمعیت کے مقابلے میں جو محاذ جمعیت اور گروپ پورے ملک میں تیار ہو گئے ہیں ان کی قیادت کرے اور موجودہ مرکزی جمعیت سے بڑی تنظیم بن جائے اس کا سو فیصد امکان ہے اور اسے آل انڈیا تنظیم بنانے کے لیے امکانیات بھی ہیں۔ اور بروقت مرکزی جمعیت میں جو تعطل اور خلا ہے اس کے سبب اگر جمعیت اہل حدیث میدان میں اترے تو اسے زبردست پذیرائی ملے گی اس کا مشاہدہ ہو چکا ہے۔ بروقت ملک کی اہل حدیث آبادی کی اکثریت ان کے ساتھ آنے کو تیار ہے۔

جمعیت اہل حدیث ہند کے ذمہ دار آخری لمحے تک مرکزی جمعیت کے سدھرنے کا موقع دے سکتے ہیں اور چاہتے ہیں اور اس کے لیے وہ نئی جمعیت کو تحلیل بھی کر سکتے ہیں لیکن ان کی بھی ساری محنت اور قربانیاں رائیگاں ہیں۔ مرکزی جمعیت سے وابستہ سمجھ دار لوگ بھی یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں کہ وہ مرکزی جمعیت کی موجودہ حالت میں کیوں ساتھ دیتے ہیں اور نہ جمعیت اہل حدیث ہند کے جذبات خیر و اصلاح کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں نہ خود کچھ کرتے ہیں نہ کر سکتے ہیں نہ دوسروں کو کرنے دینا چاہتے ہیں۔ یہ دنیا دارالعمل ہے خواب کی دنیا میں رہ کر اوہام کا روگ پال کر سمجھ دار لوگ مرکزی جمعیت کی قیادت کے لیے طاقت بنے ہوئے ہیں اور بدعنوانیوں کو عملاً مان کر اور بلاوجہ حرام کاریوں کی تصدیق کر کے گناہ کی فصل کاٹ رہے ہیں۔

ایسا لگتا ہے جمعیت اہل حدیث نہ مرکزی جمعیت کی نجات دہندہ بن سکتی ہے نہ جماعت کے لیے مفید بن سکتی ہے۔ اس کے لیے شاید اتنا ہی بس ہے کہ اس نے گروپوں، جتھوں اور مرکزی جمعیت کے تعطل اور کرپشن کو اکسپوز کیا۔

یہ سب کے لیے عیاں ہے کہ دینی تنظیمات کی شرعی حیثیت مباح کے درجے میں ہوتی ہے اور سارا کام رضاکارانہ ہوتا ہے۔ شرعی اور دستوری طور پر کسی بھی گروپ کو یہ حق حاصل ہے کہ مفادات اور مفاد انسانیت میں تنظیم قائم کرے۔ لیکن یہ حساس پہلو بھی ہے کہ تنظیم اپنی فطری ضرورتوں کے تحت قائم ہو۔ اگر اس کے قیام کے پس منظر میں حقیقی یا وہمی

تصادم ہوتو ایسی تنظیم کے قیام کی نتیجہ خیزی میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔ جمعیت اہل حدیث کے عزائم اور حوصلے بلند ہیں اور نیتوں میں بھی فتور نہیں ہے لیکن مرکزی جمعیت کی ڈسپیوٹڈ پوزیشن اس کے لیے مضر بن گئی اور اس کے ذمہ داروں کا غیر پسندیدہ رویہ اور لوگوں کی روایت پسندی اور ایک ہی میدان کار میں دو تنظیموں کا وجود سارا کچھ اس کے حق میں نہیں جاتا ہے اور عموماً سنجیدہ لوگ جماعت کے اندر دوسری تنظیم کا وجود نہ پسند کرتے ہیں نہ برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ گو ۸۰٪ فیصد عوام مرکزی جمعیت سے بیزار ہیں اور اگر جمعیت اہل حدیث ہند عوام میں اترے تو مرکزی جمعیت کا بدل ہوسکتی ہے۔ لیکن وہ تمام خرابیاں جو اس وقت مرکزی جمعیت میں ہیں اس سے زیادہ اس کے اندر خرابیوں کے درآنے کا امکان بھی ہے۔ کیونکہ یہاں بھی وہی راہ اپنائی جارہی ہے جس پر مرکزی جمعیت چل رہی ہے اور یہاں بھی ان خرابیوں کا شعور نہیں ہے جن خرابیوں کے سبب جمعیت ہمیشہ تعطل کا شکار رہی۔ لے دے کے کل نتیجہ یہی ہے کہ اس سے کسی خیر کی امید وابستہ نہیں کی جاسکتی ہے۔ گو بر وقت جمعیت اہل حدیث ہند کے قیام کی مجبوری بھی ہے اور ضرورت بھی ہے۔ لیکن ایسا نظر نہیں آتا کہ مجبوری اس کے لیے مفید ہو سکے گی اور وہ جماعت کی ضرورت کو پوری کر سکے گی۔

جمعیت اہل حدیث ہند کے پیچھے مرکزی جمعیت سے وابستہ اچھے برے ہمیشہ پڑے رہیں گے اور آخری حد تک اسے بدنام کریں گے اور جمعیت اہل حدیث ہند ایسی حالت میں مرکزی جمعیت کے ردی مال کی مارکیٹ بن جائے گی عمل اور ردعمل میں دونوں فساد اور خرابی کے ایک اسٹیشن پر جمع ہو جائیں گی۔

بہتر یہ ہے کہ اعیان جماعت کے سنجیدہ لوگ جمعیت اہل حدیث ہند کے ساتھ مل کر ناقابل اصلاح جمعیت کی قیادت کو برطرف کردیں۔ جیسا کہ ۱۹۸۰ء میں ہوا تھا اور ایک ایڈھاک بنادیں اگر مرکزی جمعیت کی قیادت اسے مانتی ہے تو ٹھیک ورنہ جس طرح حافظ یحییٰ ایک کنارے پڑے رہے۔ اسی طرح موجودہ قیادت بھی ایک طرف پڑی رہے اور ختم ہوجائے۔ یہ فیصلہ کن قدم اٹھائے بغیر مرکزی قیادت جائے گی نہیں۔

اس مقصد کے لیے اعیان جماعت کو پورے ملک کا دورا کرنا پڑے گا اور موجودہ قیادت کے تعطل اور بدعنوانیوں کو پورے ملک کی جماعت کو بتانا ہوگا اور اپنا لائحہ عمل پیش کرنا ہوگا۔ جماعت کو کنفیڈنس میں لینے کے بعد ایسا قدم اٹھانا ناگزیر ہوگیا ہے۔

بنارس میں اعیان جماعت کی میٹنگ اس طرف ایک مثبت قدم ہے۔ اس کام کے لیے اعیان جماعت کی ایک کمیٹی بن جائے تو بہت بہتر رہے تاکہ یہ کام بتواتر ہو اور جلد اس جماعتی فریضے سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی جائے۔ اس وقت تنظیم کے لیے نجات دہندہ اعیان جماعت ہی بن سکتے ہیں۔

تنظیم کے ''سنوات خداعات'' کی یہ بہت ہی مختصر داستان ہے۔ اس وقفے میں جماعت کی کیا حالت رہی۔ اس پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے۔

سنوات خداعات میں جماعت کی حالت:

تنظیم کی مختصر داستان کے بعد ایک طائرانہ نظر جماعت کی حالت پر ڈال لیں تو بہتر رہے گا۔ آٹھویں دہے کے بعد جب مادی اسباب میں اضافہ ہوا تو اس کے نتائج اس ناحیے سے بہتر نکلے کہ بہت سے نئے ادارے کھلے۔ بہت سے اسکول اور چند ایک کالج کھلے۔ علماء کی کھیپ کی کھیپ تیار ہوئی۔ بچیوں کی تعلیم کی طرف توجہ ہوئی۔ مساجد کی تعمیر کثرت سے ہوئی۔ کثرت سے لوگ اہل حدیث ہوئے۔ معاشی اعتبار سے لوگوں کے اندر بہتری آئی۔ عصری اور دینی تعلیم کی جانب رجحان بڑھا۔ لٹریسی ریٹ میں اضافہ ہوا۔ اشاعتی ادارے کھلے سماجی سرگرمیوں میں تیزی آئی۔ سیاست میں حصہ داریاں بڑھیں۔

ان سب خوش آئند امور کے ساتھ بہت سی خرابیاں اور کمیاں درآئیں جن کا تدارک نہ ہوسکا۔ صالحیت عنقا ہونے لگی، دولت کی ہوس نے عالم جاہل سب کو اندھا کردیا۔ خود غرضیاں بڑھیں۔ حلال حرام کی تمیز ختم ہوگئی۔ منصب اور شہرت کے لیے دیوانگی کی حد نہ رہی۔ دعوت وتعلیم کو تجارت بنالیا گیا۔ تعمیر مساجد اور مشروعات حصول دولت کا ذریعہ بن گئیں۔ مدارس میں نظام تعلیم وتربیت بگڑتا چلا گیا اور مدارس اہل حدیث میں تعلیمی ثنویت یعنی خچر نصاب تعلیم نے دینی تعلیم کو سخت نقصان پہونچایا۔ مادہ پرستی کے سبب دینی علوم کی

برکت ناپید ہوگئی۔ دینی علوم کی تعلیم میں از اول تا آخر ''عدالت'' یعنی ایمانداری ثقاہت دین داری، ذمہ داری اور معتبریت ختم سی ہوگئی۔ مدارس میں فیس کی وصولی نے غریبوں کے لیے دینی تعلیم کے حصول کو مشکل بنا دیا۔ جس تیزی سے لوگوں نے رجوع الی الکتاب والسنہ کیا ہے اس کے مطابق علماء خطباء اور مربیوں کی کمی رہی۔ اور مدارس کی بھی کمی ہے۔ نصف کے قریب اہل حدیث طلباء حنفی مدارس سے فارغ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی فکر مستقیم میں خلل رونما ہو جاتا ہے۔ علماء اور عوام کے تعلقات میں شگفتگی نہیں ہے۔ سنجیدہ اہل حدیث علماء کی قدر و قیمت نہیں۔ خوشامدی گویے پیشہ ور اور بدکردار علماء خطباء کو جاہل سیٹھ اور کان کی لذت کے طلبگار عوام خریدتی ہے اور دینی ماحول کو بگاڑتی ہے۔ اہل حدیث عوام کا دینی رجحان انتہائی ناپختہ ہے۔ اس لیے یہ کسی بھی دعوتی جوکر کے دیوانے بن جاتے ہیں۔ اور غلط کاروں کو طاقت ور بنا کر پچھتاتے ہیں۔ خارجیت کا رجحان بھی پڑھے لکھے نوجوانوں میں بری طرح داخل ہے۔ ہر کس و ناکس کو ادارہ کھولنے چندہ کرنے نظامت کرنے کا شوق ہے اور افراتفری کا عالم ہے۔ جس کو دیکھو تبلیغ کرنے فتوی دینے، مصنف بننے، اداروں کا مالک بننے کا اس پر خبط سوار ہے۔ جب کہ اکثر اس کے اہل نہیں ہوتے ہیں۔ جماعتی تعلق قلب خاطر، باہمی تعلقات میں رکھ رکھاؤ شگفتگی ختم ہو چکی ہے۔ کسی پر کوئی اعتبار نہیں کرتا اور جو اعتبار کرتا ہے تباہ ہوتا ہے۔ بچیوں کی تعلیم کو کلی طور پر کمائی کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے۔ اور نتیجہ انتہائی افسوسناک۔ جماعت کیا ندر اجتماعی احساس شعور و ادراک کی بڑی کمی ہے۔ شذوذ پسندی زیادہ ہے۔ الگ راہ اپنانے کا خراب رجحان پایا جاتا ہے۔ دینی شعور فروعات کے اندر سمٹ کر رہ گیا ہے۔ ضابطہ بندی اور اصول پسندی سے بہت کم واسطہ رکھا جاتا ہے۔ انتشار انارکی بے ضابطگی جماعتی زندگی میں داخل ہے۔ جماعت کے کاموں میں یکسانیت اور محدودیت نے اسے ناکارہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ صلاحیتوں میں تنوع کی انتہائی کمی ہے۔ صاحب بصیرت اور صاحب کردار علماء اور رجال کو تلاش کیا جائے تو ان کی تعداد مایوس کن ہوگی۔ عیاری اور ایک دوسرے کی کاٹ وطیرہ حیات بن چکی ہے۔ حساس بابصیرت اور صحیح انسان اس گھنی آبادی میں خود کو تنہا محسوس کرتا ہے۔ اسے ایسا لگتا ہے جیسے وہ کسی صحرا میں جی

رہا ہے۔ یا مردوں کی بستی میں تنہا کھڑا ہے۔ نفسانیت کی سلگتی آگ کے درمیان خود کو گھرا پاتا ہے۔ لوگ انسان نہیں لگتے انسانوں کی شبیہ معلوم ہوتے ہیں اور مفاد پرستی کی دنیا میں ہر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہے۔ امانت داری سے لوگوں کو بیر ہو گیا ہے۔ تقریریں سنی جا رہی ہیں ٹی چینل چلتے ہیں۔ حلیہ خود پسندی کا گواہ ہوتا ہے۔ جعل سازی شیخی تعنت اور دنیا داری سے اندرون بھرا ہوتا ہے۔ یہ ہے المناک حالت جو خوش آئند حالت کے مدمقابل ہے۔ ہے اس کا کوئی علاج؟ ان بیماریوں کا کوئی علاج نہیں ہے۔ نہ طبیب ہے نہ کوئی خود کو مریض سمجھتا ہے۔ لیکن واقعتاً فرد اور سماج جماعت اور افراد مریض ہیں۔ جماعت کے لیے یہ مہلک روگ ہیں۔ ان روگوں کا علاج تھا اجتماعی دینی جدوجہد اور تعمیر فرد و معاشرہ اور تربیت و تعلیم کا چوکس نظام۔ لیکن یہ سن عنقا ہیں۔ دین جماعت اور مسلک کے نام پر جگلروں کی بہت بڑی ٹیم تیار ہوگئی ہے۔

ان کی اگر تفصیل دی جائے اور مثالیں دی جائیں تو بات لمبی ہو جائے گی اور فساد خلق کا بھی شدید خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ میں صرف نقاط پیش کر رہا ہوں تاکہ بابصریت ذی علم اور ارباب حل وعقد مشکلات و مسائل پر غور کریں۔ سمجھیں اور ان کا حل نکالنے کے لیے عملی قدم اٹھائیں۔

اگر ارباب جماعت اپنی تنظیم کی موجودہ خرابیوں کو درست نہ کریں گے اور تنظیم چلانے کے تقاضوں کو پورا نہیں کریں گے۔ اس کے اندر ضابطہ بندی نہیں لائیں گے خطوط کار طے نہ ہوں گے لائحہ عمل نہ بنے گا احتساب نہ ہوگا۔ رجال کار میں معیار بندی کو ملحوظ نہ رکھا جائے گا تو تنظیمی انتشار ختم نہ ہوگا۔ ایک بدعنوان جائے گا دس بدعنوان پیدا ہو جائیں گے۔ یہاں مسئلہ کسی ایک بدعنوان کے جانے کا نہیں ہے۔ بدعنوانی کی جڑیں ختم کرنے کا ہے۔

☆☆☆

باب سوم

تنظیمی بگاڑ کے اسباب

تنظیم جماعت کیوں ہمیشہ تعطل کا شکار رہتی ہے؟ کیوں جو بھی قیادت آتی ہے بدعنوانی کرتی ہے اور بے ضابطگی اس کا وطیرہ بن جاتا ہے؟ کیوں شوری وعاملہ بدعنوان قیادت کا حمایتی بن جاتی ہے؟ کیوں احتساب نہیں ہو پاتا ہے اور بدعنوان کو سزا نہیں مل پاتی ہے؟ اور اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے جماعتی طاقت اور انرجی برباد ہوتی ہے؟ کیوں قیادت بے ضمیری دکھلاتی ہے۔ اپنی غلطیوں کا اعتراف نہیں کرتی ہے اور جماعت سے معافی مانگ کر تنظیم کا پلیٹ فارم چھوڑتی نہیں؟ اور کیوں قیادتیں کام نہیں کر پاتی ہیں بدعنوانی کی دلدل میں ڈوب جاتی ہیں؟

فساد اور بگاڑ کے اسباب کا پتہ لگائے بغیر صرف قیادتوں کو بدل دینے سے کام نہیں چلے گا۔ پوری تنظیمی تاریخ میں کیا قیادتوں کے بدلنے کا کبھی کوئی مثبت نتیجہ برآمد ہوا؟ کم از کم ۱۹۸۰ کے بعد سے کیا قیادت کی تبدیلی سے تنظیم میں ترقی آئی؟ جب تنظیم کے اندر استقرار آیا اور اسے سارے اسباب فراہم ہوئے کیا کبھی تنظیم قیادت بدلنے کے بعد راہ راست پر آئی؟ ۱۹۸۰ سے ۱۹۸۵ تک کئی ناظم آئے۔ کسی کے اندر تنظیم چلانے کے لیے دینی اور ادارہ جاتی کوالیفیکشن نہ تھی۔ ایک ایسے بھی کارگذار ناظم آئے جو کمروں پر نمبرات چپکانے کے سوا کچھ نہ کر سکے اور چند دنوں کے اندر حالت ایسی ہوگئی کہ پٹ جانے سے بچے اور اہل حدیث منزل چھوڑنے میں ان کے لئے عافیت رہی اور دوسروں کے لیے بھی۔ جس ہندوستان گیر تنظیم کی یہ حالت ہو کہ نادان اور نااہل بھی اپنے ناظم جمعیۃ ہونے کا ڈھول پیٹیں اور ایسے بھی ناظم بننے کا استحقاق رکھیں، اس تنظیم کے لیے کیا اس سے بھی زیادہ برے دن آسکتے ہیں۔ جس تنظیم کے لیے ایک ایسا امیر بھی چن لیا گیا تھا جو فارن میں جا کر ایک پاکستانی تاجر کے ہاں ملازمت کرتا تھا۔ ذرا اندازہ لگائیے کتنا حساس مسئلہ تھا۔ ملکی سیاست کے اعتبار سے بھی یہ نہایت خطرناک تھا کہ ہندوستان کی ایک عظیم جماعت کا امیر ایک پاکستانی تاجر کی نوکری کرے اور ان کے طرز فکر اور رویے کے اعتبار سے بھی یہ انتخاب نہایت خطرناک تھا

اور جماعتی غیرت کے اعتبار سے بھی یہ نا قابل برداشت تھا۔لیکن ہرطرف ہو ہا مچی ہوئی تھی۔بتایا یہی گیا تھا کہ وہ نوکری چھوڑ کر ہندوستان آرہے ہیں لیکن جب امیر چن لئے گئے پتہ چلا نہیں وہ نوکری نہیں چھوڑ سکتے۔بذات خود میں نے جناب سے عرض کیا کیا ارادے ہیں؟ امارت کیسے چلے گی۔بڑے تمسخر آمیز انداز میں جواب ملا جیسے بنارس سے چلتی تھی۔ جیسے ممبئی سے چلتی تھی اسی طرح ریاض سے چلے گی؟ عرض کیا گیا ایسے نہیں چلے گی اگر امارت چلانی ہے تو کشتی جلا کے آیئے نیمے دروں نیمے بروں کا کھیل نہیں چلے گا۔اس پر خاموشی۔ بے حسی اور ذہنی غلامی کا عجب حال ہے۔یہ خطرناکی جماعت اور جمعیۃ کے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئی یا آئی مگر خاموشی اور بے غیرتی کا مظاہرہ۔ایسے پرخطر مواقع پر مشہور مقولہ (جمعیۃ جائے چولہے بھاڑ میں ہمیں اس سے کیا غرض) تقریباً چھوٹے بڑے کی زبان پر قولا یا عملاً ہوتا ہے۔ایسے مواقع پر موقف اختیار کرنا کسی کے بس کا جیسے نہیں رہ گیا۔اگر کوئی اس ذہنی غلامی اور بے حسی کے ماحول کے برخلاف کچھ کہے تو دور کے تماشائی شکوک شبہات پھیلانے والے اور سڑک چھاپ باتیں کرنے والے مفادات کے غلام یا سوبرمنش بننے کے شوقین برائی کی چیز دریافت کرنے کے بجائے ناروا باتیں کر کے ماحول کو آلودہ کر دیتے ہیں۔خطرناکیاں ہدایت بن جاتی ہیں۔عقل کا اندھا پن لوگوں کو ادراک سے محروم کر دیتا ہے۔انھیں امیر صاحب کے ساتھ ان کے ایک گرویدہ مرید ایک سوڈانی اہل حدیث کی ٹیکسی پر سوار ہوئے۔تعارف ہوا بات آگے بڑھی اسے بتایا گیا جناب ہندوستان کی جمعیۃ اہل حدیث کے امیر ہیں۔یہ سن کر اسے غیرت آئی حیرت واستعجاب سے کہا (امیـــــــر الجماعة وشغال فی السعودیة) غور کا مقام ہے ایک انتہائی حساس نقطہ جو تنظیم کی شوری اور عاملہ کے حیطہ ادراک سے باہر تھا۔باہر کا اپنا ایک بھائی مزدور طبقے کا سکنڈوں میں سمجھ گیا اور ہماری بے حسی پر حیرت کناں تھا۔اوپر سے نیچے تک تنظیم میں یہی تماشے ہوتے رہے۔اور تنظیم کھیل بنی رہی۔اس تمہید کے بعد آیئے پتہ لگائیں تنظیم اور جماعت میں وہ خلل علتیں خرابیاں اور نقائص کیا ہیں جن کے سبب تنظیم معطل ہو جاتی ہے اور بدعنوانیوں کی آماجگاہ بن جاتی ہے۔

☆ ناقص دستور

تنظیم کا دستور انتہائی ناقص ہے اور اس ناقص دستور کی بھی ان دیکھی ہوتی ہے۔ دستور ہی تنظیم کا دائرہ کار، رجال کار اور طریقہ کار طے کرتا ہے اور یہی تنظیم کی تشکیل کرتا ہے اور تنظیم کی شکل بناتا ہے۔اغراض ومقاصد اسی سے طے ہوتے ہیں اور فیصلے کرنے کا طریقہ یہی طے کرتا ہے اور فیصلوں پر عمل کرنے کا طریقہ بتلاتا ہے اور کارکنان کی ذمہ داریاں اور حقوق بھی اسی سے متعین ہوتے ہیں۔اور قیادت کی ذمہ داریاں اور اختیارات اسی سے طے پاتے ہیں۔

- دستور میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ دستور کہتا ہے کہ رکن سازی ہو لیکن اس کی تعین نہیں کون کرے۔کن ہاتھوں میں رکن سازی کا کام جائے۔کون اس عمل کی توثیق کرے اور کہاں ان دستاویز کو رکھا جائے۔

اور عملاً ہوتا یہ ہے کہ موجودہ پوزیشن اپوزیشن کے ماحول میں رکن سازی کی رسیدیں تنظیم کے ذمہ داروں کے حامیوں کے ہاتھوں میں جاتی ہیں۔پھر یہیں سے گندی سیاست شروع ہوتی ہے اور ان لوگوں کو ہی رکن بنانے کی کوشش کی جاتی ہے جو ذمہ داروں کے ہمنوا ہوں۔پھر لامتناہی بے ایمانی لکا چھپی جبر ودھاندلی اور خیانت کا دور شروع ہوتا ہے۔حمایتی تیار کئے جاتے ہیں۔رکنیت کے لئے دستور کے مطلوب شرائط کو مکمل طور پر نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔اس طرح اچھا برا نیک وبد ہرا ایرا غیرا رکن جمعیۃ بن جاتا ہے۔بلکہ چھچھورے قسم کے لوگ جمعیت وجماعت کے مفہوم سے عاری سب سے پہلے رکنیت حاصل کرنے کی کوشش کرت ہیں۔ہمارے سامنے ان گنت مثالیں ہیں اور بہت سی جگہوں پر سرے سے رکنیت کے فارم نہیں پر ہوتے۔پسند کے آدمیوں کی فہرست بنالی جاتی ہے اور مقامی انتخاب بھی کر لیا جاتا ہے۔بہت سی جگہوں پر ہمیں خود پتہ ہے انکار حدیث کا اعلان کرنے والے، مسلک کو گالی دینے والے، جماعت کا مذاق اڑانے والے، جمعیۃ کا رکن بنا لئے گئے اور بعد میں انھیں مقامی سطح سے لے کر صوبائی اور صوبائی سے لے کر مرکز کی سطح تک جمعیۃ میں پہنچا دیا گیا ایسی بہت سی مثالیں میرے سامنے ہیں۔

جمعیۃ کی ممبر سازی کے پہلے مرحلے میں ساری بدعنوانیاں ہو جاتی ہیں اور دستور کی بالکل ان دیکھی ہوتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے ممبر سازی کا کوئی ریکارڈ نہیں رہتا ہے۔ مقامی جمعیتوں کے پاس بھی نہیں رہتا ہے نہ مرکز کے پاس اور مرکز کے پاس جو ریکارڈ آتا بھی ہے وہ ڈمپ ہو جاتا ہے اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا ہے۔ اور رکنیت فیس کہاں جاتی ہے اس کا بھی نہیں پتہ ہوتا ہے۔ جب کہ تنظیم یا سوسائٹی کے قانون کے مطابق یہی رکنیت فیس جمع کرنے والے تنظیم کے بونا فائیڈ ممبر ہوتے ہیں اور سوسائٹی لا کے مطابق یہی رجسٹرڈ ممبر اور فیس ادا کرنے والے ہی کسی تنظیم کے وجود اور عدم کی دلیل ہوتے ہیں اور اساس بھی۔ اگر اس ناحیئے سے دیکھیں تو اکثر مقامی ضلعی و ریاستی جمعیتیں اور مرکزی جمعیۃ دستوراً اور شرعاً کالعدم ہیں۔

- ممبر سازی کی مہم موقت ہوتی ہے۔ صرف ایک میقات یعنی پانچ سالوں کے لئے سیاسی پارٹیوں کی طرح دینی تنظیم کے اراکین بھی ایک میقات کے لیے متعین ہوں اس کا کیا جواز ہے؟ اور کیا افادیت ہے؟ اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ پانچ سالوں تک جو لوگ رکن رہے ان کو بدلنے کی ضرورت پڑ گئی۔ وہ از کار رفتہ اور بیکار ہو گئے۔ لیکن عملاً یہ ہوتا ہے کہ اراکین کو کام کا تجربہ ہوتا ہے۔ ان کی صلاحیت بڑھتی ہے۔ ان کو کام کا سلیقہ آ جاتا ہے۔ ان کا تنظیم سے لگاؤ بڑھتا ہے۔ لیکن چونکہ جمعیۃ میں اراکین صرف وقتی ہوتے ہیں۔ محض ایک مرتبہ ووٹ دینے کے لیے۔ اور خود انھیں اس کا سرے سے نہ کوئی شعور ہوتا ہے نہ ذمہ داری کہ وہ تنظیم کے رکن ہیں اس لئے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ پانچ سال بعد وہ رکنیت سے محروم کر دیئے جائیں۔ اراکین ہی کسی تنظیم کی طاقت ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں صورت حال بالکل الٹ ہے وہ عضو معطل ہوتے ہیں ان کے لئے سرے سے تنظیم میں کوئی کام ہی نہیں نہ ذمہ داری نہ پیغام نہ مشن۔

سب کو معلوم ہے کہ اوپر سے نیچے تک کیا ہوتا ہے؟ خرید فروخت بدعنوانی، علاقائی تعصب، ذات برادری کے تعصّبات، منصب کے لئے لڑائی، جھوٹی تشہیر، کردار کشی، سازش اور گروپ بندی۔ یہ انتخاب جو دستور نے ہمیں دیا ہے اس نے مسلکی امتیاز، اجتماعی احساس، امتیاز حق و باطل اور صلاحیت صالحیت کو تباہ کر دیا ہے۔ اس نے احساس و شعور کو دفن کر دیا

ہے۔ سیاسی الیکشن کے جتنے حرام حربے ہوتے ہیں تنظیمی انتخاب میں انھیں کلی طور پر حق و صداقت کے دعوی دار طائفہ منصورہ کا حقدار بننے والے اپنا لیتے ہیں۔ اس انتخاب نے جس طرح کا تنظیمی ہیکل اور فریم ورک بنا دیا ہے اس کے دائرے میں ساری بے ایمانیاں لڑائیاں اور خیانتیں جائز کر لی جاتی ہیں اور جماعت کے جتنے اخلاق و کردار نہ آشنا شرافت و مروت عظمت اور بڑکپن کے دشمن ہوتے ہیں سب سے پہلے الیکشنی سرگرمیوں میں حصہ دار بن کر گھس پیٹھ کر کے در آتے ہیں۔ میری نگاہوں کے سامنے مختلف ریاستوں کے ایسے بہت سے چہرے ہیں جو تنظیم کے لئے کھلونا نما کلیدی عہدہ دار ہیں مگر ان کی پرسنالٹی چغلی کھاتی ہے کہ بازاری اخلاق و عادات اور فکر سوچ کے حامل ہیں اور علم و ثقافت کے اعتبار سے چوتھے طبقے میں بھی شمار ہونے کے لائق نہیں ہیں۔ ان کے چہرے پر نظر جائے تو نحوست ٹپکتی ہوئی۔ زبان کھلے تو گنوارپن اپنی تمام بدبوؤں کے ساتھ باہر آتی ہوئی، روزمرہ زندگی میں بازاری تصرفات اور سب و شتم کے عادی۔

یہ ساری خرابیاں اوپر سے نیچے تک جاری رہتی ہیں۔ بلکہ جس قدر انتخاب اوپر جاتا ہے بدعنوانی بڑھتی جاتی ہے۔ ہمارے سامنے بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ اور ضلعی انتخاب میں بعض اضلاع بہار میں ہماری تنظیم نے سیاسی پارٹیوں کو مات کر دیا اور صوبائی انتخاب ممبئی عظمی میں ہنگامہ خیزی اور سودا بازی۔ مغربی یوپی میں سو فیصد من چاہا صوبائی انتخاب اور پھر مرکز کا ڈرامائی اور متفقہ انتخاب جس کو غنڈہ گردی کہنا زیادہ مناسب ہے۔ یہ مثالیں ایسی ہیں جو سیاسی پارٹیوں کو بھی شرمائیں۔ انتخاب میں تنظیم کے اندر انسانیت کو بھی خیر باد کہہ دیا جاتا ہے۔ دین کو تو جانے دیں اس کا یہاں ذکر ہی بے جا ہے اور اکثریت دکھلانے اور جمعیۃ کے عہدوں کو حاصل کرنے کے لیے ووٹ دینے والے ممبران کو بعض اضلاع میں گھروں میں بند کر کے رکھا گیا اور انتخاب کے دن ان کا مارچ کرایا گیا۔ مشکل سے کہیں بھی مقامی سطح سے لے کر صوبائی اور مرکزی سطح تک ذمہ داری امانت اور نظم و ضبط کا پاس لحاظ رکھا جاتا ہے۔

اس انتخاب نے شورائیت کو سازش میں بدل دیا اور اسلام میں لیڈرشپ کے ایلیٹ

گروپ ارباب حل وعقد کو جن کو شرعی حیثیت ہوتی ہے رفض کر دیا اور دینی معیار بندی امتیاز حق وباطل نیک وبد کا فرق ختم کر دیا۔ اس انتخاب کا حاصل یہ ہے کہ اکثر برے اور ناپسندیدہ لوگ تنظیمی اجتماعی اسٹیج پر موجود اور بار بار ایک ہی چہرے عہدوں پر براجمان نظر آئے ہوتے۔

اس انتخاب نے تنظیم کو فساد وفجور خیانت وبدعملی اور تعطل دیا ہے۔ اگر کبھی ارکان اور ذمہ داروں کی تربیت کا انتظام کیا جاتا تب بھی امید ہوتی کہ سدھار آئے گا کام ہوگا اور اہل حدیثوں کے مسائل حل ہوں گے لیکن اکثر یہی دیکھا گیا ہے نیچے سے اوپر تک سڑے نظام کا حصہ بن کر سارے ارکان وذمہ داران جمعیۃ شہادت زور اور تعاون علی الاثم میں لگ جاتے ہیں یا تعطل کی چادر اوڑھ کر افراد اور جماعت کے لیے فتنہ بن جاتے ہیں۔

الیکشن نے تنظیم کو نیچے سے اوپر تک فتنوں کی آماجگاہ بنایا ہے۔ انتخاب کی خرابیاں اس سطح پر آگئی ہیں کہ اس میں ملوث ہر عام خاص یکساں نظر آتا ہے اور شریف النفس عام لوگ اس سے گھن کرتے ہیں اور افسوسناک بات یہ ہے کہ جماعت کے اعیان بھی اس انتخاب کی ہولناکی کو محسوس نہیں کرتے۔ نہ اس خبیث اور الحادی عمل سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے اس الحادی عمل کا لوگ انتظار کرتے ہیں یا اس کا انتظار کروایا جاتا ہے کہ گناہ بے لذت کے ارتکاب کا شوق پورا کیا جائے۔

اس انتخابی عمل کا سیاہ ترین پہلو یہ ہے کہ مکروہ دستور نے تنظیم کی تشکیل میں افراد جماعت کے ہاتھ کو باندھ دیا ہے انھیں تنظیم نو کے وقت لامحالہ طور پر ساری حرام کاریوں اور گناہ بے لذت کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔ یہ وہی اہل حدیث ہیں کہ ایک ایک سنت کے لیے خواہ کتنی چھوٹی ہو مر مٹے اور برصغیر میں سو سالوں سے زیادہ مدت سے اس کے لیے جنگ جاری ہے اور دوسری طرف تضاد یہ ہے کہ تنظیم کے نام پر انتخاب کے حوالے سے کوئی ایسی اخلاقی برائی اور سماجی گناہ کبیرہ نہیں بچتا ہے جس کا دھڑلے سے ارتکاب نہ ہوا ور مسلسل اس کا ارتکاب ہوتا رہتا ہے اوپر ان برائیوں کی تفصیل دی گئی اس پر نظر ڈال لی جائے اور لوگوں سے گذارش ہے کہ خود رکنیت سازی اور مقامی سطح سے لے کر مرکز کی سطح تک انتخاب کی فتنہ انگیزیوں کو یاد کریں اور حیرت کریں کہ ہماری زندگی کس تضاد کا شکار ہے۔

یعنی حق کے لیے غیروں سے چھوٹی چھوٹی سنتوں پر مسلسل لڑائی اور باہم وہمی مناصب اور عہدوں کے لیے ساری اخلاقی اور اجتماعی حرام کاریاں جائز۔

جس دستور میں اتنا کھوٹ ہو اور پھر اس کے اندر موجود اچھے نقطوں کی مکمل ان دیکھی ہو اور اس سے پوری جماعت کو تاریکیوں میں ڈوب جانے کے لیے شہ ملے اور حرص ولالچ علاقائی وذات برادری کی بدبودار چھوت اور مفاد پرستی کو اساس تنظیم بنالیا جائے ایسے دستور اور اس کی پیدا کردہ ایسی حالت کو کیا کہیں۔ کیا ایسی حالت میں قلوب واذہان میں خیر کا شعور پیدا ہوسکتا ہے؟ اخلاص ذمہ داری اور قربانی کا جذبہ پیدا ہوسکتا ہے؟ کیا تاریکیوں کے سوا روشنی جماعت کا مقدر بن سکتی ہے؟ نتیجہ ہے اس فاسقانہ اور ملحدانہ سیاسی انتخابی عمل کا کہ ہر میقات پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہی ہمیں ملتی ہے نحوست ہر کام پر طاری ہوتی ہے۔ بے عملی وبے برکتی ہر طرف چھا جاتی ہے۔ دلوں میں شکوک پیدا ہوتے ہیں بے اعتباری بڑھتی ہے۔

کم از کم ۱۹۸۵ء سے مسلسل اس بے گناہ لذت کا احباب جماعت کو مزہ چکھایا جاتا ہے اور پورے ملک کے علماء فقہاء مصلحین اور مفکرین کی بھی اس کی طرف توجہ نہیں جاتی کہ اس کی اصلاح ہو۔ تنظیمی سطح پر ایسا لگتا ہے لوگ بالکل بے حسی کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ جب کہیں سے اصلاح دستور کی بات اٹھتی ہے تو جن لوگوں کو اس سے تحفظ ملتا ہے کہ اپنے عہدوں پر بنے رہیں اصلاح کی مخالفت کرتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے ان کی سمجھ میں یہ بات آتی نہیں ہے کہ اس انتخاب کا کوئی بدل ہوسکتا ہے یا انکو نظر ہی نہیں آتا کہ اس انتخاب ہی کو شورائیت کا رنگ دیا جاسکتا ہے اور تمام حرام کاریوں سے اس انتخابی عمل کو بچایا جاسکتا ہے۔

- اس دستور کی ایک بڑی کمی یہ ہے کہ اس میں ریاستی جمعیت کی تشکیل کے متعلق ابہام ہی ابہام ہے اور ایسے لوپ ہول ہیں کہ غیر ذمہ دار اور تنظیمی امور کی اجتماعی حساسیت سے عاری لوگ وقتی طور پر ہوس اقتدار کی تسلی کے لیے ان کا استحصال کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں اس کی مثالیں موجود ہیں۔

- اس دستور میں اقتدار کی ثنویت اوپر سے نیچے تک موجود ہے۔ امیر ناظم دو دو منصب۔ امیر تنظیم بے اختیار، اختیارات ناظم کے پاس اور اس بے اختیار امیر کے تقدس اور

امیر المومنین کے چرچے اور بزعم خویش عالم فاضل اس فاسقانہ نظام کو مقدس بنانے کے درپے۔ والعیاذ باللہ۔ عموماً دونوں کے درمیان تصادم۔ امیر امارت کے زعم میں۔ اور ناظم کو اختیارات۔ امیر اور ناظم کے درمیان ذہنی تصادم بھی رہتا ہے اور واقعی تصادم بھی۔ اگر امیر مضبوط ہوتا ہے تو سارا اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اگر ناظم مضبوط ہوتا ہے تو اپنے اختیار استعمال کرتا ہے۔ مرکز سے نیچے تک دونوں کے درمیان ذہنی یا عملی کشمکش جاری رہتا ہے۔ اکثر یہ جھگڑے دیکھنے میں آتے ہیں اور زمانے سے دیکھتے میں آتے ہیں۔ ناظم اور امیر کے درمیان یہ مستقل تصادم بھی بہت بڑی وجہ ہے کہ کبھی جمعیۃ اس پوزیشن میں نہیں رہی کہ کچھ کر سکے کچھ سوچ سکے کچھ منصوبہ بنا سکے۔ مرکز میں ہمیشہ صدر، امیر اور ناظم کے درمیان تصادم رہا۔ کبھی صدر کی بالا دستی کبھی ناظم کی اور تال میل کا فقدان۔ اسی تال میل کے فقدان کے سبب دو امیر مستعفی ہوئے۔ مولانا صفی الرحمٰن کے استعفی کے بعد حافظ یحییٰ صاحب امیر ناگزیر بنے۔ جب جوان تھے اور جوانی و دولت کا جوش و خروش تھا تو بے اختیار نائب صدر ہو کر بھی ناظم جمعیۃ سے چائے منگواتے تھے۔ یہ رعونت جمعیۃ کو رسوا کرنے والی تھی اور جب تک خون کی حدت اور گرمی میں کمی نہیں آئی اور خون کی گردش میں تیزی تھی انہوں نے تنظیم کو یرغمال بنا کر رکھا تھا اور اب جبکہ عضو معطل بن گئے ہیں ناظم ان کے اوپر سوار ہے وہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ ان کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ منصب کی ہوس پوری ہو رہی ہے قیادت اور منصب کا یہ جھگڑا اور رگڑا اکثر اوقات تنظیم کو زیرو بناتا رہا۔ خلجی صاحب کا آخری دور اسی جھگڑے اور رگڑے کی نذر ہو گیا اور وہ زیرو بنا دیئے گئے اور موجودہ ناظم کی اباحیت پسندی اور ڈھٹائی نے تنظیم کو تہس نہس کر دیا۔

قیادت کے اس تصادم کو اگر دیکھنا ہو تو سارے صوبوں کی تاریخ پڑھ لیں شدید سے شدید تر قیادت کے جھگڑے رہے ہیں۔ ہر صوبے میں یہ جھگڑا بپا رہا اور شدید جھگڑا بپا رہا۔ جو عقل و خرد سے عاری بیچارے قیادت کو خلافت کے درجے میں رکھتے ہیں۔ اپنی رائے کے مطابق قیادت کے جھگڑے میں کس کو قتل کریں گے ظاہر ہے دو خلیفہ بیک وقت نہیں ہو سکتے اگر ایسے پاگلوں کی رائے مان لی جائے تو مرکز اور ریاست کے سارے امراء و نظما قتل کے

مستحق ٹھہریں گے اور ان کی رائے کے مطابق ایسی قیادت کو نہ ماننے والے بھی قابل گردن زدنی قرار پائیں گے۔ یہ سارے ایسی رائے والے تو ISIS سے زیادہ خطرناک ثابت ہوں گے۔ کیرالا سے کشمیر تک اور کنیا کماری سے آسام تک ہر اسٹیٹ میں قیادت کا جھگڑا امیر صدر اور ناظم کے درمیان ہمیشہ قائم رہا۔ اس تصادم نے تنظیم جماعت کو تہس نہس کر دیا۔ اور اباحیت پسندوں خارجیت پسندوں اور پاگلوں کے مطابق تنظیم کی قیادت اگر خلافت کا درجہ رکھتی ہے اور قیادت کے درمیان تصادم ہے تو اس میں الجھنے والے سب قابل گردن زدنی قرار پائیں گے۔

- دستور میں مشورہ عمل منصوبے اور تنفیذ کے استشاری عملی اور تنفیذی تین درجے ہیں۔ اور تینوں کے درمیان تال میل نہیں ہوتا۔ استشاری جمبو جٹ سائز ہے۔ ورکنگ کمیٹی استشاری کمیٹی سے آٹھ گنا چھوٹی اور تنفیذی ادارہ ورکنگ کمیٹی سے ۴ گنا کم۔ ان تین تین کمیٹیوں کا حاصل؟ کچھ نہیں۔ شوری لمبی چوڑی۔ ہر ریاست سے یکساں شوری کے ممبران۔ دس دس ممبران ہر اسٹیٹ سے اور دس ممبران گذشتہ میقات سے اور دس حالیہ میقات سے امیر کی طرف سے۔ مگر اس کا اختیار ناظم لے لیتا ہے اور انھیں مہرے کے طور پر اپنے جتھے کا آدمی سمجھ کر متعین کرتا ہے اور استعمال کرتا ہے۔

اب دیکھئے کمیاں کہاں سے آتی ہیں۔ اگر تنظیم ووٹ اور انتخاب کی بنیاد پر ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ ہر ریاست سے یکساں ممبران شوری کیوں۔ اگر سر گننے کو ہی تنظیم کی بنیاد ٹھہرایا گیا ہے تو بنگال کے ۸۰/لاکھ سے زیادہ والی اہل حدیث آبادی والی ریاست سے دس اور پنجاب کے ۶/سو سے بھی کم والی اہل حدیث آبادی والی ریاست سے ۱۰ کیا یہ دستور کا تضاد نہیں ہے۔

جب ووٹ کی اساس پر تشکیل تنظیم ہے تو جمعیۃ کی لوک سبھا کے ساتھ راجیہ سبھا کو کیسے ملایا جاتا ہے؟ کیسے یہ جواز نکلتا ہے گذشتہ میقات کی شوری سے ۱۰/اور حالیہ میقات سے دس یعنی کل بیس ممبران شوری کو امیر کا ہینڈ پک بنانے اور ان کے چننے کا اختیار امیر جماعت کو کیوں ملے؟ انتخابی اساس سے اس کا ٹکراؤ ہے۔ دوسرا ٹکراؤ یہ ہے کہ جب دستور کے مطابق

جمعیۃ کا امیر علامتی امیر ہے بے اختیار۔تنفیذی پاور کل ناظم کے اختیار میں ہے پھر اسے کیوں بیس ممبران شوری کو چننے یا پک اپ کرنے کا اختیار ملے۔

- شوری کے ممبران کو چک کیا جائے؟ شوری کے ممبران کیسے چنے جاتے ہیں؟اس کا کیا طریقہ ہے؟اس کا جواب ہے کوئی طریقہ نہیں۔ یہ ریاستی جمعیۃ کے اختیار میں ہوتا ہے اور یہ اختیار امیر دبنگ ہوتو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور ناظم دبنگ ہوتو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اوران کے انتخاب میں بڑی سیاست بازی ہوتی ہے اور جن کے پاس ادارے ہیں اور انھیں تنظیم کے اثر ورسوخ کا یقین ہے۔وہ خاص کر زور لگاتے ہیں کہ شوری میں ان کی انٹری ہوجائے۔ بہرحال شوری کی تشکیل میں بہت کچھ غیر دستوری تصرفات ہوتے ہیں۔ میرے پاس اس کی مثالیں ہیں نام دے کر حساسیت بڑھانا مناسب نہیں ہے۔من مانی شوری کی تشکیل ہوجاتی ہے۔اگر اوپر کے نکات کو دیکھا جائے اور انھیں دھیان میں رکھا جائے تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ شوری کی تشکیل میں دستوری تضاد ہے دستور کی ان دیکھی ہوتی ہے اور شوری کے ممبران کے انتخاب کا کوئی خاص طریقہ نہیں ہے چلئے ایسے تیسے شوری کی تشکیل ہوگئی۔اب شوری کے ممبران کو دیکھا جائے۔دراصل شوری میں اصحاب حل وعقد کو آنا چاہیے اور اصحاب حل وعقد ہی جماعتی مسائل کو سمجھ سکتے ہیں۔ شوری ہی فیصلہ کرنے اور رائے بنانے کی اعلی اتھارٹی ہوتی ہے۔شوری ہی منصوبہ بندی کرسکتی ہے۔ پروگرام اور پالیسی بنا سکتی ہے اور تمام مشکلات ومسائل کو حل کرسکتی ہے۔مگر عملا دیکھا جائے تو شوری تنظیم میں کھلونا ہے ممبران پر نظر ڈالیں تو اکثریت اہل حل وعقد کے زمرے میں نہیں آتی۔کم ازکم کسی بھی شوری کے ممبر کے لیے جو ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اپنے دماغ سے سوچے اور اپنے دل کی بات کرے۔لیکن افسوس شوری کے ممبران میں ۹۵ رفیصد لوگ نہ صاحب دل ہوتے ہیں نہ صاحب دماغ ہوتے ہیں وہ خالی دل دماغ کے ساتھ آتے ہیں اور تماشا دیکھ کر چلے جاتے ہیں۔اکثر لوگوں کو اگر ایجنڈ امل جائے تو انھیں اس سے کوئی مطلب نہیں ہوتا وہ نہ مسائل جمعیۃ جانتے ہیں نہ جمعیۃ ہی کی اہمیت سمجھتے ہیں۔نہ شورائیت کا انھیں پتہ ہوتا ہے۔ نہ وہ اپنی ذمہ داریاں جانتے ہیں۔ نہ انھیں اس کی خبر دی جاتی ہے۔شوری کو ہمیشہ

بدعنوانیوں کی پردہ داری کے لیے استعمال کیا گیا اور اب قرارداد مذمت پاس کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔اس طرح اس کی آنکھ میں دھول جھونکا جاتا ہے۔

شوری کا انعقاد کم سے کم سال میں دوبار ہونا چاہیے لیکن چونکہ اس شرعی ادارے کو دستور نے کھیل بنا دیا اور تنظیمی قیادت بھی اسے کھیل اور صفر بنا دیتی ہے۔اس لیے عملا شوری کالعدم ہے۔شوری کے ممبران کو اگر شوری کا انعقاد وقت پر ہوبھی تو منعقد شوری کی میٹنگ سے قبل والے اجتماع شوری کے متعلق کچھ خبر نہیں ہوتی ہے نہ ان کے پاس اس کی رپورٹ ہوتی ہے۔ نہ فیصلے نہ ایجنڈے۔ان کی حالت ایسی ہوتی جیسے کسی پھسڈی بچے کو اپنا سبق یاد نہ ہو۔

اتنی بڑی جماعت کی تنظیم کے بے شمار مسائل ہوسکتے ہیں ان کو نمٹانے کے لیے قاعدہ قانون بنانے، پروگرام اور پالیسی بنانے اور فیصلے لینے میں کئی کئی دن لگ سکتے ہیں۔لیکن چونکہ تنظیم قیادتوں کی جیبی سائز چیز بن جاتی ہے اس لئے شوری کے انعقاد کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اور قیادت اس کا انعقاد کرتی ہے تو تکرار والے چند ایجنڈے ہوتے ہیں۔دس گیارہ بجے میٹنگ شروع ہوتی ہے۔ ناظم کی لایعنی مجنونانہ زبردستی کی لمبی رپورٹ ہوتی ہے جیسے چوہے ماردوا کا اشتہار،اور ماہر اشتہار کار اسے اپنے پھیپھڑے اور حلق کے زور سے سب پر چھا جائے۔ یا جیسے کوئی ماہر مداری اپنا تماشا دکھائے اور لوگوں کی دلچسپی کا سامان مہیا کرے ۔دس بجے سے ایک بجے تک فریب کن رپورٹ ختم نہیں ہوتی کہ اذان اور صلاۃ کا وقفہ آجاتا ہے۔دو گھنٹے اس میں صرف ہوجاتے ہیں اور پھر ہیوی مرغن بریانی کی شاندار ضیافت ہوتی ہے۔تین ساڑھے تین بجے پھر میٹنگ ہال میں واپسی ہوتی ہے۔کچھ اونگھ رہے ہوتے ہیں کچھ جمائی لے رہے ہوتے ہیں اور سب بوجھل طبیعت کے ساتھ بیٹھے ہوتے ہیں کون کیا کہہ رہا ہے کیا بک رہا ہوتا ہے کسی کو میٹنگ سے بہت کم لگاؤ ہوتا ہے۔کسی کو ٹرین پکڑنے کی جلدی ہوتی ہے کسی کو بس پکڑنے کی۔کسی کو ہوائی جہاز پکڑنے کی۔ مطالبہ ہوتا ہے جلدی میٹنگ ختم کرواور یوں ناظم کے زیر دام آئی چڑیاں پھر سے اڑ جاتی ہیں اور اسے اپنی من مانی کرنے کے لئے چھوڑ جاتی تھیں۔ دوسرے دن ایک عزیز جو (اصغراز جمعیت ، جمعیت از اصغر) کے فارمولے پر ایمان کامل رکھتے ہیں ایک اصغرنامہ یعنی جھوٹ نامہ اخباروں میں

چھپوادیتے ہیں ۔ یہ بیچارے ابوالفضل اور فیضی کا پارٹ بڑی خوبصورتی سے نبھاتے ہیں یہ
بالکل اندرا گاندھی کے سکریٹری آر کے دھون ہیں اور ایمرجنسی کے دور کے کانگریس صدر مسٹر
بروا ہیں جو اس وقت کہتے تھے (India is indra and Indra is India) اللہ
انھیں ہدایت دے ماشاءاللہ یہ ذات برادری اور علاقائیت کا پورا پورا تعصب رکھتے ہیں ۔
شخصیت پرستی میں ممتاز ہیں اور مفاد پرستی میں تو خداوندان مناصب کے سامنے ہر دم سجدہ ریز
رہتے ہیں اور تملق میں خودداری کی آمیزش کی مہارت کا دعوی بھی رکھتے ہیں ۔یہی جناب
شوری اور عاملہ کی کارروائی بھی لکھتے ہیں اور اس میں تحریف کرنے میں بڑی مہارت رکھتے
ہیں ۔یہی کارکردگی رپورٹ بھی تیار کرتے ہیں جو جمعیت کی قیادت کے لیے نجات نامہ ہوتا
ہے اور کارکردگی تیار کرنے میں بڑی فن کارانہ مہارت رکھتے ہیں اور اس کے لیے بے تابانہ
شوق بھی رکھتے ہیں ۔ ان کے بس میں ہو تو جمعیۃ کی کارکردگی میں سطروں کو بھی
گنوادیں اور اہل حدیث منزل اور اہل حدیث کمپلیکس میں اگر چڑیا بھی چھچا جائے اور کوا بھی
کائیں کائیں کردے تو اسے بھی کارکردگی کے ساتھ نتھی کردیں ۔ یہ تو ہوئی مجلس شوری کی
گت اور شوری میں کون ہے کون نہیں ہے سب راز پنہاں ہیں ۔ جو ہیں ان کو خارج کرنا
اور جو نہیں ہیں انھیں داخل کرنا اس وقت ایک دلچسپ مشغلہ ہے اور اب شوری کے ارکان
سے زیادہ بااختیار اور زیادہ تعداد میں مدعو خصوصی ہوتے ہیں ۔ جو عموما گٹکا چھاپ ہوتے ہیں
اور بڑے شوق سے شوری یا عاملہ میں دنگا کرنے آتے ہیں اور بریانی کی دعوت کھا کر جیب
خرچ اور کچھ گفٹ لے کر شوری وعاملہ میں شرکت کا اعزاز پا کر واپس جاتے ہیں ۔

رہ گئی عاملہ کی بات تو انھیں ہینڈل کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے تعداد کم ہوتی ہے پسند کے
لوگوں کو دعوت ملتی ہے اور ایجنڈا بھی ایسا جیسے دعوت کھانے اور قرارداد مذمت پاس کروانے
کے لئے اور کچھ گٹکا چھاپ بدبودار مدعوئین خصوصی آجاتے ہیں اور اصول وضابطے کا بیڑا
غرق کر کے اور بدعنوانی کو پروان چڑھا کر چلتے بنتے ہیں ۔ بدعنوانی اس طرح مستحکم ہے کہ
تنظیم میں صرف تاریکی ہی تاریکی رہ گئی ہے ۔ عاملہ کی تشکیل میں زیادہ چھوٹ رہتی ہے اس
لیے اس میں ربر اسٹامپ لوگوں کو رکھا جاتا ہے جن کے نہ ذہن کھلے ہوتے ہیں نہ سینے ۔

انھیں بھی صرف غٹرغوں کرنا آتا ہے ۔

تنفیذی ادارہ تو مرکز میں بیٹھی قیادت ہوئی، خلاصہ یہ کہ شوری عاملہ سب غیر دستوری
اور ارکان عموما نا سمجھ ۔ مسائل جمعیت سے بالکل بے خبر ۔ تنظیم کی شوری اور عاملہ کے ساتھ یہ
کھیل ہوتا ہے اور ان کی ضرورت اب فقط شہادت زور دینے اور قرارداد مذمت پاس کرنے
کے لیے رہ گئی ہے بس اسی لیے انھیں بلایا جاتا ہے ۔

- شوری عاملہ امیر/ ناظم سب کے اختیارات خلط ملط اور مبہم ہیں ۔ اسی طرح ریاستی
ضلعی اور مقامی جمعیتوں کی تشکیل اور ان کی کارکردگی سب مبہم ہے اور حسب ضرورت لوگ
اس کی تشریح اپنی من مانی کر لیتے ہیں ۔ دستور کی سب بڑی افادیت ہوتی ہے کہ ذمہ دارو
ں کی ذمہ داریاں اور کام کی حدیں متعین رہیں لیکن اس ناحیے سے دستور قطعا مبہم ہے ۔

- قیادت کی ذمہ داریوں اور اختیارات کی حد متعین ہے نہ ان کے احتساب کا کوئی
خانہ ہے نہ ان کی نااہلیوں پر ان کو معطل کرنے کی واضح تعلیم ہے ۔ اس کا ناجائز فائدہ اٹھا کر
بدعنوان جمعیت کو اپنی جائداد بنا بیٹھتے ہیں ۔

ایک بڑا مضحکہ دستور میں یہ ہے کہ آٹھ شعبوں کو دستور کا حصہ بنایا گیا ہے ۔ بہت سے
مقام پر دستور سازوں کی سمجھ پر افسوس ہوا لیکن یہ بالکل مضحکہ لگا کہ شعبوں کو دستور کا حصہ بنایا
جائے ۔ شعبوں کو دستور کا حصہ بنانے کا مطلب ہوا کہ ہم اس کے پابند ہیں کہ آٹھ شعبے قائم
کریں نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ ورنہ دستور کی مخالفت ہوگی اگر اس میں کم یا زیادہ کرنا
چاہیں تو دستور میں ترمیم کروائیں اور ترمیم کی پوری کارروائی پر عمل کریں اور دستور کے نفاذ
اور جمعیۃ کی تشکیل کے بعد فورا اس پر عمل کریں اور یہ شعبے صرف مرکز میں قائم ہوں ۔

یہ شعبے مقامی ضلعی ریاستی سے لے کر مرکز تک ہر سطح پر قائم ہوں اس کی تعین نہیں ۔ عام
شعور یہ کہتا ہے کہ شعبوں کو دستور کا حصہ نہیں بنایا جاتا بلکہ حسب ضرورت شوری شعبوں
کاموں اور پروگرام کی تفصیل طے کرتی ہے اور حسب ضرورت ان میں ترمیم واضافہ ہوتا
رہتا ہے ۔

- دستور کے مطابق ریاست سے لے کر مقامی سطح تک انتخاب کے موقع پر مشاہدین

کو بھیجا جاتا ہے یہ بھی ایک مضحکہ ہے اور سیاسی پارٹیوں کی نقل، دستور ہی کل سیکولر پارٹیوں کی نقل ہے۔ مشاہدین کے گھپلے بھی ہوتے ہیں۔

- دستور ایک دینی تنظیم کے خدوخال طے کرنے میں بالکل فیل ہے اور انتخاب کو اس کا حصہ بنا کر اس نے تنظیم کو فتنوں کی آماجگاہ بنا دیا۔

اس دستور کو نہ دینی دستور کہا جاسکتا ہے نہ سیکولر چوں چوں کا مربہ ہے اور اس کی زبان بھی دستوری نہیں ہے۔ یہ بدعنوانوں کے لیے بہت بڑا سہارا ہے اور کرسی پر جمے رہنے کے لیے سب سے بڑی طاقت۔

دستور کی اہمیت اور ضرورت اور جماعت کے حسب حال دینی خدوخال والے دستور کا احساس شاذونادر لوگوں کو ہے۔ ہماری جماعت کے بہت کم لوگوں کو اس کی اہمیت اور اس کی حساسیت کا پتہ ہے۔ دستور بنایا جاتا ہے اور تشکیل تنظیم کے وقت حلف لیا جاتا ہے کہ اس کی پابندی کی جائے گی۔ حلف لے کر انسان ایک دستور کو اپنے اوپر لاگو کر لیتا ہے۔ اس طرح کرنے کے بعد اس کے اوپر لازم ہوجاتا ہے کہ اس کی پابندی کرنے دستور کسی بھی مہذب شائستہ اور اجتماعی شعور رکھنے والے گروپ سوسائٹی اور تنظیم کا اجتماعی جدوجہد کے لیے ایک رہنما دستاویز ہوتا ہے۔ اگر کسی بڑی تنظیم کا خاص کر کوئی دستور نہ ہو تو اس کی اجتماعیت، تہذیب، اجتماعی زندگی منظّم عمل اور اجتماعی جدوجہد کا کوئی عملی خاکہ بننا بہت مشکل ہوگا۔

ہم نے اپنے چوٹی کے علماء سے یہ کہتے سنا ہے کہ دستور کہیں قرآن وحدیث ہے۔ یہ ڈائیلاگ اس وقت خاص کر بولے جاتے ہیں جب دستور کی خلاف ورزی کا ارادہ ہوتا ہے۔ بے شک دستور قرآن وحدیث کے نصوص نہیں ہیں یہ کہنا بجا ہے لیکن انھیں کی تعلیمات کے مطابق اور ان کے ہم آہنگ ایک عملی وقانونی دستاویز دستور کے نام پر تیار کیا جاتا ہے تاکہ اجتماعی جدوجہد منظّم ڈھنگ سے کی جاسکے۔ کاموں میں تکرار ٹکراؤ اور انتشار نہ رہ جائے اور قرآن وسنت کے مطابق زندگی کو خوش اسلوبی اور منظّم ڈھنگ سے ڈھالا جاسکے۔

جس دستور میں اتنی خرابیاں ہوں کہ اس پر عمل کر کے بھی اور نہ عمل کر کے بھی ساری خرابیاں جمع کر لی جائیں اور اس سے دینی تنظیم کا تصور ہی ختم ہوجائے وہ دینی تنظیم کے لیے

موثر نہیں ہوسکتا مخرب ہوسکتا ہے۔ اس کے اندر اتنا امکان ہے کہ سارے رطب ویابس جمع کر لیے جائیں۔ اتنا اس کی سرسری خرابیاں بیان ہوئی ہیں۔ اگر ان کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیں تو اس کے اکثر بنود مسترد ٹھہریں گے۔ اس دستور میں سیاسی سیکولر پارٹیوں کی نقالی کی گئی ہے۔ اس میں کم از کم ۱۴ بنیادی کمیاں ہیں جن کے سبب وہ دینی تنظیم کی تشکیل اور اجتماعی جدوجہد کے لیے ایک معقول فریم اور دائرہ عمل دے ہی نہیں سکتا ہے۔ یہ قیادت کو بگاڑ سکتا ہے اور ان کے مفادات کا رکھوالا بن سکتا ہے اور جب سے یہ دستور بنا ہے جمعیت میں صرف فساد بے شعوری مفاد پرستی اور بدعنوانی آئی ہے۔

☆ تنظیم کے متعلق لوگوں کے تصورات

تنظیم کس قدر اہم ہے اور اس کی کتنی ضرورت ہے؟ اس کا واضح تصور احباب جماعت کے اندر نہیں ہے۔ قیادت کی نالائقی اور بدعنوانی کے سبب ہماری جماعت کا اعلیٰ طبقہ بھی یہ کہتا نظر آتا ہے کہ تنظیم سے کچھ نہیں ہوسکتا ہے۔ لوگوں نے انفرادی کام کیا ہے۔ ہماری جماعت اجتماعی جدوجہد کا اہل نہیں ہے اس لیے انفرادی کاموں پر توجہ دینی چاہیے۔

کچھ نادان ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں تنظیم قائم کرنا بدعت ہے۔ اسلاف نے ایسا نہیں کیا ہے ایسی ذہنیت خارجیت کی ذہنیت ہے جو بالکل مسترد ہے اور ایسے لوگ نادان ہیں انھیں سرے سے اسلام کی اجتماعی جدوجہد کے بارے میں پتہ ہی نہیں ہے۔

اور ایسے نادان بھی ہیں جو تنظیم کو طائفہ منصورہ کے درجے میں رکھتے ہیں اور اسے خلافت کا منصب دیتے ہیں اور قیادت کو خلیفہ کا درجہ دیتے ہیں اور ایسا سادہ لوح کم عقل یاوہ لوگ کہتے ہیں جو جماعت اور ملت کے نام پر چندہ بٹورتے ہیں اور سارے نصوص دینیہ کو چھوڑ کر اسے اپنی جائداد بناتے ہیں۔ اپنے دین ایمان کو بیچتے ہیں اور اگر ان کی اپنی شخصیت ہے تو اس کا قیمہ بنادیتے ہیں اور پردہ داری کے لیے تنظیم کی قیادت کو خلیفہ وقت کا درجہ دیتے ہیں اور صدقات وخیرات کے پیسے جو ذاتی جائداد بن جاتے ہیں اور جن کا چند پیسہ بھی غصب کر لینا جہنم کا پیش خیمہ ہے۔ نص کی تحریف معنوی کرتے ہیں اور اس کے جواز کے لیے کہتے ہیں بدعنوان خائن تنظیم کی قیادت کی اطاعت کرو چاہے تمہارا مال لے لے

۔چاہے تمہیں قتل کردے۔چاہے تمہیں جلادے۔اس طرح کی بات کرنے والے محرف دین کہلائیں گے یا ان مرتدین سے ان کا سلسلہ جڑے گا جو زکاۃ دینے کے منکر ہوگئے تھے۔یا منافقین کے زمرے میں ایسے لوگ آئیں گے یا یہودیت ان کے اندر رچی بسی مانی جائے گی۔کم سے کم ایسے لوگوں کے لیے جو کہا جاسکتا ہے وہ یہ کہ ایسے لوگ نہ دین کے ہیں نہ جماعت کے ہیں۔یہ نفس پرست زر پرست ملت کے خائن اور غاصب لوگ ہیں۔

ایسے موقع پر مفادات کے بندے کرپشن میں ڈوبی قیادت کی مخالفت کو بغاوت شذوذ پسندی اور اختلاف کرنے والے قرار دیتے ہیں۔ایسے خیالات کے حامل عجیب عجیب قسم کے لوگ ہیں۔ایک میٹروسٹی میں ریاستی جمعیت کے ذمہ داروں نے ایک تربیتی پروگرام رکھا۔اس کی صدارت ایک ایسے صاحب نے کی جن کی خود پرستی کا جوار بھاٹا ہمیشہ اٹھتا رہتا ہے اور وہ خود کو آسمانی مخلوق سے کم نہیں سمجھتے۔علم وتقوی کو اپنی جائداد اور قیادت کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں جبکہ ان کے پاس دکھاوے کے سوا کچھ نہیں ہے اور پوری عمر صرف تباہی کا کام کرتے رہے اور صرف اپنی خام خیالوں کے اسیر رہے اور کچھ کم فہم ان کے دکھاوے کو قابلیت سمجھتے رہے بات احتساب کی آئی کہ تربیت کے لیے احتساب بہت ضروری ہے اور قیادت کے کرپشن پر تنقید ہوئی اور یہ بتایا گیا کہ تنظیم کو بدعنوانی سے بھر دینے کے بعد جماعت اجتماعی طور پر بہت سے غلط افکار رویوں اور حرام کاریوں کا شکار ہو جاتی ہے اور سارا اجتماعی عمل خلل کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔شو بزنس صاحب نے اسے ذاتی مسئلہ بنادیا اور کہا ایک ذمہ دار آدمی کے پیچھے اس کی غیبت ہوگئی اور احتساب کا اطلاق یہاں نہیں ہوسکتا ہے جناب اپنی صدارت کا کروفر سناتے رہے۔جن کو تنظیم کا شعور نہیں اور پورے تنظیمی ڈھانچے کو جس نے تہس نہس کردیا اور جس کا کوئی حل شوری عاملہ نہ نکال سکی۔ بلکہ انھیں یرغمال بنالیا اسے ایسے ناسمجھ شہرت پسندی کے غلام جماعت کو مضبوط موقف اختیار کرنے کے بجائے کرپشن کے تحفظ اور اس کے دفاع کی تلقین کرتے رہے۔ان کے ذہن میں بھی وہی تنظیمی امارت کو اسلام کی شرعی امارت کا درجہ دینے کا خبط موجود ہے۔ یہ خبط انتہائی درجہ کی خارجیت ہے اور مسلم دشمنی اور اہل حدیث دشمنی پر مبنی ہے۔

-تنظیم کے سلسلے میں اکثر ادارے والوں کا رویہ معاندانہ ہوتا ہے ان کے ذہن میں یہ خوف موجود ہوتا ہے کہ اگر تنظیم مضبوط ہوگئی تو ان کی من مانیاں نہیں چل پائیں گی۔ان کا محاسبہ ہوسکتا ہے۔لہذا ان کی خواہش ہوتی ہے کہ کسی بھی سطح پر اس سے تعلقات جوڑے رہیں اس سے مستفید ہوں لیکن اسے آگے نہ بڑھنے دیں۔

-اہل حدیثوں کی ایک اچھی خاصی تعداد تنظیم سے جڑنا پسند نہیں کرتی ہے۔وہ اپنی پسند دیگر جماعتوں کو بنا بیٹھتے ہیں۔کسی کو تبلیغی جماعت پسند ہے۔کسی کو جماعت اسلامی کچھ پالولر فرنٹ کے عاشق ہیں۔کچھ وحیدالدین خان کی اباحیت پسندی کے اسیر ہیں۔ چند ایک ایسے بھی مل جائیں گے جو ڈاکٹر اسرار احمد کے دیوانے ہیں۔اور نائکی فریب کاریوں کا بھی کہیں چراغ جل رہا ہے۔ چند ایک ایسے مل جائیں گے جو باطینت پرست اسرار عالم اور منکر حدیث راشد شاذ کے مدح خواں نظر آئیں گے۔

-مالداروں کا طبقہ عموما جمعیت و جماعت کا آقا بنا بیٹھا رہتا ہے اور وہ سمجھتا ہے اعیان جماعت اور ذمہ داران جمعیۃ ان کے پاس حاضر ہوں ان کی آقائیت تسلیم کریں۔ان کا آشرواد لیں اور ان کی رہنمائیوں میں قدم آگے بڑھائیں۔ دراصل جماعت اور جمعیۃ کے لیے ایک سلبی پہلو ہمیشہ یہ رہا ہے کہ جمعیت و جماعت پر براہ راست یا بالواسطہ سرمایہ داروں جاگیرداروں اور زمینداروں کا قبضہ رہا۔ اس سلبی پہلو کا یہ نقصان رہا کہ جو لوگ جماعت اور مسلک کا کام کرنے میدان میں اترے ان کی لگام اثریا کے ہاتھ میں رہی۔اس لیے یہ بھی بہت بڑا سبب رہا کہ جمعیت و جماعت کے کارکنوں اور ذمہ داروں کے ہاتھ بندھے رہے اور ان کو پست ذہنی جمود اور محدودیت کے ماحول میں رہنا پڑا۔ ان کی اہل حدیث شخصیت بن نہ پائی کمھلا کر رہ گئی۔اور جمعیت و جماعت کا معیار بن نہ پایا نہ اخلاقی روحانی قدریں پروان چڑھ پائیں نہ عملی روایات اور تہذیب بن پائی۔ جماعت اہل حدیث جیسی اصولی جماعت کے لیے یہ قطعا گوارا نہیں کیا جانا تھا کہ شخصی پسند ناپسند کے مطابق اس کا کام ہوا اور تنظیم میں بھی خاندانی وارثت چلے یا مالداری کا تعنت یا عجب اس پر موثر ہو۔ بے شک جماعت کے مالداروں نے جماعت کو قربانی کی حد تک جا کر نوازا ہے لیکن دو تین

پیڑھیوں سے جماعتی سرمایہ داروں کا رویہ جمعیت و جماعت کے ساتھ سلبی ہو گیا ہے اور اس سلبی رویے نے جمعیت و جماعت کے کاموں کو کافی متاثر کیا ہے اور شورائیت کے معانی تک اس رویے سے دھندلا ہو گئے اور اصحاب شوریٰ یا (اہل حل وعقد) کا وجود ہی کالعدم مان لیا گیا۔ جبکہ یہی کسی بھی دینی گروہ بستی شہر محلّہ اور ملک کی اجتماعی کاموں یا مسلم کاز کے لیے ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اس اجتماعی روح کو تنظیم کے حوالے سے خاص کر یحییٰ اینڈ پارٹی نے کچل ڈالا ہے۔ آزادی کے بعد سے یہ غیر شعوری دشمن جمعیۃ و جماعت مسلسل اس روح کو کچل رہا ہے اور اس روح کے کچل جانے کے بعد اجتماعی عمل کی بجا آوری محال ہی نہیں ایک فتنہ بن جاتا ہے۔

مالداروں اور سرمایہ داروں کا جمعیۃ و جماعت کے لئے کنٹری بیوشن لازمی ہے جمعیۃ و جماعت کے فلاح و بہبود اور ترقی میں ان کی شمولیت ضروری ہے وہ جمعیۃ و جماعت کا اہم جز ہیں لیکن ضروری ہے کہ وہ اصول پسندی کا مظاہرہ کریں۔

تنظیم کے قیام میں اس کی قیادت اور کارکنوں کے اندر جن مخصوص صلاحیتوں کے پائے جانے کی شرط لگائی جاتی ہے اس میں مالداری نہیں ہے علم دین داری، امانت، خیر خواہی اور سوجھ بوجھ ہے۔ لیکن اصولوں اور ضابطوں کی ان دیکھی اور منصب وشہرت اور دولت کے پیچھے بھاگنے کے مزاج نے جماعت و جمعیۃ کو اصولی بنیادوں پر کام کرنے کا موقع نہیں دیا۔

جمعیۃ و جماعت کا تصور واضح ہونے یا انھیں اصولی بنیادوں پر چلانے اور کام کرنے کی راہ میں ذات برادری کی عصبیت علاقائیت کی عصبیت نے بہت نقصان پہنچایا ہے۔ یہ عصبیتیں بسا اوقات اتنا مضبوط پکڑ بنالیتی ہیں کہ انسان اچھا خاصا عالم ہو کر بھی بازاری بن جاتا ہے اور اس عصبیت کی بدبو سے اس کا دماغ ہمیشہ خراب رہتا ہے اور اس سے اعمال بد کے انجام پانے اور اس کی نیت خراب ہونے کا ہمیشہ خطرہ لاحق رہتا ہے۔

بہت سے لوگ تنظیم کے متعلق یہ تصور رکھتے ہیں کہ اس سے مفادات حاصل کیے جائیں اور اس کے اندر خوشامد کی روایت قائم کریں۔ جب کوئی تنظیم اصولوں سے ہٹ کر

شکست خوردہ ہو جائے اور ہر شخص اسے تہ و بالا کرنے میں لگا ہو اس کے خطوط کار طے نہ ہوں تو تنظیم میں خوشامدی دیمک کی طرح پھیلتے ہیں اور اسے چاٹ جاتے ہیں۔ جمعیۃ کے خطوط کار طے نہ ہوں لائحہ عمل موجود نہ ہو منصوبہ نہ بنا ہو۔ پالیسی نہ طے ہو تو خوشامدیوں کو اسے چاٹ جانے کے بے حد مواقع ملتے ہیں۔ بلکہ ایسا لگتا ہے صرف خوشامدیوں ہی کے لیے تنظیم قائم ہے اور یہ خوشامدی ہی قیادت کو بھی (ہمیں سست ماہ و پروین) کا جلوہ دکھاتے ہیں۔ شیخ سعدی کا ایک شعر ہے جس کا مطلب ہے کہ جب حکمراں دن کو رات کہتا ہے تو خوشامدی چلا اٹھتے ہیں ہاں حضور دیکھئے وہ آسمان پر چاند اور تارے بھی نظر آرہے ہیں۔ ہم اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں جہاں دبنگ جمعیۃ میں اور جماعت کے کاموں میں زبردستی گھس جاتے ہیں اور کام خراب کر دیتے ہیں۔ وہیں ان سے کہیں زیادہ تعداد خوشامدیوں کی ہوتی ہے۔ چونکہ ڈھیٹ ہوتے ہیں بزدل بھی ہوتے ہیں اور مطلب پرست بھی ہوتے ہیں۔ اس لیے انھیں ان قیادتوں اور لوگوں سے چپکنے میں دیری نہیں لگتی جن سے کسی فائدے کی امید ہو۔ اس لیے یہ لوگ تنظیم کو (مال غنیمت) سمجھتے ہوئے نیچے سے اوپر تک اس میں گھس جاتے ہیں اور دیمک کی طرح اسے چاٹ کر رکھ دیتے ہیں۔

یہ تو خود تباہی کے کگار پر رہتے ہی ہیں پر یہ جن سے چپکتے ہیں انھیں امربور کی طرح سرسبز نہیں رہنے دیتے۔ عقل مند سے عقل مند انسان بھی جب خوشامدیوں کے گھیرے میں پڑتا ہے تو یہ اس کی عقل چاٹ لیتے ہیں اور اس کی آنکھ کان ناک اور دل و دماغ بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ پورے تنظیمی عمل میں اور تنظیمی کاموں میں سب سے زیادہ خطرناک رول ان ہی کا ہوتا ہے۔ تنظیمی کاموں اور تنظیم کے قیام میں ان سے بچنا بہت ضروری ہوتا ہے اور ان کو پہچاننا اور ان سے دور رہنا واجب ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ جماعت اور جمعیۃ میں جیسے خوشامدیوں کی انڈسٹری لگ گئی ہے۔ اور ان ہی کا زیادہ سے زیادہ پروڈکشن ہوتا ہے۔ اور ایسے ایسے اعلیٰ نمونے پیدا ہو رہے ہیں کہ ملت و جماعت کے وہی شہزادے ہیں اور خوشامد پسند دنیا میں جہاں دیکھو ان کو ہی پذیرائی ملتی ہے چونکہ یہ مفادات حاصل کرنے والے اصحاب مناصب کو پوجنے اور چومنے ہیں ماہر ہوتے ہیں اور انکو شیشے میں

ایسے اتار رکھتے ہیں جیسے جن کو بوتل میں اتار کر رکھ دیا جاتا ہے اس لیے خوشامد پسند ان کے قبضے میں رہتے ہیں۔خوشامدی قوموں اور جماعتوں کے لیے یرقان کی بیماری ہوتے ہیں جو کیرنہ کرنے پر اعضار رئیسہ کو چاٹ جاتی ہے۔خوشامدیوں کی ایسی قسمیں ہیں کہ اگر انھیں گنایا جائے اور انکی مذلوجی حرکتوں اور خصائص وعادات کی تفصیل بیان کی جائے تو اس کے لیے ایک کتاب درکار ہے لیکن اتنا یادر ہے خوشامدی بانجھ شخصیت کا حامل ہوتا ہے اور مکاری عیاری اس کی پہچان ہوتی ہے۔ وہ اقدار دین اقدار حیات اور اقدار انسانیت کا دشمن ہوتا ہے اور اس کی ساری سرگرمیاں شرم اور عار کا باعث ہوتی ہیں۔

تنظیمی عمل اور تنظیم کے قیام میں سب سے زیادہ نقصان دہ لوگ ہوتے ہیں جو تنظیم کا خود کو باس اور گارجین سمجھتے ہیں یا اس کا مائی باپ جانتے ہیں۔ جب کہ عموما ایسے لوگ خود پرست شیخی باز اور کم فہم ہوتے ہیں۔ یہ اصول وضابطوں کو پامال کرنے اور اپنے کو سب سے اہم سمجھنے اور اپنے افکار وخیالات فاسدہ کو اصول بنانے اور سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کے فکر وخیال میں صرف جمود ہوتا ہے۔ایسے لوگ جن کو وراثتاً جماعت یا تنظیم کے کاموں کی اپنے خطوں میں سربراہی مل رہی یا بھوت بن کر جماعت وجمعیۃ پر سوار رہے اور ہر موقع پر خود کو جمعیۃ وجماعت کا سیوک بننے کا احساس دلاتے ہیں اور ہمیشہ مکمل محاذ آرائی کا موڈ رکھتے ہیں اور جمعیۃ وجماعت کی سرپرستی کا وہم پالے رہتے ہیں،ایسے لوگ جمعیۃ وجماعت کے حق میں انتہائی مضر ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ دستوری غیر دستوری ہر جائز ناجائز کام کی انجام دہی کی سرپرستی کا وہم پالے رہتے ہیں۔ایسے لوگ جمعیۃ وجماعت کے حق میں انتہائی مضر ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ دستوری غیر دستوری ہر جائز ناجائز کام انجام دینے میں آگے آگے رہتے ہیں ایسے عناصر تنظیمات کے لیے سب سے زیادہ گھاتک ہوتے ہیں۔تنظیمات کو ایسے لوگوں سے بچانا اور انھیں اصول پسند بنانا سب سے زیادہ ضروری ہوتا ہے۔

۔تنظیم کا تصور ان لوگوں کے ذہن میں بھی واضح نہیں ہوتا جوڈھیلے ڈھالے رہتے ہیں اور ہر ایک کا استقبال کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ان کے نزدیک موقف کا کوئی مقام ہی نہیں ہوتا۔ان کے نزدیک سب صحیح ہے۔یہ تنظیمات کے لیے مضر نہیں ہوتے لیکن اس کے لیے

طاقت نہیں بن پاتے۔ان پر اگر محنت کی جائے تو ایسے لوگ جمعیۃ وجماعت کے لیے بہت مفید ہوسکتے ہیں یا اگر جمعیۃ کا ایک اصولی وعملی ماڈل سامنے ہو تو ایسے لوگ خود اس کے حمایتی بن جائیں گے۔

یہ اور اس کے سوا دیگر عناصر بھی پائے جاسکتے ہیں جو نہ تنظیم کو سمجھتے ہیں نہ جماعت کے نفع ونقصان سے انھیں عملا مطلب ہے دور کے تماشائی ہیں لیکن ایسا ایکٹ کریں گے جیسے جماعت اور جمعیت کے مائی باپ ہیں۔

تنظیم کے متعلق مختلف اسباب کی بناء پر ہے مذکورہ عناصر نے اوہام وتخرصات تضادات تعنت اور توہمات پال رکھے ہیں ان کو دور کرنا ضروری ہے جب تک تنظیم کا واضح تصور لوگوں کے سامنے نہیں آئے گا تنظیم کبھی پنپ نہیں پائے گی۔

جماعت اہل حدیث جیسی بڑی جماعت کی دینی تنظیم میں آخری درجہ کی بے ایمانی نااہلی اور بدعنوانی پر خاموشی،اور سارے تنظیمی نظام کو تربیتی اور اصلاحی نظم کے برعکس سازش خرید فروخت خیانت نااہلی اور کرپشن میں ڈبودینا اور ہر طرح کے جعل وفساد میں اسے غرق کردینا پوری جماعت کو ذبح کرنے اور سلفیت اور اس کی منہجیت کے ساتھ کھلواڑ کرنے کا مترادف ہے۔ ایسے فساد وبگاڑ کے قائدین کے عالم آشکار فساد خیانت اور بدعنوانی پر خاموشی اختیار کرنا شیطان اخرس بننے کے مترادف ہے اور اس کی تائید وحمایت کرنا اور منصب نظامت کو مباح کے درجے سے نکال کر حتمی شرعی دینی منصب کے درجے میں رکھنا اور منمنانا فسق وفجور ہے اور دین کے ساتھ کھیل کرنا ہے یا تحمق اور تغافل کا ثبوت دینا ہے۔

دراصل یہ خالص حرفیت پرستی ہے کہ امیر کے لفظ کو ہر جگہ اسلامی سیاسی نظام کے امیر کے ہم معنی قرار دیا جائے اور اس دینی سیاسی امارت کے سارے مدلولات اور لوازمات کو تنظیمی امارت کے اوپر منطبق کیا جائے۔

امارت اور امیر کے لفظ کے متعلق یہ ذہنیت دین کے اہم سیاسی نظام کے ساتھ کھلواڑ ہے اور اس کی حیثیت کو بگاڑنا ہے۔اس سے تو بہت بڑے فتنے کا دروازہ کھل جائے گا کہ ساری دنیا کی ساری اسلامی تنظیمات اور اس کے امراء اور نظماء سب دینی سیاسی نظام کے

امیر کے برابر ہوگئے اور تفرق اختلاف اور فرق کو جماعت اور طائفہ منصورہ کے برابر کھڑا کردیا جائے۔

مصلحتوں کی غلامی اور دون ہمتی اور تنظیم پرستی ایسی ذہنیت پیدا کرتی ہے اور اگر سیاسی اسلامی نظام کے امیر اور اس کے مدلولات اور لوازمات صرف جماعت اہل حدیث کی تنظیم اور اس کے امیر کو مل سکتے ہیں تو پورے عالم میں لاتعداد اہل حدیث تنظیمیں ہیں کم از کم ان اہل حدیث تنظیموں کو ان مدلولات اور لوازمات کا مستحق ماننا پڑے گا۔ اگر یہی امیر اور امارت کے مدلولات ہیں یہی عمومیت مان لی جائے تو پھر اسلامی نظام سیاست کی وحدت کہاں باقی رہی اس کی حیثیت گرگئی۔ اور اگر صرف ہندوستان میں یحییٰ صاحب اور اصغر صاحب ہی اس اعزاز کے مستحق ہیں تو پھر ان کو تسلیم نہ کرنے والے سبھی اہل حدیث اور سارے عالم کے مسلمان کس خانے میں جائیں گے۔ جہنمی بنیں گے شذوذ پسند باغی اور خارجی کہلائیں گے۔ بدماغی کی بھی حد ہے چند مجرموں کو بچانے کے لیے ساری دنیا کے اہل حدیث اور مسلمانوں کو باغی خارجی بنانے پر احمق لوگ تلے ہوئے ہیں۔ ان بے وقوفوں کو کس عجائب گھر میں رکھا جائے۔ یہ منمنانے والے کم ہوش دانشور ٹھنڈے خون والے دین کفر ایمان اسلام حق وباطل خیانت امانت سب کو ایک بنانے پر تلے ہیں والعیاذ باللہ جب دلوں میں فتنے گھر کر لیتے ہیں تو ایسے لوگ شکوک وشبہات پھیلائیں گے۔

تنظیم اگر دینی بنیادوں پر قائم ہے۔ اس کے اندر صداقت اور شفافیت موجود ہے منہجیت اور عمل پایا جاتا ہے۔ قیادت اور کارکن اصول پسند ہیں اور ضابطہ بندی اس میں برقرار ہے تو اس کے قائدین اور کارکن سبھی عزت واحترام کے مستحق ہیں۔ ان سے محبت کرنا ان سے ہمدردی رکھنا ضروری ہے۔ دینی تنظیمات سے قطع نظر دنیاوی تنظیمات میں بھی قائدین کو عزت واحترام حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بغیر اجتماعی عمل چل ہی نہیں سکتا ہے۔

دینی تنظیمات کی قیادت کو طبعی طور پر محبت واحترام حاصل ہوتا ہے اور تنظیمی ودستوری طور پر بھی ان کو احترام دیا جاتا ہے اور یہ عملی تجربہ ہے ایک الھڑ اور احمق بھی قیادت کی کرسی پا کر عوام کی عقیدت کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ اس سب کے باوجود جب دینی تنظیمات کی

قیادت خیانت کا مرتکب ہوجائے اور تنظیم کو تہس نہس کردے اور ہر قسم کی بدعنوانی کو اباحیت پسندی کے دائرے میں لے آئے تو اولا اسے فورا برخواست کردینا چاہیے۔ دینی تنظیم اسلام کی سیاسی تنظیم نہیں ہے کہ اس میں کفر بواح کے نمودار ہونے تک قیادت کو گوارا کیا جاتا ہے۔ اسلامی سیاسی تنظیم میں وحدت ہے ثنویت اور تعدد نہیں ہے۔ سیاسی اسلامی تنظیم فریضہ ہے اس میں حتمیت ہے۔ دینی تنظیمات میں تعدد ہے خیار ہے انھیں شرائط کے ساتھ صرف ترجیحی حیثیت حاصل ہوسکتی ہے مباح کے درجے میں ہے۔ اسلامی سیاسی نظام کے قائدین کی اطاعت میں حتمیت ہے اور ہمہ وقت وہ حتمیت ایک مسلمان کے اوپر لاگو ہوتا ہے ۔دینی تنظیمات میں طے شدہ اعمال خیر میں ہم آہنگی اور ہم کاری ہے اور بس نہ اس کے ذمہ داروں کی شخصیت کارکنوں کے لیے حتمیت کے درجے میں ہے نہ ہمہ وقت اس کو لادے پھرنا ہے۔ اسلامی سیاسی نظم جب قائم ہوجائے تو تمام بدعنوانیوں کے باوجود سربراہ کو ہٹایا نہیں جاسکتا ہے۔ دینی تنظیمات میں مالی منصبی اخلاقی وناہلی کسی بھی خرابی کے سبب ذمہ دار کو ہٹایا جاسکتا ہے۔ بلکہ ہٹایا جانا ضروری ہے تاکہ کار دین کی انجام دہی تباہ نہ ہوجائے۔ اسلامی سیاسی نظام میں سربراہ کی عزت واحترام آخری حدتک برقرار رہے گا لیکن دینی تنظیمات میں اس وقت اس کا احترام عزت ومحبت برقرار رہے جب تک وہ صحیح اور سچا ہے اور جب وہ خائن بدعنوان اور نااہل ہوگا احترام اور عزت کا وہ مستحق نہیں رہ جاتا۔ اسے خود دینی تنظیم کا منصب چھوڑ دینا چاہیے اور جلد از جلد اس کا احتساب ہونا چاہیے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ فسادی فتنہ پرور اور گناہ کبیرہ کا مرتکب تسلیم کیا جائے اور اس کی ہمنوائی کرنے والے بھی۔ دینی تنظیمات کا اصل مقصد تعلیم وتربیت اور دعوت وتبلیغ ہے اس خاص الخاص کام میں قیادت کو اسوہ ہونا چاہیے۔ اس کے برعکس اگر وہ بدعنوان نکل جائے تو سارا کام کالعدم ہوجاتا ہے۔ پھر تنظیم سے قیام کا فائدہ کیا؟ جبکہ اسلامی سیاسی نظام کو ہر اچھے برے حال میں بحال رکھنا واجب ہے۔

☆ موقف کا فقدان:

جمعیۃ وجماعت میں ایک عموم بلوی ہے کہ لوگ آمین ورفع الیدین اور دیگر فروعی

مسائل میں بڑے حساس ہیں لیکن جماعت کے اجتماعی امور حقوق وفرائض میں بے حسی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ جبکہ ہمارے کامل عقیدۂ اتباع اور غیر مشروط اطاعت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم چھوٹے سے چھوٹے مسئلے میں بھی حق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں مگر بھیانک تضاد ہے کہ خالص جماعتی وتنظیمی مسائل میں کلی غیر دستوری اور کلی صریح بدعنوانی کو بھی جائز قرار دیتے پھرتے ہیں بلکہ اس کی تائید کو بعض سرپھرے بھی فریضہ بنائے ہوئے ہیں۔ جس تنظیم سے وابستہ حضرات کا احساس وشعور اس قدر بگڑ جائے وہ تنظیم نہیں چلا سکتے۔ خیانتیں بھیانک انداز کی ہوتی ہیں خواہ مالی ہوں یا منصبی اور ایسی واضح صریح اور پبلک میں ہوتی ہیں کہ ان کی پردہ داری کی ہی نہیں جاسکتی بلکہ ان کو سرعام بیان کرنا شرعاً درست ہی نہیں لازمی ہوگیا ہے۔ مسئلہ ذاتی امور کا ہوا خفاء ہوتی ہے تو بات اور تھی لیکن یہاں تو خیانتیں دن دہاڑے پورے ملک میں پبلک میں ہورہی ہیں اور بدیہی واقعات بن چکی ہیں۔ اور ان کا تعلق ایک تنظیم سے ہے ذات سے نہیں ہے ایسی خیانتوں کو چھپانے کی کوشش کرنا شیطان اخرس بننا ہے یہ پرائما فیسی کا مسئلہ ہے یعنی ایسا نمایاں جرم کہ اس کے لیے کسی دلیل اور پروف کی ضرورت نہیں وہ مشہور ومدلول ہو چکا ہے اور بداہت کے درجے میں ہے۔

سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ انسان موقف نہیں رکھتا۔ خاص کر علماء اور کبار علماء۔ اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ یا تو انسان نے پڑھ لیا ہے حرف شناسی آگئی اور لکھ بھی سکتا ہے لیکن اس کے اندر علمی بصیرت نہیں آئی۔ علم کے مطابق سیرت وکردار نہیں بنا۔ شخصیت نہیں بنی۔ یا پھر مصالح اور مفادات نے قلوب واذہان پر قبضہ جمالیا اور ان کی اسیری سے انھیں رہائی نہیں مل پائی ۔ ورنہ کیا بات ہے علماء میں شمار ہونے والے اعلی ڈگریوں کے حامل منہج کی بات کرنے والے موقف بنانے میں فیل ہوجاتے ہیں نوعیت مسئلہ سمجھ نہیں پاتے۔ مفادات پرستی کی ابتری کا یہ حال ہے کہ بدعنوان قیادت نے علماء کبار تک کی کوئی خدمت کردی تو وہ ان کی نگاہ میں دودھ کا دھلا ہوگیا۔

معمولی ذاتی فائدے کی خاطر دین کی ذمہ داری، علماء کا منصب، حق وباطل کا امتیاز، اجتماعی شعور اجتماعی جدوجہد کے تقاضے سب فراموش، ہمارے سامنے ایسی حیران کن مثالیں

ہیں کہ ان کو دیکھ کر اور سن کر مبہوت رہ جانا پڑتا ہے۔ اور رسوال اٹھتا ہے کہ کیا بڑے بڑے علماء معمولی فوائد کی خاطر دین ایمان اور موقف کا سودا کر سکتے ہیں۔ جمعیۃ اور جماعت کے مسائل حل نہیں ہوتے جوں کا توں پڑے رہ جاتے ہیں اور تنظیمی کام نہیں ہو پاتے اس کی بڑی وجہ یہی بے موقفہ پن ہے۔

بے موقفہ ہونے کی بہت بڑی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ انسان کو جمعیۃ وجماعت کے مسائل سے دلچسپی نہیں ہے کام نہیں ہے مغفل قسم کا ہے۔ لیکن یار لوگ اسے اپنے مفادات کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یا انسان بے شعور ہوتا ہے اور اس کو سیاہ سفید کا پتہ ہی نہیں رہتا ہے۔ کسی بھی جماعت اور گروہ میں عام طور پر احساس وشعور کی کمی ہوتی ہے اگر ان کے اندر فکر وشعور کو اجاگر کرنے کا کام نہ ہو۔ اور ایک عمومی ماحول ہو جس میں اباحیت پسندی عام ہوگئی ہو۔ تو ایسا ہوتا ہے کہ بڑے لوگ بھی بے حسی اور اباحیت پسندی کے شکار بن جائیں۔ دراصل ہماری تنظیم اور جماعت میں ایک عام ماحول ہے۔ اباحیت پسندی کا ایسا مزاج بن گیا ہے کہ سب کچھ صحیح ہے اور سب صحیح ہیں اور اچھا برا نیک بد سب برابر ہیں۔ ایسے ماحول میں ڈھٹائی اور عدم حیا عام ہوتی ہے۔ غلط کار اور زیادہ جری بن جاتا ہے۔ بگڑے ہوئے ماحول میں غلط کار زیادہ چمک جاتے ہیں۔ شریف انسان شرافت ومروت میں بہت سے مقامات پر خاص کر جہاں برا ہورہا ہے اور مروت وشرافت کے خلاف کام ہو وہاں سے دور ہوجاتا ہے۔ کیا یہ بات ڈھکی چھپی ہے کہ ہماری جماعت وجمعیۃ کے لوگ عموماً اباحیت پسندی کے شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔ مساجد ومدارس تک میں غبن کا کام ہوتا جارہا ہے۔ دین وملت کے نام پر ہر طرف بے ایمانی خیانت اور غبن کا کام ہے اور خاص کر اس میں ملوث علماء کرام بڑی لمبی لمبی تاویلیں کرلیتے ہیں۔ سماج ومعاشرے میں سفید پوش لوگ ہر طرح کی بدعنوانیاں کرتے ہیں لیکن میل ملاپ میں تعلقات میں لین دین شادی بیاہ اور دینی تہواروں میں پوری اپنائیت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اسی طرح جمعیت وجماعت میں بھی ایسے لوگ سرگرم رہتے ہیں اور ساری خرابیاں انھیں اچھی نظر آتی ہیں۔

حیرت ہوتی ہے کہ جماعت کے افاضل مانے جانے والے بھی ولاء براء کا سبق

یادنہیں رکھتے۔ نہ حق وباطل کے درمیان امتیاز کرنے کی استعداد کواستعمال کرنا چاہتے ہیں اونگھتے کوٹھیلتے کا بہانہ۔ نہ خیانت اورامانت کے درمیان فرق کر سکتے ہیں۔سفید اورسیاہ کے درمیان تفریق بڑی مشکل بات بن گئی ہے۔عجیب بات یہ بھی ہے کہ لوگ مسائل کی تفصیل بھی نہیں جانتے،ان کی نوعیت کا بھی پتہ نہیں ہوتا مشکلات کا حل نہیں جانتے اور بلا وجہ باطل کی حمایت کرتے رہتے ہیں اوراپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔

موقف اختیار نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ ہم سیکولراور جمہوریت کے ماحول میں زندگی گذارتے ہیں اوراس کے اثرات ہی یہ ہیں کہ اچھا برا سب یکساں لگتا ہے اورسارے سر برابر لگتے ہیں اور کرپشن و بدعنوانیاں بھی بری نہیں لگتی ہیں گوارا ہوتی ہیں۔

تنظیمی اور جماعتی مسائل میں صحیح غلط کا امتیاز اورصحیح کو صحیح کہنے اور غلط کو غلط کہنے کی صلاحیت بہت ضروری ہے۔اگر چھوٹے سے بڑے سبھی بے موقفہ بن جائیں اور یہ ذہن بن جائے جو ہورہا ہے سب صحیح ہے تو پھر کوئی کارخیر ہونا مشکل ہے۔ بڑی تنظیم کیا معمولی جماعتی کام نہیں ہوسکتا ہے یہ اسلام کے مزاج کے بالکل خلاف ہے اسلام میں ذرہ ذرہ کے خیر وشر کا حساب ہے۔

انسانی زندگی سے موقف کے فقدان کا مطلب ہے۔ بے حسی اباحیت پسندی تعطل اختلال بے نتیجہ محنت اورراہ ومنزل کے بغیر سفر۔ ہماری تنظیم کے اندر موقف پسندی کی شدت سے کمی ہے اس لیے اس میں بے حسی اباحیت پسندی تعطل اختلال اور بے نتیجہ سرگرمیاں ہیں اورراہ منزل کا بھی پتہ نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ بھیانک عمل یہ ہے کہ موقف نہ ہونے کے سبب بدعنوانیوں کی تائید بھی ہوتی ہے اورخیانتوں کی پردہ داری کا مطالبہ ہوتا ہے۔موقف کے بغیر اجتماعی جدوجہد کا انجام ہے مکمل ناکامی اچھا برا کام اوراچھے برے لوگ سب کو یکساں جاننا۔ سیاہ وسفید کو برابر سمجھنا۔تعاون علی الاثم اورتعاون علی البر کو برابر جاننا معروف اور منکر کوایک بنانا۔

اگر زندہ لوگ کسی اجتماعی جدوجہد میں موجود ہیں اورصحیح ومضبوط موقف کے حامل ہیں تو تنظیم کے کارکنوں کا مورال بلند رہتا ہے۔اخلاقی قوت بڑھتی ہے۔افراداور کارکنوں کی

دینی واخلاقی شناخت بنتی ہے۔ جوش عمل برقرار رہتا ہے۔راہ کھلتی اورمنزل قریب ہوتی ہے اورمقاصد کے حصول کی آسانی ہوتی ہے۔تعطل فساد اور بگاڑ روز کا معمول نہیں بنتے۔ اوراگراس کا فقدان ہوتو روز فساد اور فتنے رونما ہوتے ہیں اوراچھی صلاحیتوں کا فقدان ہونے لگتا ہے اورآہستہ آہستہ یہ صلاحیتیں ختم ہوجاتی ہیں۔

☆ دینی معیار بندی کافقدان:

دینی اجتماعی جدوجہد میں دینی معیار بندی بہت ضروری ہے۔ دینی معیار بندی کا مطلب ہے ایک مسلم کارکن کے دینی اوصاف دینی جدوجہد کے کام میں سب سے زیادہ مفید ہیں اورجوان اوصاف کا حامل ہووہی ترجیحی طور پر دینی تنظیم میں کارکن اورذمہ دار بن سکتا ہے۔ دینی اوصاف میں صالحیت،علم، امانت داری، خیر خواہی اورسوجھ بوجھ اساس ہیں۔کارکن کا انتخاب انھیں بنیادوں پر ہونا چاہیے۔ ہماری تنظیم کا یہ حال ہے کہ دینی معیار بندی اوردرجہ بندی ہوتی ہی نہیں ہے۔ایسا لگتا ہے چھل کپٹ مکروفریب اورسازش کواس کے لیے سازگار بنالیا گیا ہے اورایسا لگتا ہے اسے دینی تنظیم کے بجائے سیاسی تنظیم بنالیا گیا ہے۔رکنیت سازی سے لے کر جمعیت کی تشکیل تک اور پھر مقامی جمعیۃ سے لے کر مرکزی سطح تک عہدہ داروں اورشوری وعاملہ پرایک طائرانہ نظر ڈالیں اندازہ لگ جائے گا کہ سفید پوشی کے پیچھے بہت کچھ ہے اوررکنیت سازی کی سرگرمیوں، میقات پر جمعیۃ کی تشکیل کے ہنگاموں کوسامنے رکھیں کارکردگی کا جائزہ لیں منصب داروں کے تصرفات کونگاہ میں رکھیں۔ شوری عاملہ کی بے خبریوں اور جی حضوریوں کو دیکھیں اندازہ لگے گا کہ تنظیم چلانے میں ہم کتنا سچے ہیں۔ایسا لگتا ہے جماعتی تنظیم دینی اصولی تنظیم نہیں ہے خالہ بوبو کا گھر ہے روا ہے کہ انسان سراٹھائے آجائے۔

نہ اوصاف وصفات کا لحاظ، نہ تجربے کا اعتبار، نہ جذبہ عمل کا مشاہدہ، نہ محنت جدوجہد اورقربانی کے جذبے کا امتحان، نہ کام میں صلاحیت کے اعتبار سے رتبوں کا لحاظ، جوسر چڑھ جائے زبردستی گھس آئے یا جمعیۃ کا آبائی وارث بن کر دعوی دار بن جائے بس وہ جمعیۃ میں داخل اورعہدوں پر قائم یا جوسازش یا جوڑ توڑ کر لے جائے وہ جمعیۃ میں ذمہ دار۔ جب

صلاحیتوں کی پرکھ اور پہچان نہ ہو۔اس کی ضرورت محسوس نہ کی تو ایسے ماحول میں غلط کاروں کو پھلنے پھولنے کا بڑا موقع ملتا ہے اور ایسے لوگ تنظیمی عمل کو سبوتاژ کردیتے ہیں اور تنظیم اتھل پتھل کا شکار رہتی ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی بھی فیلڈ میں انسان کو شہرت ہو یا اپنے اختصاص کی بناء پر وہ کام کرتا ہو وکیل ہو ڈاکٹر ہو سماجی کارکن ہو مسٹر ہو مولانا ہو صحافی ہو اسے فوراً اچک لینے اور ذمہ دار بنانے کے لیے کوشش ہونے لگتی ہے اور کبھی یہ دیکھنے کی زحمت نہیں کی جاتی ہے کہ ایسا شخص تنظیم کے فریم میں فٹ ہوگا کہ نہیں۔

ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ انسان کو تجربہ نہیں۔ جمعیۃ میں نیا لایا جاتا ہے اسے اٹھا کر مقامی جمعیت کا صوبائی جمعیت کا مرکزی جمعیۃ کا اعلی عہدہ دیدیا بنادیا جاتا ہے۔ ایسے عہدے دار سے عموماً مثبت کام کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ کام کا تجربہ، صلاحیتوں کی پرکھ انسانوں کی پرکھ ضابطہ بندی، مسائل کا حل نکالنا، مشکلات میں نہ گھبرانا، عملی و دینی اخلاقیات کو بروئے کار رکھنا، خلوص وللّٰہیت کا متوفر ہونا فکری ہم آہنگی پیدا کرنا اور ایک ٹیم کی حیثیت سے سب کو لے کر چلنا بہت ضروری ہے۔ یہ کام اچانک نہیں ہوجاتا ہے مگر جماعت کی تنظیم کا باوا آدم نرالا ہے۔ کوئی بھی آنا فانا صدر سکریٹری شوری وعاملہ کا ممبر بن سکتا ہے۔ اسے نیچے سے اوپر آنے کے لیے سیڑھیاں نہیں چڑھنی پڑتی ہیں اور ناپنے تولنے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ کہیں سے بھی جراثیم لے کر جمعیۃ میں آسکتا ہے۔ اور خاص کر تحریکی جراثیم والے بہت سی جگہوں پر گھس پیٹھ کر لیتے ہیں۔

جب ذہنی ناہمواری ہو، فکر وخیال میں ابتری ہو، کارکردگی تجربے اور صلاحیت کو جانچنے پرکھنے اور ان کو استعمال کرنے کا کوئی نظم نہ ہو ایک انبوہ کی حیثیت سے لوگ جمع ہوجائیں تو اس سے خرابی اور تعطل کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ اس سے فتنہ وفساد ہی ہاتھ آئے گا۔

اور لطف یہ کہ ان ناہمواریوں کو درست کرنے کے لیے جماعتی تنظیم کے پاس کوئی پروگرام بھی نہیں اور کبھی اس کی طرف توجہ بھی نہیں گئی۔ اور کہیں توجہ ہو تو سنجیدگی سے اس طرف دھیان دیا ہی نہیں گیا اور اہم بات یہ بھی ہے کہ تنظیم کو جیبی سائز بنا کر رکھا گیا ۔خوشامدیوں اور چاپلوسیوں کا گھیرا بنایا گیا اور ذاتی مفادات کے حصول کا رواج قائم ہوگیا

تو پھر کسی معیار کی بات کہاں رہی۔ ایسی حالت میں تو معیار الجھن پریشانی اور بندش کا باعث ہوتا ہے۔

جب صلاحیت کا فقدان ہو اور تنظیم میں ہر قسم کے معیاری غیر معیاری کارکن اور ذمہ دار بھر جائیں تو پھر کام کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے۔ تنظیم میں ایسے لوگ کام خراب کرتے ہیں اور کام ہوتا نہیں ہے فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اس بگاڑ کو ہی لوگ کام سمجھنے لگتے ہیں اور چالاک لوگ کچھ زیادہ گرد وغبار اڑادیتے ہیں اور دنیا کو باور کرادیتے ہیں بڑا کام ہورہا ہے۔ اصول وضابطے سے جب کام نہ ہوں اس کے پیچھے منصوبہ بندی اور سنجیدگی نہ ہو تو انھیں استقرار نصیب نہیں ہوتا قرآنی اصول ہے۔فاما الزبد فيذهب جفاء واما ما ينفع الناس فيمكث في الارض کوئی بھی انسانی جدوجہد ہو نفع بخش ہوگی تو اسے ٹھہراؤ نصیب ہوگا اور جو ہا ہو کے زمرے میں آئے وہ غبار بن کر اڑ جائے گا یا جھاگ بن کر ختم ہوجائے گا۔ اسی طرح قرآنی اصول ہے۔ مثل كلمة طيبة كشجرة طيبة اصلها ثابت وفرعها في السماء توتي اكلها كل حين باذن ربها ويضرب الله الامثال للناس لعلهم يتذكرون ومثل كلمة۔ حبيثة كشجرة خبيثة اجتثت من فوق الارض مالها من قرار يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت في الحيوة الدنيا وفي الآخره ويضل الله الظالمين ويفعل الله مايشاء اس اصول کے حقدار تو سب سے زیادہ اہلحدیث تھے یہی ہے دینی معیار بندی کا مطلب۔ قول ثابت اور عمل صالح کے ساتھ استقرار اور منفعت بخشیاں۔

☆ **ورک کلچر**: تنظیم میں ہمیشہ ورک کلچر کی کمی رہی بلکہ یوں کہیے کہ کبھی تنظیم میں ورک کلچر رہا ہی نہیں۔ اور کئی ناحیوں سے ورک کلچر کا فقدان رہا۔ اوپر دستور سے لے کر موقف تک جن کمیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے انھیں سامنے رکھیں۔ وہ تنظیم کو زیرو بنانے کے لئے کافی تھیں۔ ان کے سوا بھی اسباب ہیں جنہوں نے ورک کلچر کو بننے نہ دیا۔

جمعیۃ میں وسعت نظر کی کمی ہمیشہ رہی۔ ہمارا مسلک اجتہاد کے دروازے کو کھلا رکھتا ہے اور وہ اس لئے تا کہ دین کے تقاضوں کے مطابق حالات وظروف کا سامنا کریں

اورزندگی کا کارواں چلتا رہے۔ زندگی میں جمود تعطل اور سطحیت نہ آئے اور انسانی زندگی کی وسعت پذیر حقیقتوں سے ہم آنکھیں بند نہ کریں۔ ظاہر ہے انسان بھی ترقی پسند ہے انسانی تجربات افکار اور ذہنی کاوشوں میں تطور اور وسعت ہوتی رہتی ہے۔ انسان کی مدنیت پسندی سے سوک سنس بڑھتا رہتا ہے۔ انسانی آرزوئیں امنگیں بھی بڑھتی رہتی ہیں۔ اسباب حیات بھی بڑھتے رہتے ہیں۔ ان مباح حقیقتوں کو سامنے رکھتے ہوئے زندہ لوگ زندہ سماج اور زندہ گروہوں اور قوموں کے لیے یہ طے ہوتا ہے کہ اپنی ذہنی زرخیزیوں کو استعمال کریں اور اپنے ہمت وحوصلے کو جواں اور نگہ کو بلند رکھیں اور ایسی تعلیم وتربیت کا نظم کریں اور ایسی اجتماعی جدوجہد کریں کہ زندگی کی بھاگ دوڑ میں کسی سے پیچھے نہ رہ جائیں۔

بدقسمتی سے ایک بڑی تعداد ہونے اور ایک ایثار پیشہ مجاہدانہ اور مجتہدانہ پس منظر رکھنے کے باوجود ہم دن بدن زندگی کی سچائیوں سے آنکھیں بند کرتے گئے اور زندگی کے پس منظر میں جاتے رہے اور آخر کار ہمارے پاس کچھ نہ بچا۔ فروعی مسائل میں مناظراتی اسلوب اختیار کئے ہم خوش فہمی کے شکار رہے۔ ساری عملی وفکری توانائی فروعی مسائل اور مناظراتی لب ولہجہ میں برباد کرتے رہے تعمیری وتربیتی اسلوب اور لب ولہجہ سے خود کو بالکل دور رکھا۔ اس نے ہمیں کھالیا اور ہمیں انتہائی پستی میں پہونچا دیا۔

فرد اور جماعت کی ایک ذہنی حالت ہوتی ہے یہی ذہنی حالت بیرون میں ظاہر ہوتی ہے۔ ہماری ذہنی حالت انتہائی تنگ انتہائی پستی اور انتہائی خود پرستی کی ہے۔ یہی ذہنی حالت پوری جماعت اور تنظیم کی ہے ایسی حالت میں آنکھیں بند رہتی ہیں۔ آنکھیں دیکھتی نہیں۔ کان سنتے نہیں اور دل ودماغ کام نہیں کرتے۔ ایسی حالت روایتی زندگی ہی پر ٹک کر رہ جاتی ہے جو مرور ایام کے ساتھ بے رونق محدود تر جمود وتعطل کا شکار بن کر رہ جاتی ہے۔ یہی جمود وتعطل ایسی حالت کا شکار لوگوں کا مقدر بن جاتی ہے اور وہ اس میں رہنا اپنے لیے عافیت جانتے ہیں۔ اس لئے کہ ساری صلاحیتیں تو ختم ہو چکی ہوتی ہیں ہمت وحوصلوں کا کچومر نکل چکا ہوتا ہے۔

وسعت نظر کی کمی ہر قدم پر ظاہر ہوتی ہے۔ زندگی کی رفتار پر نظر نہیں جاتی ہے۔ زندگی

کی سرگرمیوں سے کٹ کر رہنے کو انسان اچھا سمجھتا ہے۔ عواقب ونتائج کی پروا نہیں رہتی۔ زندگی کی وسعتوں اور تفصیلات سے آدمی بے خبر ہوتا ہے۔ انسان اپنی ذمہ داریوں سے بے خبر ہوتا ہے اغراض ومقاصد کا اسے پتہ نہیں ہوتا۔ وہ واقعات واحوال کا تجزیہ کرنا بھول جاتا ہے۔ منصوبہ بندی اسے آتی نہیں۔

ورک کلچر کسی تنظیم میں نہ بننے کا بنیادی سبب تنگ دلی اور کوتاہ نظری ہوتی ہے۔ آپ کسی کوتاہ نظر کو راہ عمل دکھلا ہی نہیں سکتے۔ جب تک انسان اپنی نگاہوں سے پردہ نہیں ہٹاتا، دل کے دروازے نہیں کھولتا اسے راہ عمل مل ہی نہیں سکتی۔ ہماری کل ثقافت اور فہم وفراست بس فروعی مسائل ہیں انھیں میں جینا انھیں میں مگن رہنا اپنا وطیرہ بن گیا ہے۔

جب کوتاہ نظری اور کوتاہ فکری کے سبب زندگی کی وسعتیں محدود ہو جائیں اور ہماری بھاگ دوڑ کا محور چند امتیازی مسائل رہ جائیں تو فرد اور پوری قوم کی زندگی کا یہی محور عمل بن جاتے ہیں پھر کہاں کے عزائم ارادے منصوبے اور پروگرام۔ جب انسان کو بھوک لگتی ہے تب کھانا کھاتا ہے اور کھانا مہیا کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کرتا ہے لیکن اگر کسی کو بھوک نہ لگے تو نہ کھانا کھا سکے گا نہ کھانا مہیا کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کر سکتا ہے۔ کوتاہ نظری اور کوتاہ فکری کا یہی حال ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں انسان کی تمام فکری اور عملی توانائیاں معطل ہو کر رہ جاتی ہیں۔ انفرادی صلاحیتیں بسا اوقات متنوع اور شاہکار ہوتی ہیں لیکن ایک انسان جس گروہ کا فرد ہوتا ہے اگر اس کا اجتماعی رویہ اجتماعی یا ذہنی قابلیت یا ذہنی حالت سطحی ہو کوتاہ فکری کا شکار ہو اس میں ذہین افراد بے وقعت ہو جاتے ہیں اور متنوع صلاحیتیں بیکار ہو جاتی ہیں کوتاہ فکر کوتاہ نظر سطحی ذہنی حالت میں رہنے والے اور سطحی رویے کے شکار لوگوں کے درمیان ذہین اور باصلاحیت افراد کے لئے جگہ نہیں رہ جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے سطحی سازشی کم فہم کم عقل یس سر حاضر جناب قسم کے لوگ چاہئیں ایس میں یس سر اور حاضر جناب کی دنیا میں ورک کلچر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نہ ورک کلچر بنانے کی کسی کو خواہش ہوتی ہے۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر میقات پر تنظیم سازی کے بعد عملی تعطل جتھا بندی اور مفادذات کے تحقق کے سوا کچھ نہیں ہوا۔ ایک فردی سوچ اور ایک فردی عمل اور چاپلوسوں کی بھیڑ۔ ہر ذہین اہل

حدیث سوال کرسکتا ہے کہ جماعتی تنظیم کیوں کبھی زیروگراونڈ سے آگے نہیں نکلتی۔ نہ اپنا کوئی
بیس بناپاتی ہے نہ موثر بن سکتی ہے نہ کہیں اپناوزن منواپاتی ہے لے دے کے مانگے کی اہل
حدیث منزل میں سمٹ کر رہ جاتی ہے۔ اور جو کام کرتی ہے وقتی بے اثر بے مقصد صرف
شہادت زور بٹورنے اور سطحی نیتاؤں کی طرح شو بزنس کرنے کے لیے۔ لیکن یہی بے مقصد
ناپائدار وقتی کاموں کو کوتاہی فکر ونظر کے شکار بہت اہم گردانتے ہیں۔ دراصل مسلک
وجماعت کی مطلوب وممکن اثر آفرینی اس لیے مفقود ہے کہ تنظیم کے قیام کے بعد ابھی تک
ہم عملی میدان میں اتر ہی نہیں سکے۔ ہم اپنے منہج اور مسلک کی عملی تعبیر سماج میں پیش ہی نہیں
کرسکے۔ موجودہ ماحول میں عملی اعتبار سے ہمارا کیا رول ماڈل ہونا چاہیے وہ ہماری طرف
سے پیش ہی نہیں کیا جاسکا۔ ہم جس جمود کے شکار ہیں اس کے سبب ہم اسلام کا مثالی اور عملی
نمونہ کسی کو بتا ہی نہ سکے۔

دراصل اجتہاد مصطلحات کے اعتبار سے بس ایک علمی اور کتابی تعبیر نہیں ہے۔ بلکہ اس
کی عملی وتطبیقی تعبیر ہی اسے باعث کشش اور ضرورت زندگی بتاتی ہے۔ اجتہاد کی ضرورت
اس وقت بھی بہت سخت ہوتی ہے جب اسلامی تعلیمات کی فردی وسماجی زندگی میں تنفیذ کی
بات ہوتی ہے۔ عملی طور پر ہماری بے بسی کا یہ حال ہے کہ اپنی مساجد کو موجودہ وقت میں اس
طرح نہیں رکھ پاتے جس طرح ان کو رکھنا چاہیے بلکہ تمدنی اعتبار سے بھی ہم ان کو چلانے
میں کوئی معیار قائم نہیں کرپاتے۔ تنظیم بنیادی کاموں کی طرف بھی توجہ نہیں دے پاتی۔ بلکہ
اہل منزل میں سمٹ کر رہ جانے کے باوجود ایک چھوٹی سی عاملہ کی میٹنگ بھی صحیح ڈھنگ سے
کنڈکٹ کرنے میں ہم ناکام رہتے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر تعلیم تربیت تنظیم سماجیات
سیاسیات معاشیات صحافت ریسرچ وتحقیق کی بات کی جائے تو ایک مذاق کے سوا اور کیا
ہوسکتا ہے۔

کوتاہ فکری اور کوتاہ نظری کے سبب جب تنظیم اہل حدیث منزل تک سمٹ کر رہ جائے
اور وہاں بھی کسی بدعنوان ہاتھ میں سمٹ کر رہ جائے تو کس عمل کی بات کی جائے اور کسی ورک
کلچر کا ذکر چھیڑا جائے۔

ہم ۱۹۸۰ء ہی سے تنظیم کی بابت بات کرتے ہیں کیونکہ پہلے تو اس کو سر چھپانے کے
لئے جگہ بمشکل ملتی تھی ۱۹۸۰ کے بعد کم از کم اسے سر چھپانے کی جگہ ملی ہے۔ اور ایک طرح
سے اس کے اندر استقرار آیا ہے۔ اس وقت سے دیکھئے تو اب تک میدان عمل خالی ہے۔
تنظیم کے پاس جمود وتعطل کے سوا کچھ نہ رہا۔ بس روایتی بے اثر اور بے نتیجہ کام۔ ایسی
حالت میں جب انسان کے لیے کرنے اور سوچنے کے لئے کچھ نہ ہو تو انسان کیا کرے گا۔
بیکاری میں فساد اور تنظیم کی تباہی کے سوا اور کیا ہوگا۔ تنظیم کا کام تھا کہ جماعت کے تعلیمی دعوتی
تربیتی سیاسی سماجی اور معاشی مفادات کے حصول کے لیے ہمہ وقت فکرمند رہے۔ اسباب
جٹاتی رہے افراد کار فراہم کرتی رہے اور ترقی کی راہیں کھولتی رہے۔ لیکن جتنے قائدین آئے
ان کے اندر اتنی صلاحیت تھی نہ اتنا لگن تھا نہ اتنی سوچ تھی کہ وہ ایسے عظیم کام کرتے۔ ان کے
سامنے تنظیم میں کام کی کوئی مثال بھی نہ تھی اور خود تیسرے درجے کی ذہنی صلاحیت نہ رکھنے
والی قیادتیں تھیں۔ اور ان کے مخفی مشیر کار عموما عیار اور مفاد پرست لوگ ہی رہا کئے ہیں اس
لئے روایتی جمود کی راہ پر چلنے کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ بہرحال جب ایسی
قیادتوں کے لئے راہ عمل نہ تھی خود اتنے دبنگ بھی نہ تھے کہ راہ تلاش کریں خود ساختہ آقاؤں
کا بھی ان پر ہجوم رہتا تھا اس لئے انہوں نے تنظیم کو بنانے سنوارنے مضبوط اور کارآمد بنانے
کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں۔ پوری جماعت کا نمائندہ رکھوالا اور راہنما بن جانے کی
کوششوں کو نظرانداز کردیا اپنے رجحان کے مطابق اپنی قیادت کو چمکانے، ذاتی اثر ورسوخ
بڑھانے اور شہرت کے حصول کے لئے بھاگنا ان کا مشغلہ بن گیا ہے۔ تنظیمی دورے کے
بجائے جوڑ توڑ سازش اور موامرت کے لئے نکلنا ان کا ترجیحی عمل بن گیا۔ اور موجودہ قیادت
نے تو حد کردی وہ جمعیت کو اپنا ذاتی آبائی جائداد بنا کر بیٹھ گئی اور ایسے تعنت تعلّی اور فریب
سے خیانتیں ہونے لگیں کہ تنظیمات کی تاریخ میں اس قیادت نے کرپشن بدعنوانی بے حسی
تعنت جہالت اور تنظیم کو تباہ کرنے علماء کا مورال گرانے اور ڈھونگیوں کو شوری وعاملہ میں
بھرنے یا کرائے کے ٹٹوؤں مدعوئین کے ذریعہ تنظیم میں بدعنوانی پھیلانے میں ریکارڈ قائم
کردیا۔

۱۹۸۰ء کے بعد سے جماعت کو کبھی یہ سجھائی ہی نہیں دیا کہ قیادت کی کوالٹی اور تنظیم کی ذمہ داری کو سمجھے۔ ساری قیادتوں نے مٹر گشتی کرنے بزم مسرت سجانے دھوم مچانے کی ناکام کوشش کرنے اور بلاعمل شہادت زور بٹورنے میں بہت تیزی دکھلائی۔ ان قیادتوں کی سرگرمیوں کا اگر جائزہ لیں تو ان کی کارکردگی کے چند عنوان تھے اپنا ایک جتھا بنانا۔ ان کے پھلنے پھولنے کے لئے اور اپنے پھلنے پھولنے کے لیے انتظام کرنا۔ پروگراموں میں وی آئی پی بن کر شریک ہونے کے لئے عیاں ونہاں کوشش کرنا۔ باہر بھاگنے اور لطف لینے کے لیے ہردم پارکاب رہنا۔ اور پورے ملک میں اپنے مہرے فٹ کرنا اور چاپلوسوں کی ایک بھیڑ جمع کرنے کا انتظام کرنا اور ان کے متعلق ہمیشہ فکرمند رہنا اور پورے ملک میں جاسوسی کا جال بچھا دینا اور ہر طرح کی گندگی اور تعصّبات پھیلانا۔

جب تنظیم کل کی کل قیادت کی ملکیت بن جائے اور اس کے گرد نااہلوں چاپلوسوں اور ابن الوقتوں کا ایک حلقہ بن جائے تو پھر اس وقت کیسے امید کی جاسکتی ہے کہ تنظیم میں ورک کلچر بن سکے گا۔

کسی بھی ادارے اور تنظیم میں ورک کلچر کا پایا جانا بہت ضروری ہے۔ یہی ورک کلچر کارکنوں کا استاذ ہوتا ہے ان کے اندر جذبہ عمل پیدا کرتا ہے اور قوت کارکردگی بڑھاتا ہے۔ ورک کلچر تنظیمات اور اداروں کے قائدین اور کارکنوں کا مثالی طریقہ عمل ہوتا ہے جو اپنے پیچھے اپنے بعد آنے والوں کے لیے چھوڑ جاتے ہیں۔ ورک کلچر فدائیت جذبہ عمل لگن اور مسلسل محنت سے بنتا ہے اور نمایاں کارکردگی اس کی پہچان ہوتی ہے۔

کسی بھی موثر تنظیم اور ادارے میں ورک کلچر بنانا پڑتا ہے۔ اس کے بغیر چارہ ہی نہیں ہے۔ اور ورک کلچر اسی وقت بن پاتا ہے جب کاموں کا بھرپور خاکہ سامنے رہے۔ اغراض ومقاصد طے ہوں طریقہ عمل متعین ہو۔ فکر ونظر کی گہرائی اور شادابی بھی پائی جائے۔

المیہ یہ ہے کہ کبھی تنظیم کو تنظیم مان کر چلایا ہی نہیں گیا۔ کل تک مرکزی جمعیۃ کا اپنا دفتر نہیں تھا کبھی ایک مسجد کے ایک حجرے میں کبھی دوسری مسجد کے حجرے میں۔ جس کو ناظم بنا دیا جاتا تھا وہی کل تنظیم کی کائنات ہوتا تھا حافظ یحیٰ جیسے لوگ اذیت پہنچانے کے لئے ہمیشہ اس

کے لئے دردسر بنے رہتے تھے۔ پہلے شرارت سے جمعیت کے لئے دردسر تھے اور اب اپنی منافقت کے ذریعے جمعیت کے لیے دردسر ہیں۔ بلکہ ملک بھر میں پھیلے افراد جماعت کے لئے ننگ ہیں۔ کچھ شہروں کے روساء ناظم پر حکم چلانے کے لئے ہوتے تھے۔ نہ کسی ریاست کا دفتر تھا نہ ضلعی اور مقامی جمعیتوں کی آفس نہ ذمہ دار نہ کارکن وراشتا چند لوگ جلسوں کے لئے کھڑے ہوجاتے رہے یا کبھی نام کی شوری وعاملہ میں شرکت کے لئے آگئے۔

پورے ملک میں پھیلی اتنی بڑی تعداد اور ہر طرف سناٹا۔ اپنا وجود ثابت کرنے کے لیے پہلے یکہ دکا کانفرنسوں کا انعقاد ہوجایا کرتا تھا آزادی کے بعد قومی اور صوبائی کانفرنسوں کا انعقاد ہوتا رہا ہے ان میں نوگڈھ کی کانفرنس بہت اہم مانی جاتی ہے کہ اس کانفرنس سے جامعہ سلفیہ کا قیام عمل میں آیا۔ اسی میں بنارس میں جامعہ کے قیام کی پیشکش کی گئی اور بنارس میں اس کے قیام کا فیصلہ ہوا اور اس کا ریکارڈ زبانی ہی سہی یہ بات حد تواتر کو پہنچ گئی اس کا انکار بدایت کا انکار ہے اور ایک طے شدہ امر کے خلاف شکوک پھیلانا درست نہیں ہے اور بھی لکھنے پڑھنے کے کام ہیں۔ فضول شگوفہ بازی اور نکتہ آفرینی مناسب نہیں یہ بات کانفرنس کی روداد میں کہیں لکھی ہو یا نہ لکھی ہو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اور کیا فرق پڑتا ہے جامعہ کے قیام کا فیصلہ کہیں بھی ہوا ہو یہ بڑی بات تو نہیں جمعیۃ نے اسے قائم کیا جمعیۃ کا نمائندہ ادارہ ہے اور جامعہ سلفیہ پھلا پھولا اور اس کا زبردست فائدہ جماعت کو ملا۔ مرکزی دارالعلوم کے قیام کا فیصلہ نوگڈھ میں ہوگیا تھا یہ ایک متفق علیہ حقیقت بن گئی۔ ویسے تو جماعتی پرچوں میں اہل حدیث علماء ودانشور یونیورسٹی قائم کرنے کی بھی بات کہتے اور لکھتے بھی تھے لیکن ان اداروں کا قیام عمل میں نہیں آیا۔ اور دیکھا جائے تو اصلا جامعہ سلفیہ کے قیام کے پیچھے سب سے زیادہ مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ کی کوششیں ہیں۔ وہی رحمانیہ دارالحدیث دہلی کی تڑپ لیے بنارس میں قیام پذیر تھے اور بنارس کے مدرسے کو رحمانیہ کا نقش ثانی بنانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی۔

نوگڈھ کانفرنس میں خود بڑی افراتفری تھی ایک گروہ انقلابیوں کا تھا۔ کمیونزم سے متاثر تھے اور دہلی میں بیٹھ کر فساد پھیلاتے تھے اور دوسری طرف تحریکی اہل حدیث گر گے بھی

کانفرنس میں خندہ دشمناں بنے موجود تھے اوراس کانفرنس کے بعدوہ جماعت اسلامی کے خیمے میں چلے گئے تھے۔

اب کانفرنسوں کا یہ حال ہے کہ الف سے یا تک وہ فسق وفجور خیانت جھوٹ مکروفریب میں ڈوبی ہوتی ہیں۔شہرت دولت خیانت اورشہادت زوران کا ماحصل ہوتا ہے۔

تنظیم میں بے عملی کا حال یہی رہا ہے کہ کولھو کے بیل کی طرح قیادتیں ذات پرستی منفعت پرستی اورمصالح پرستی کے گرد گھومتی رہیں ورک کلچر بنانے میں کسی ایک فرد کا کوئی کام نہیں رہا نہ ہے ذات کے گرد گھومنا قیادتوں کا مقدر ہے۔ان کے پاس کبھی چاک آوٹ، لائحہ عمل، عملی خاکہ رہا ہی نہیں۔نہ انہوں نے کام کرنا چاہا۔ان میں منصب کا نشہ شہرت کی ہوس تھی اور ہے اورخیانت میں بالکل ڈوبے ہوئے۔ فسادیوں ہنگامہ پروروں اور خوشامدیوں کی بھیڑ لگائے ہوئے قیادتوں نے کبھی کام کی لذت جانا ہی نہیں۔ جب دیکھئے آفس میں خوشامدی ڈیرا ڈالے ہیں، خودانھیں چوپال لگانا پسند۔آفس کے اوقات متعین نہیں۔کام کے اوقات متعین۔نہیں کسی مسئلے پرغورکرنے کی ضرورت ہی نہیں۔خوشامدی مشروعات لینے یا ذاتی کاموں کے لیے گھیرے ہوئے اورقیادتیں اس میں مگن کہ ان کی پوجا ہورہی ہے۔ان کی عظمت کا پھریرا اڑ رہا ہے۔نہ ریاستوں میں کام اورذمہ داریوں کی خبر نہ اضلاع میں۔ زیادہ سے زیادہ ذاتی جھگڑوں اورمنصب کے لئے مخاصمتوں کی خبر اوران جھگڑوں میں جتھا بنانے لڑانے اورحکومت کرنے کی خواہش۔

قیادتوں کو جب کام پیارا ہوتا ہے تو اچھے لوگوں اورصلاحیت والوں کو تلاش کرتی ہیں اورجب نام اورمال پیارا ہوتا ہے۔تو بے ضمیروں کو پسند کرتی ہیں اوراپنی طرح منصب اوردولت کے بھوکے لوگوں کو تلاش کرتی ہیں اورایسے لوگ بہت جلد قارورہ بھی ملا لیتے ہیں۔ہمارے سامنے ایسے بہت سے نام ہیں جن کو گنوایا جاسکتا ہے لیکن نام لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

مرکز کے علاوہ صوبوں اوراضلاع کو دیکھیں ان کے اکثر ذمہ دار تنظیم کے کاموں کے لیے فارغ نہیں ہیں اوراکثر تنظیم سے زمانے سے چپکے ہوئے ہیں اور بلاوجہ چپکے ہوئے

ہیں۔تنظیم کا کام ان کے لیے ضمنی بھی نہیں ہے۔بس نام کے لیے منصب سے چپک گئے ہیں ان کے نظماء ہی دستوری طور پر عامل ہیں لیکن کہیں امیر عامل بنا ہوا ہے اورناظم معمولی ملازم اوراکثر جگہ نظماء نوکری پیشہ ہیں۔تنظیم کی نظامت کے لیے فارغ نہیں ہیں اوراکثر ریاستوں میں تنظیم کا دفتر ابھی تک نہیں ہے یا ہے تو اس کا نہیں کسی مسجد کی عنایت ہے جب چاہے انھیں فارغ کردے۔

ہندوستان گیر تنظیم اورنام کے لئے مقامی پیمانے پر بھی قائم لیکن اس کے بیٹھنے کا نہ کوئی ٹھکانا، نہ کام کے لیے آدمی فارغ توقعات بڑے اوردعاوی لمبے لیکن زمینی حقائق زیرو، نہ کے برابر۔ جب تنظیمی حالت اس تضاد کا شکار ہوگی۔ جماعت کی افرادی قوت، انسانی وسائل برباد ہوں گے یا دوسروں کے استعمال میں آجائیں گے۔یہی وجہ ہے کہ اہل حدیث افراد جو دیگر تنظیموں میں جاگھستے ہیں اورضابطہ بندی کی وجہ سے ہمارے افراد طلباء اورعلماء کے لیے زیادہ پرکشش ہوتے ہیں اور چند افراد پر مشتمل ان کی منظّم سرگرمیاں ہماری بھیڑ پر بھاری ہوتی ہیں۔

اگر دیکھا جائے تو تعطل اور بے عملی کے سارے اسباب ہمارے ہاں جمع ہیں تضاد، کوتاہ نظری بے ضابطگی، طلب شہرت وجاہ خیانتیں، بدعنوانیاں، قیادت کا تصادم اسباب ووسائل کا غلط استعمال ضرورتوں کا عدم احساس۔سستی اورکام چوری روایتی ڈھرے نہ اترنے کی عادت۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جمعیۃ نے جماعت کی سونپی ذمہ داریوں کو بالکل نظرانداز رکھا۔ اسے صرف ذاتی مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنایا گیا۔قیادتیں اسے تنظیمی شعبہ تک نہ دے سکیں۔جبکہ یہ شعبہ افرادی طاقت اوربشری وسائل کے حصول کا بنیادی شعبہ ہے۔۱۹۸۵ کے بعد جب جمعیۃ کے اندر استقرار آیا اس شعبے کی اساسی ضرورت تھی لیکن نہ کبھی اس شعبے کا کوئی مستقل ذمہ دار بنا۔نہ اس کے خطوط کار طے ہوئے۔نہ اس کی ذمہ داریاں طے ہوئیں۔نہ اس کی سرگرمیاں جاری ہوئیں۔نہ اس کی نشستیں ہوئیں۔نہ ارکان اورتنظیموں کا ریکارڈ رکھا گیا۔نہ ارکان کی تربیت کا انتظام ہوا۔اسے وقتی طور پر انتخاب کے وقت برائے

نام استعمال کیا گیا اور بس۔ دستور کے برخلاف رکن سازیاں ہوئیں، جمعیات کی تشکیل ہوئی ارکان شوری بنے لیکن شعبہ تنظیم ان خلاف ورزیوں کے خلاف کبھی کچھ نہ کرسکی۔

جماعت اہل حدیث اتنی بھاری تنظیم اور اس کے پاس عملا و دستورا کوئی شعبہ نہ ہو محض دکھلانے کے لئے چند فائل۔ اس کا کام کیا رہا۔ کچھ نہیں۔ سارے کام ذاتی ہوئے ذات مفادات کو حاصل کرنے کے لئے اور چیلیوں چاپلوسوں کو پالنے کے لئے۔

عملا جمعیۃ دراصل زیروتھی اور زیرو ہے۔ اسے کبھی جماعتی مفاد میں سرگرم کیا ہی نہیں گیا تنظیم کے زیادہ اہم شعبے شعبہ تنظیم شعبہ دعوت وتربیت، شعبہ تعلیم اور شعبہ رفاہ عام تھا۔ لیکن کبھی نہ ان کا قیام عمل میں آیا نہ ان کی دستوری حیثیت سے قیام ہوا۔

تنظیم کو دراصل کوتاہ نظر قائدوں نے جیبی سائز بناکر اس کی مقصدیت ہی کو ختم کر دیا اور جب سے مشروعات کا سلسلہ شروع ہوا ہے مانگنے کھانے کے سوا تنظیم میں کچھ رہ ہی نہیں گیا۔

اس سے بڑھ کر مسکینی اور کیا ہوگی کہ پھر بھی منمانے والے مولوی تنظیم بدعنوان اور نااہل قیادت کو مثالی مانتے ہیں۔ ان کنویں کے مینڈھکوں کو اپنے وجود پر شرمسار ہونا چاہیے۔

تنظیم کی قیادت کے ہمراہی خواہ شوری کے ہوں خواہ عاملہ کے یا کہیں اور کے ان پر حالی کی (چپ کی داد) صادق آتی ہے۔ بیوہ ساری بیدادایاں سہتی ہے لیکن چپ رہتی ہے۔ ہماری تنظیم کی شوری یعنی مدعوئین خصوصی پر بیوگی طاری ہے اور ساری تنظیمی بدعنوانیوں اور رہزنیوں کو بیوہ کی طرح خاموش دیکھ رہی ہے۔ والعیاذ باللہ۔

☆ اجتماعی شعور اور حس کی کمی

جماعت اہل حدیث خالص اتباع کی دعوی دار ہے۔ اس کا تقاضا تھا کہ اس کے اندر اجتماعیت کا شعور سب سے زیادہ اجاگر ہو اور اس مسئلے میں اس کے اندر حساسیت لازمی طور پر زیادہ ہو۔ جماعت میں اس کا التزام اور تنظیم میں اس کے لیے کام ہونا چاہیے لیکن اس کی طرف بہت کم دھیان دیا گیا۔ دوسروں کے ہاں تقلید نے علماء وعوام کو جوڑ رکھا ہے

اور ایک طرح سے وہاں طبقاتی نظام قائم لازم ہے۔ تھیا کریسی کی بنیاد پر دیگر جماعتوں اور فرقوں کے علماء وعوام میں تال میل قائم ہے جبکہ تھیا کریسی بجائے خود ایک فتنہ ہے اور دین کی جگہ لے چکی ہوتی ہے تھیا کریسی صحیح دین کے مدمقابل ایک ظالمانہ اور غیر دینی رویہ ہے۔

ہماری جماعت میں تھیا کریسی نہیں چل سکتی ہے یہاں کسی کو مقدس گائے Holy cow بنانے کا تصور نہیں ہے۔ ہمارے بہت سے سادہ لوح علماء بھی بریلوی دیوبندی جماعت اسلامی اور شیعوں کی تھیا کریسی کو اپنی جماعت میں دیکھنا پسند کرتے ہیں ان کی تھیا کریسی کو جماعت ایک منٹ کے لئے گوارا نہیں کرسکتی۔ تھیا کریسی کے بعد خالص دین کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے۔ تھیا کریسی کو یعنی دین کے نام پر بنے بنائے سارے شخصی افکار واعمال نظام اور تنظیمات کو دین کا درجہ دینے اور اجتماعی اساس بنانے کو جماعت اسلامی والے اتحاد اور وحدت کہتے ہیں اور اس تھیا کریسی کو تسلیم کرنے کو بیچارے اسلامی وحدت کہتے ہیں۔ والعیاذ باللہ

ہمارے اصولوں کے مطابق وحدت اور اجتماعیت کا تصور یہ ہے (ان كنت على حق فانت الجماعة وان كنت وحدك اگر آپ حق پر ہیں اور تنہا ہیں تب بھی آپ جماعت ہیں توحید اور وحدت ہی ہماری پہچان ہے۔ اللہ تعالیٰ معبود برحق ہے کسی طرح کا شرک کا شائبہ بھی ہمارا مسلک برداشت نہیں کرتا۔ تاویل کے طور پر بھول چوک بھی شرک اور اس کے شائبے اسے برداشت نہیں۔ اسی کو وحدت اسلامی کی بنیاد مانا جاتا ہے اور وحدت انسانی کی بھی۔

اسی طرح وحدت اسلامی کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کامل ہے اس پر بھی ہمارا اٹل عقیدہ ہے اتباع کامل کے بغیر وحدت اسلامی کا تصور ممکن نہیں ہے۔

ان دونوں اساس کو چھوڑ کر جو تھیا کریسی اور مذہبی تشکیلات مسلمانوں کے اندر رونما ہیں۔ اس نے انھیں طائفہ منصورہ کے مفاہیم اور تقاضوں سے دور کر دیا ہے۔ ہمارا وحدت کا تصور اس دور میں طائفہ منصورہ اور طائفہ ناجیہ ہے نہ کہ دیگر اسلامی یا مسلم تھیا کریسیاں۔ جب مسلمان اصلی دینی تعلیمات اور اصول دین سے ہٹے تو انہوں نے اپنی الگ الگ

تھیا کریسی بنالی۔لیکن اہل حدیث کے لئے وہی اصل دین وہی دین کی اصل تعلیمات اوراصول وضوابط ہیں جن کورسول گرامی ﷺ ہمیں دے کر گئے ہیں۔

اصولاتو جماعت وحدت اسلامی پر پوری طرح قائم ہےلیکن عملا اس کے لئے جو جتن ہونا چاہیے وہ بالکل نہیں کیا جاتا اس سے انتشار اورفساد اتنا زیادہ پیدا ہوگیا ہے کہ طائفہ منصورہ کا عملی جلوہ مبہم ہوکررہ گیا ہے۔اس کے اسباب کیا ہیں۔

غلامانہ ذہنیت: یہ جماعت میں تضاد کی ایک شکل ہےاصول وضوابط کے اعتبار سے ایک اہل حدیث کواصول پسند اورضابطہ پسند بننا چاہیے۔اس کے اصول وعقیدہ کا یہی تقاضا ہے مگر ہورہا ہے یہ کہ دینی تنظیمی امورمیں سارے ضابطے بھلادیئے جاتے ہیں۔ یہ عجیب تضاد ہے ہمارے افراد میں کہ ایک طرف حریت فکر،تقلید وجمود سے تبری کا برابراعلان ہوتا رہتا ہے ۔اوردوسری طرف ذہنی غلامی کا عجیب افسوسناک منظر ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا کوئی قوم یا فرد اس تضاد کے ساتھ معزز بن سکتا ہے۔ جواب ہوگا ہرگز نہیں۔لیکن قابل غور یہ ہے ذہنی غلامانہ آتی کیسے ہے؟ ذہنی غلامی بسا اوقات تعلیم یافتہ مثقف اورمہذب لوگوں کے اندر بھی آجاتی ہے۔ دراصل جب قلب ودماغ پر مفاد پرستی کا پیلا پرت چڑھ جاتا ہے تواس یرقان کی موجودگی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کومتاثر کردیتی ہے اورلوگ اپنی مستقل دینی سوچ نہیں بناپاتے اوردوسری طرف دل کا صحیح فنکشن برقرارنہیں رہتا ہےاورآدمی بےضمیر ہوجاتا ہے۔اس لیے وہ کسی فرد ادارہ اورمرکز سے توقع باندھ لیتا ہے کہ اس کے مفادات ان سے پورے ہوں گے۔ یہ بے جا اور بلا جواز یافت کی کسی سے توقع باندھ لینا بڑی کمزوری ہے۔ایسی کمزور حالت میں انسان کے اندر سے اجتماعی حس مرجاتا ہے وہ اپنے مفادات کا اسیر بن جاتا ہےاور ہراس فردمرکزیاادارے کے پیچھے بھاگتا ہے جس سے اس کوفائدے کی توقع ہو۔وہ کسی تنظیم اور جماعت سے وابستگی نہیں رکھ سکتا۔

غلامانہ ذہنیت اس سے پیدا ہوتی ہے کہ انسان مغفل ہے یا کھیل تماشا اس کی طبیعت میں داخل ہے سنجیدہ اورذمہ دارانہ زندگی اسے راس نہیں آتی ہے ایسے لوگ اصول وضوابط سے کٹ کرکسی بھی من پسند فرد جماعت اورادارہ کی طرف بھاگنے لگتے ہیں۔ایسے لوگوں کو

اجتماعیت، راہ راست اورحق وخیر سے زیادہ دلچسپی نہیں ہوتی۔ایسے لوگ کسی چمتکاری کسی شگوفہ باز، کسی بڑبولے کسی سخن طراز اورملمع ساز کے جلد شکار ہوجاتے ہیں انھیں اصول ضابطوں اورمنہج کی پروانہیں ہوتی اورمفاد پرست انھیں جلدا چک لیتے ہیں۔

ایسے لوگ بھی غلامانہ ذہنیت کے حامل ہوتے ہیں جو سماجی زندگی کے ظاہری دکھاوےاورطمطراق کوزیادہ پسند کرتے ہیں۔ان کوظاہرداریاں اورطمطراق جہاں بھی دکھلائی دیدے اس کے اسیر بن جاتے ہیں۔ جماعت سے انتساب رکھنے والے جولوگ جماعت اسلامی وحیدالدین خان ڈاکٹر اسراراحمد اورڈاکٹر نائک کو پسند کرتے ہیں اور پسند ہی نہیں کرتے انھیں کوئی آسمانی مخلوق سمجھ بیٹھتے ہیں ان کی پریشانی یہی ہے کہ طبیعت میں ممتاز اورنمایاں ہونے کا روگ موجود ہوتا ہےاور جہاں اس ممتاز اورنمایاں رہنے والی ذہنیت کوتسلی ملتی ہے ایسے لوگ شان اورفخر وناز کے طور پر ایسے لوگوں سے خود کو جوڑنے لگتے ہیں۔انھیں اپنی جماعت کمزوراورحقیر معلوم ہونے لگتی ہے۔

☆**خارجی ذہنیت**: (۱) خارجی ذہنیت اجتماعی شعور کو برباد کرنے میں سب سے زیادہ مہلک ہےاوراس کے اثرات ہرطرف پھیلے نظر آرہے ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ اطاعت واتباع کا راستہ صراط مستقیم کا راستہ ہے۔اس کے دومحاذی راستے ہوتے ہیں۔ ایک محاذی راستہ تفریط کا راستہ ہوتا ہے۔ یہ جمود اورتقلید کا راستہ ہوتا ہے اور دوسرا راستہ افراط کا ہوتا ہے یہ خارجیت اور بغاوت کا راستہ ہوتا ہے خارجیت کہیں بھی پیدا ہوسکتی ہے اور بےشمار شکلیں اختیار کرسکتی ہےاوراس کے مختلف درجات ہوسکتے ہیں۔خارجیت سیاسی بھی ہوسکتی ہے ۔سماجی بھی ہوسکتی ہے فکر وخیال کی خارجیت ہوسکتی ،عقیدہ وعمل کی بھی خارجیت ہوسکتی ہے۔

کتاب وسنت کی دعوت سے وابستہ لوگوں کے اندر خارجیت کے جراثیم موجود ہیں۔ اوران جراثیم کے ہوتے روز نت نئے جتھے بنتے ہیں۔کہیں خارجیت پسندانہ فتوے ہیں کہیں خارجیت پسندانہ دعوت وتبلیغ ہے۔کہیں خارجیت پسندانہ ادارے ہیں۔ کہیں

(۱)اس کے لیے میرے دورسالون ''خارجیت اوراس کے اسباب''،''موجودہ خارجیت اوراس کے اسباب''۔

خارجیت پسندانہ صحافت ہے ایک بے راہ روی ہوتی ہے کہ انسان غفلت کا شکار ہوتا ہے ایک یہ ہے کہ خارجیت کو نظریہ وعمل کے درجے میں رکھا جائے اوراسکی پابندی کی جائے اوراس کی دعوت دی جائے۔

پورے ملک میں پھیلی بھانت بھانت قسم کی خارجیت پسندی کی ذہنیت کے حامل لوگ موجود ہیں۔اصول جماعت سے اورمقاصد جماعت سے تفرق اختیار کرنے والے دعاوی عریضہ کے رکھنے والے اور جماعت پر حق امتلاک جتلانے والے موجود ہیں۔ خارجیت کا ذہن رکھنے والوں میں سب سے زیادہ خطرناک وہ لوگ ہیں جنہوں نے سیکولر تعلیم حاصل کی ہے۔دین پسندی آگئی ہے اردوانگریزی کتابوں کا مطالعہ کرلیا ہے اوردعوت وخطابت کو مشغلہ بنالیا ہے۔خودساختہ مفکر دانشور داعی اورخطیب بن بیٹھے ہیں۔ یہ چند ظاہری تعلیمات دین کے سوا کچھ جانتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔لیکن ایسا شو کرتے ہیں جیسے علم دین کے کل وارث یہی ہیں اور دینی قیادت ان کے ہاتھ میں ہے۔ان کی بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ علوم دینیہ اسلامیہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور نہ مستند علماء اسلام کو۔ان میں ایسے بھی ہیں جو ہندوستانی جماعت کے علماء کو عالم ہی تسلیم نہیں کرتے اورٹھیک اس وقت خود ہی عالم خود ہی مفتی اور خود ہی خطیب بن جاتے ہیں۔ یہ عجیب قسم کی خود پرستی خوش فہمی اور جہل مرکب کے شکار ہیں۔ان کے رویے سے دین علوم دینیہ علماء اوراصول ومنہج کی توہین وتخفیف ہوتی ہے۔انھیں لوگ میں ایسے لوگ بھی موجود ہوسکتے ہیں جو فساد کو جہاد مانے ہوئے ہوں اور باغیانہ سوچ کی پرورش کرتے ہوں اور جماعت اورملت کے لیے خطرہ بنے ہوئے ہوں۔ جب ذہنوں میں خود پرستی اور خودرائی پیدا ہوتی ہے اورعلماء اثبات پر لوگ اعتماد کرنا چھوڑ دیتے ہیں اوراپنی منزل خود طے کرنے لگتے ہیں توان کے اندر بے راہ روی آتی ہے اورایسے لوگ اجتماعی حس کھودیتے ہیں ان کے اندر شذوذ پسندی آجاتی ہے اور خودرائی انھیں دینی طور پر نااہل اورفتنہ بنادیتی ہے۔ اوراگران فتنوں کو چک نہ کیا جائے انھیں من مانی کرنے کی چھوٹ مل جائے تو ایسے لوگ جس فکر وخیال اورجس جماعت یا مسلک سے وابستگی رکھتے ہیں۔ان کے لیے مہلک بن جاتے ہیں۔ یہ صورت حال دراصل

ایسی جماعت یا مسلک کے لیے نہایت پریشان کن ہوتی ہے۔ یہ حالات اگر دیکھا جائے توہماری جماعتی اورتنظیمی بےخبری اور بے اثری کی دلیل ہیں۔

☆ عدم احتساب

جمعیۃ یا جماعت میں کسی احتسابی ادارہ کا ہونا بہت ضروری ہے۔سماج ومعاشرہ میں خرابیوں پر نقد وتنقید کا کام تو ہوتا ہے لیکن ایک جماعتی یا اجتماعی فیصلہ قرارداد یا فتوی کی اشد ضرورت ہے۔اگراس کا انتظام رہے تو اجتماعی خطوط سے لوگ باہر نکلنے میں جری نہ ہوں۔یا اپنی مان مانی کرنے میں آزادانہ ہوں۔اسی طرح اگر جماعت کا احتسابی ادارہ ہو اور وہ تمام جماعتی،تنظیمی سرگرمیوں پر نظر رکھے ان پر اشراف کرے انکا احتساب کرے اوران کے لیے گائڈلائن تیار کرے کمیوں میں رہنمائی کرے۔غلطیوں پر ٹوکے اورسرکشیوں پر سرزنش کرے اور جماعت وجمعیۃ کو اس کے متعلق آگاہ کرے تو من مانی اور بگاڑ کی گنجائش کم رہے خودرائی اورخودسری کو پھیلنے کا موقع نہ ملے۔

احتسابی ادارے یا احتسابی نظام کے نہ ہونے سے ہر طرف عدم ترابط ہے اتھل پتھل ہے افراتفری ہے۔تنظیم بگاڑ کا شکار رہے۔قیادت تنظیم میں من مانی کرتی ہے۔اندازہ لگائیں جمعیۃ میں مالی منصبی خیانتیں روزروشن میں ہوئیں۔شوری عاملہ کی نگاہوں کے سامنے ہوئیں۔قیادت کیا کرتی ہے؟ کہاں جاتی ہے،کیالاتی ہے؟ کیا خرچ کرتی ہے یہ اموراس کا ذاتی مسئلہ بن کررہ گئے ہیں۔اگر احتسابی ادارہ ہوتا تو ہر لغزش پر احتساب ہونا۔خیانت منافقت اورعصیان صریح کمال میں نہ بدلتا۔نہ آوے گا آواں تغافل کیشی کا شکار ہوتا نہ خیانتوں میں شریک ہوتا۔

اسی طرح اگر احتسابی ادارہ ہوتا ہے تو اداروں کے کھولنے،مساجد بنانے چندہ کرنے تقریریں کرنے میں آزادی نہ ہوتی نہ کرپشن پھیلتا نہ خوشامدی پیدا ہوتے، نہ تھوک کے حساب سے خیانتیں ہوتیں نہ جمعیۃ وجماعت کا مورال گرتا۔

اس ادارے کے موجود نہ ہونے یا احتسابی نظام کے نہ پائے جانے سے عصیان سرکشی خودرائی خود پسندی خارجیت کے اسباب کو پھلنے پھولنے کا خوب موقع ملا۔حدتو یہ ہے

کہ دعوت وتبلیغ کے نام پر فساق وفجار، بدقماش، جماعتی وقار اور مسلکی عظمت کو ملیامیٹ کرنے والے اور ہرات کی فیس مقرر کرنے والے قصہ گو غیر معتبر غیر ثقہ علم وکردار سے عاری لوگوں کو دعوتی اسٹیج کی زیب وزینت بنا دیا گیا۔ ثقاہت ومعتبریت اور عدالت مسلک کی شان پہچان اور امتیاز کو کلی طور پر نظر انداز کر دیا گیا۔

تعمیر مساجد اور مشروعات کے نام پر ایسی اباحیت پھیلی ہوئی ہے اور لوٹ کا بازار گرم ہے کہ انسانیت وشرافت سے عاری جماعتی وقار وعظمت سے خالی دریوزہ گر قسم کے لوگ من مانی جماعتی کا ز کو بیچتے کھاتے ہیں۔ تعمیر مساجد اس وقت سب سے زیادہ کمائی کا ذریعہ ہیں۔ اور اس میدان میں زیادہ تر غیر ثقہ بے ضمیر اور بے ایمان قسم کے لوگ ہیں جو کمیشن خوری دلالی اور بے ایمانی کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں اور جماعت کے لئے وبال جان ہیں اور جہاں بھی ہیں ان کی ذات سے بدعنوانی پھیل رہی ہے۔ ایسے بے شمار مشروعاتی ہیں جو تعمیر مساجد کے نام پر دجل کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں اور ایسی ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ شیر بازار کے دلال بھی ایسی حرکتیں کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ مساجد بنوانا ایک مقدس کام ہے غریب اہل حدیث خواہ شہر میں ہوں خواہ دیہات میں، مساجد کے ضرورت مند ہوتے ہیں۔ یہ ضرورت اپنی جگہ درست ہے۔ لیکن کیا ان ضرورتوں کا استحصال کرنا درست ہوگا۔ پیسے والے مساجد بنوا کر ثواب کمانے اور صدقہ جاریہ قائم کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں اور مساجد کی لوگوں کو ضرورت بھی ہوتی ہے لیکن بیچ کے دلال جو مساجد بنانے کے لیے پیسہ مہیا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں ان میں ایسے ایسے لوگ ہیں جن کی فطرت مسخ ہوگئی ہے۔ پورے ملک میں کمیشن خوری کی لالچ میں ایسی ایسی مسجدیں بن گئی ہیں کہ ان میں نمازی کبھی نہیں آتے۔ مستقلا ایسی مساجد میں تالا لگا ہوا ہے اور زیادہ سے زیادہ منافع خوروں کی لالچ میں تعمیر مساجد کے بہت سے ایجنٹ تعمیری مٹریل کے سپلائر اور خود ہی بلڈر بن کر ایسے ایسے غضب ڈھاتے ہیں کہ مساجد کی عمر ۱۵۔۲۰ سال سے زیادہ نہیں ہے۔ سب سے بڑا غضب یہ ڈھایا جا رہا ہے کہ مساجد کے ضرورت مندوں سے سودے بازی ہوتی ہے۔ ان سے رشوت طلب کی جاتی ہے۔ تعمیر مساجد کی رقم میں اتنی خیانت ہوتی ہے کہ بسا اوقات

اکثر پیسہ یہ خود کھا جاتے ہیں اور بسا اوقات ایک مسجد کے نام پر کئی مساجد کی مشروعات لائے جاتے ہیں۔

اور ایک ہی فوٹو کئی جگہ پیش کئے جاتے ہیں۔ جمعیۃ وجماعت کی نگاہوں کے سامنے یہ ساری حرام خوریاں اور مذلوجی حرکتیں ہوتی ہیں لیکن ایسے مجرموں کی حرکتوں پر کوئی ٹوکتا نہیں بلکہ اعیان جماعت ایسے حرام خوروں کی تکریم کرتے ہیں اور ایسے حرام خور جمعیۃ وجماعت کی قیادت یا ان کے مسائل میں مداخلت کا خود کو حقدار گردانتے ہیں اور اندرون وبیرن ملک ان کی سرگرمیوں کو سراہا جاتا ہے۔

یہی حال دیگر مشروعات کا ہے۔ ہر طرف خیانت کا بازار گرم ہے لیکن ان کا احتساب نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسی حرکتیں کرنے والے نحوست کے شیطانی ماڈل یہ جتاتے پھرتے ہیں کہ وہ چندہ مانگ کر لائے ہیں ان کا اپنا مسئلہ ہے دوسروں کو اس میں بولنے کا کیا حق ہے؟ اگر اس دعوے کو صحیح مان لیا جائے تو چور ڈاکو جیب کترے سبھی یہی دعوی کر سکتے ہیں لیکن وہ ایسا دعوی نہیں کرتے۔ ان دین کے ٹھیکیداروں سے زیادہ بہتر تو وہی نکلے کہ اپنے جرائم کو وہ غلط مانتے ہیں۔ یہ ملت جماعت مسلک اور دین کے نام پر مانگنے والے بھک منگے صدقات وخیرات کے مال پر عیاشی کرتے ہیں اور اس پر شرمانے کے بجائے فخر کرتے ہیں۔ پتہ نہیں ان کا دین ضمیر انسانیت کہاں مرگئی ہے۔ یہ علوم دین سیکھنے والے اور عالم ہونے کے دعوی دار کس ابتری اور ذلت کے گڈھے میں جا گرتے ہیں سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر یہ سب کام کرنا ہے تو کیجئے ایمانداری شرافت اور دین داری سے دشمنی کیوں کی جائے۔

ایسے ایسے مشروعاتی نکل رہے ہیں کہ خیراتی پیسوں پر فائیو اسٹار ہوٹلوں میں جشن مناتے ہیں اور خود کو سیلیبر یٹی میں شمار کرنے کا ان کے اوپر دھن سوار ہے۔ ایسے اندھوں کی بھی اہمیت تسلیم کی جاتی ہے خیرات کے پیسوں کی یہ درگت اور کافروں کی سیوا تف ہے ایسی سوچ پر۔

یہ ساری بدعنوانیاں جماعت میں جاری ہیں اور جماعت میں دین کے نام پر کرپشن زوروں پر ہے مگر کہیں کسی جگہ ان کا کوئی احتساب کرنے والا نہیں ہے۔

کسی بھی اجتماعی دینی کام کے اصول ہیں۔ یہ سارے کام کسی بھی علاقے میں اہل حل وعقد کے واسطے سے ہوتے ہیں۔اس دینی عمل اوراس کے اجراء کی شرط کوتسلیم کرنے کے بعد ہی کسی اجتماعی دینی کام کوشرعیت اور جواز مل سکتا ہے لیکن ہوس، طمع زراوراقتدار پسندی نے لوگوں کوسارے اسلامی اجتماعی بندھنوں سے آزاد کردیا ہے۔

☆ تربیت کا فقدان:

تنظیم کی سب سے بڑی کمی یہ ہے کہ یہاں تربیت کا فقدان ہے۔ یہ فقدان متنوع قسم کا ہے۔اتنی بڑی تنظیم چلانے کے لئے جن تجربات اورصلاحیتوں کی ضرورت ہے وہ کالعدم ہیں۔بس روایتی قسم کا چوپال لگانا ہی ہمیں آتا ہے۔تنظیم کو قیادت اپنے زیراستعمال لانا جانتی ہے جیسے داتا کا دربار کھلا ہے اور ہردم احتیاج مند وہاں حاضر رہتے ہیں۔ نہ اوقات کار، نہ کارکردگی، جب جی چاہا اورجس وقت چاہا حاضر اور شیخ چلیوں کی طرح تصرفات جاری اور جب جی نہیں چاہا غائب اورآفس میں کام نہیں وقت گذاری۔

روزمرہ نہ وقت کی پابندی نہ ضابطہ بندی، سب کچھ حسب مرضی، نہ کارندوں کے حقوق، نہ وقت کا پاس لحاظ۔رات میں دربار لگ گیا تو کارکنوں کی حاضری ضروری یا کم ازکم دست غیب پانے والے دست بستہ حاضر۔ نہ فیصلہ لینے کی صلاحیت نہ اسے نافذ کرنے کی صلاحیت، نہ شورائیت کی صلاحیت، نہ منصوبہ بندی، نہ پروگرامنگ، نہ کام کی پالیسی، نہ اغراض واہداف سمندر میں ستو گھولنا کام اورموجود امکانات اورصلاحیتوں کا ضیاع۔

اگر تنظیم کی ضرورت اہمیت اورکارکردگی کے لئے تڑپ ہوتی تو تربیت کا انتظام ہوتا لیکن موجودہ صورت میں تنظیم تربیت نہیں تخریب اورفساد کی آماجگاہ ہے اور پورے ملک میں ہرطرف اس کی وجہ سے بدعنوانیاں پھیلی ہوئی ہیں۔

کارکنوں، منصب داروں ارکان شوری عاملہ سب کے لئے تربیتی نظام کی ضرورت ہے تاکہ تنظیمی کارکردگی کے لئے ذہنوں ہیں قربت پیدا ہو، ذہنی ناہمواریاں دورہوں اورصلاحیتوں میں نکھار پیدا ہو۔ذہنوں سے فساد اور بگاڑ کے جراثیم ختم ہوں۔ ہرکارکن عہدہ دار شوری وعاملہ کا ممبر مقامی سے لے کر مرکز تک اپنی ذمہ داریوں کو سمجھے۔ اس طرح

جماعت کے افراد کے لئے زیادہ سے زیادہ تربیتی نظام کی ضرورت ہے تاکہ قلوب واذہان میں خیر کی بیج ڈالی جاسکے اور خیر کا پودا اگے اورلوگوں کی تعمیری صلاحیتیں بروکار آئیں اورشر کے جراثیم مرجائیں۔ ذہنوں میں وسعت پیدا ہو۔ دل کے دروازے کھلیں۔ سوچ میں یکسانیت پیدا ہو۔سماج ومعاشرے کی ریت ورواج کی جکڑبندیوں سے آزاد ہوں، شکوک وشبہات کے دروازے بند ہوں۔

تربیتی نظام جماعت اور جمعیۃ میں کہیں نہیں ہے اورکبھی نہیں رہا جس کے سبب فکرونظر میں باہم افراد کے اندر اتنا بعد ہے کہ کسی طرح جماعتی اور تنظیمی افراد کے درمیان تال میل بن ہی نہیں پاتا۔اوراوپر سے ان کے اندر موجود کرپشن۔ سارا نظام حیات درہم برہم ہے۔تربیتی نظام کا ہماری جماعت وجمعیۃ میں فقدان ہے۔اس کی جگہ گھسیارے مقرروں نے لے رکھا ہے جوافراد جماعت کی گمراہی سطحیت اور پھکڑ پن کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ یہ اسقدر بازاری ہیں کہ ان سے سوائے شر کے خیر کی امید ہی نہیں کرنی چاہیے۔اوپر سے ملاٹیکس کا ایسا چلن ہے اوراس جنگجویانہ انداز سے اسے وصول کیا جاتا ہے کہ جیسے اہل حدیث عوام ان کی جاگیر میں داخل ہیں۔ دراصل ان دجاجلہ کوموقع اسی لئے ملتا ہے کہ یہاں ان کے لئے نہ کوئی اشراف ہے نہ ان کی پرشش ہے اس لئے یہ شیر بنے نظام تربیت کا بدل بنے ہوئے ہیں۔

تربیتی نظام کے فقدان کا ایک نقصان نہیں ہے اس کے دسیوں نقصانات ہیں۔ انتشار فکری، ذہنی عدم ترکیز، شکوک وشبہات کے پھیلاؤ، ذہنی ناہمواری، سیرت وکردار میں جمود وخرابی، ذہنی تنگی کوتاہ نظری، فطری توانائیوں کی بربادی، تعاون کے جذبے کا فقدان، اخوت وبھائی چارے کی کمی، بے اعتباری، ثقہ بالنفس کا فقدان، تعمیری سوچ بننے میں رکاوٹ وغیرہ وغیرہ۔

نظام تربیت کے فقدان کا نتیجہ ہے کہ تنظیم سے وابستہ لوگوں کے اندر مقصد سے لگاؤ کم ہے۔تعلیم یافتہ اورغیر تعلیم یافتہ سبھی کسی فیصلے پر پہنچنے میں کافی دیر لگاتے ہیں اورعموماً چوپالوں کے لوگوں کی طرح ہاتھ اٹھانا جانتے ہیں۔تربیت کے فقدان کے سبب فکری انتشار کے ساتھ فکری بالیدگی میں رکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے اورعملی قوت نمایاں نہیں ہوتی ہے اور نہ ان

کے استعمال کے طریقے واضح ہوتے ہیں۔عدم تربیت کی حالت میں جمود اور یکسانیت ہی ہاتھ آتی ہے۔کیا یہ بتلانے کی ضرورت ہے کہ یہی ساری سلبیات زمانے سے ہمارا مقدر ہیں۔

تربیت خواہ دینی تزکیہ کے لئے ہو خواہ دینی امور کی بجا آوری کے لیے ہو۔تربیت تنظیمی کاموں کے اندر تیزی اور تنوع لانے کے لئے ہو۔ یا ذہنی ناہمواریوں کو دور کرنے کے لئے ہو۔ یا اجتماعی کاموں کو منظّم اور فعال بنانے کے لئے ہو یا فکری وعملی توانائی بڑھانے کے لئے ہو۔ یا ضابطہ بندی اور اصول پسندی کے لئے ہو۔ یا فنی مہارت پیدا کرنے اور تجربوں اور صلاحیتوں کو مانجھنے اور ان کو شارپ بنانے کے لئے ہو ان سب کی ضرورت ہے اور شدید ضرورت ہے۔

انھیں انواع واقسام کی تربیت کا فقدان ہے کہ عاملہ وشوری کی مجلسیں چوپال کا شکل لے لیتی ہیں۔ایسی موقر مجلسوں میں عموماً بات کرنے کا طریقہ بھی لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا اور کسی ترتیب اور سسٹم سے بات کرنے کے بجائے تقریر تکرار ٹکراؤ کا ماحول ہوتا ہے اور کسی ایجنڈے پر ترتیب وار مرکز بات بھی نہیں ہو پاتی۔ بلاوجہ ہر آدمی بات کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ موقر مجلسیں کبھی کسی فیصلے پر نہیں پہنچ پاتی ہیں۔دراصل قیادت کی یہ کوشش ہی رہتی ہے کہ اراکین تنظیم معطل رہیں اور ذمہ دارانِ تنظیم صرف اتنا سوچیں جتنا اسے مطلوب ہے اور اراکین شوری اور عاملہ صرف وہی کہیں جو وہ چاہتی ہے۔

اس ذہنیت یا روٹین نے پوری تنظیم کو معطل اور کارکنان تنظیم اور شوری وعاملہ کو بانجھ بنا کر رکھ دیا ہے۔دراصل اگر تنظیم میں کوئی بگاڑ نہ ہو صرف یہی تربیت کا فقدان ہو اور قیادت یا تنظیم کا بنا ہوا روٹین کارکنوں اور اراکین شعوری وعاملہ کو فکری وعملی طور پر بانجھ بنادے یہی تنظیم کو برباد کرنے کے لئے کافی ہے۔ ذرا اندازہ لگایئے اس فکری وعملی بانجھ پن کا کس قدر مضرت رساں اور تباہ کن ہے یہ فکری وعملی بانجھ پن۔اس کا نتیجہ ہے کہ ۱۹۸۵ سے اب تک تنظیم صرف ہواؤں پر سوار ہے اور بسا اوقات تیس تیس سال کے ایجنڈے بتکرار دہرائے جاتے ہیں اور اس طویل مدت میں اس کمپیوٹر دور میں تنظیم جہاں تھی وہیں ہے اور وہ افراد جو تنظیم سے وابستہ ہیں ایک انبوہ اور بھیڑ ہاتھ اٹھانے اور چوپالی ہاؤ ہو کے سوا کچھ نہ سیکھ

سکے نہ ان کے اندر کسی طرح کی فکری بالیدگی آسکی۔

اس فکری وعملی بانجھ پن کا نتیجہ ہے کہ نہ ہمارا کوئی خطاب اسلامی ہے، نہ ہمارے مضامین زندگی میں تنوع ہے۔نہ ہمارے سامنے چند فروعی مضامین کے سوا عموماً کوئی مضمون ہوتا ہے، حتی کہ دین کے کلیدی مسائل بھی ہماری توجہ سے محروم رہتے ہیں۔معاشیات سماجیات سیاسیات کے عائلی امور، تعلیم، صحت، نوازل کے مسائل ہماری پہنچ سے باہر ہیں حتی کہ فقہیات کے اہم مسائل سے ہمیں بے خبری ہے جبکہ ہمارے علماء بحیثیت مجموعی ان تمام مضامین اور مسائل کو سمجھنے ٹیکل کرنے اور افراد جماعت کے لئے ان کے احتیاجات اور تاثیرات کا اچھی طرح ادراک حاصل کر سکتے ہیں لیکن تنظیم کی الھڑ قیادتیں اور پھر ان کی نفس پرستی خود غرضی طمع اور خیانت اور ان سے بڑھ کر تنظیم کا بگڑا ڈھانچہ اور بانجھ روٹین نے افراد تنظیم اور علماء جماعت اور حساس افراد کو بے حد مایوس کیا ہے۔

عدم تربیت کا نتیجہ ہے کہ ہماری تنظیم ایک چوپال اور اکھاڑا بن کر رہ گئی ہے اور کم از کم ۱۹۸۵ سے اب تک ہم ہر شے میں گھسی پٹی راہوں پر چل رہے ہیں۔قیادت میں ابتکار اچھوتا پن اور نیا پن کبھی آیا ہی نہیں۔اور قیادتیں کبھی نئی راہ نہ دکھاسکیں۔نہ نئے طریقے پر سوچ سکیں۔کسی بھی تنظیم میں اگر لوگ اس کے روٹین سے ہٹیں نہیں اور قیادتیں بانجھ ہوں تو تنظیم سرگرم نہیں ہوسکتی۔بدقسمتی سے اسے جتنی قیادتیں ملیں سب تیسرے درجے کی تھیں جو فکری بانجھ پن کا شکار رہیں اور انہوں نے تنظیم کو کھلواڑ بنا کر رکھ دیا۔

دراصل اس عدم تربیت اور اس کے نتیجے میں فکری وعملی بانجھ پن ہے کہ بڑے بڑے علماء بھی اس بانجھ پن کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں اور انھیں کچھ سجھائی نہیں دیتا اور وہ بھی اس بانجھ پن کے دائرے میں رہ کر قیادت کی نااہلی بدعنوانی اور خیانتوں کو جائز قرار دینے کے لئے اجتہادی قوت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

جب فکری وعملی بانجھ پن کسی تنظیم میں گھس آتا ہے تو ترقی ابتکار اور نئے پن کی ساری راہیں بند ہوجاتی ہیں۔ ہر طرف بلادت چھا جاتی ہے۔جمود کو سب سے زیادہ خوبی مانا جاتا ہے اور پوری قوم منمناہٹ بزدلی دون ہمتی اور جمود کا شکار ہوجاتی ہے آج جماعت کے

اوپر قیادت کا یہی بانجھ پن چھایا ہوا ہے اور ہر طرف لوگ بلادت کے شکار ہیں۔ لب و لہجے میں منمناہٹ آگئی ہے اور جن کو علماء کبار کہنا چاہیے وہ بھی علماء سوء کی طرح بلادتوں خیانتوں بدعنوانیوں اور نااہلیوں کو اچھا بتانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

تربیت کے فقدان نے قیادتوں کو خودغرض نفس پرست اور موقع پرست بنادیا ہے اوران کو ذاتی فوائد کے حصول کے لئے سرگرم کردیا ہے اور یہ ساری سرگرمیاں جماعتی مفاد میں نہیں ہوتی ہیں۔ تنظیم اور افراد تنظیم کو انکا فکری وعملی طور پر بانجھ بنانے کے بعد ان کے لئے چاندی ہی چاندی ہے۔ وہ قائدین تنظیم جو سرگرم نظر آتے ہیں تنظیم کے روٹین ورک سے باہر نہیں آپاتے اس لئے ان کی سرگرمی محض ان کی ذاتی سرگرمی بن کررہ جاتی ہے اور تنظیم ان کے جیب کی چیز بن کررہ جاتی ہیں۔

یہ نقطہ سب سے زیادہ حساس اور غور طلب ہے کہ کیا تنظیم کے روٹین ورک تیس سالوں میں کبھی بدلے؟ کیا اس وقفے کے قائدین نے جمود سے باہر قدم نکالا، کیا فکری وعملی بانجھ پن سے تنظیم اور افراد کو نکالنے کی کبھی انہوں نے کوشش کی؟ کیا کبھی انہوں نے تنظیم میں موجود فکری وعملی جمود کو توڑنے کی کوشش کی؟ کیا اس کے لئے کبھی کوئی تربیتی انتظام کیا؟ کیا خود ان کی سوچ میں کبھی نیاپن محسوس ہوا۔ کبھی نہیں۔ بلکہ اس جمود اور بانجھ پن کو انہوں نے اپنے مفاد میں استعمال کیا اور اپنی حرام کاریوں اور حرام خوریوں کو تنوع اور وسعت دی اور تنظیم سے وابستہ ذمہ داروں کو ان پر پردہ ڈالنے بلکہ انھیں کمالات میں گنوانے میں استعمال کیا۔ اور ناکارہ لوگ ایسے جری ہوگئے کہ مسلکی امتیاز و پہچان اور اباحیت پسندی کو کام میں لاتے ہوئے یہ کہتے پھرتے ہیں کہ قیادت نے خیانت کی تو کوئی بات نہیں دوسروں نے بھی تو کھایا ہے۔ یہ گنوارپن کی کافرانہ دلیل ہے یعنی ایک قتل ایک زنا ایک چوری ایک ڈاکہ دوسرے قتل دوسرے زنا دوسری چوری اور دوسرے ڈاکہ کے جواز کا سبب بن سکتا ہے۔ اسے کیا کہیں یہ ہے تنظیم میں پھیلے فساد بدعنوانی اور فتنے کا نتیجہ اور عدم تربیت کا ثمرہ۔

حیرت ہے علماء بھی یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ جو ہورہا ہے سب صحیح ہے۔ یہ کیا ہے فکری عدم بلوغت اندھاپن اور فکری وعملی بانجھ پن اور جمود۔ اس جمود نے تنظیم میں پھیلے فساد

بگاڑ خیانت بدعنوانی اور نااہلی کو بڑھاوا دیا ہے اور تنظیم کو معطل کرکے رکھ دیا ہے۔

عدم تربیت کا نتیجہ ہے کہ تنظیم میں ہر شے میں پردہ داری ہوتی ہے حتی کہ شوری کے ارکان کی فہرست بھی نہاں راز ہے۔ تاکہ گٹکا چھاپ مدعوئین خصوصی کو ارکان شوری کی مانند استعمال کیا جائے اور لیس سر کی ترنم ریز آواز سنی جاسکے۔ اس پر بھی خاموشی۔ آخر خاموشی کا سدابہار موسم کہاں سے آیا ہے؟ اراکین تنظیم اور اراکین عاملہ وشوری اور ذمہ داران تنظیم کو فکری وعملی طور پر بانجھ بنانے کی وجہ سے لوگ بلادت کے شکار ہیں۔ لوگ فکری وعملی طور پر بانجھ ہیں، قیادت کی عین ضرورت ہے اور خصوصا ایسے ہی بانجھ لوگوں کو تلاش کرکے تنظیم میں لایا جاتا ہے تاکہ روٹین ورک چلتا رہے اور ذاتی کمائی ہوتی رہے۔ کوئی سمجھنے اور بولنے والا نہ رہے اور چند ایک اگر ہوں تو ان کے خلاف شوری سازشی انجمن بن جائے تاکہ باشعور لوگ سر پھرا قرار پائیں۔

تربیتی نظم قائم ہونے کے پیچھے راز یہی ہے کہ لوگ اندھے بنے رہیں اور قیادت من مانی کالے کرتوت کرتی رہی اور لوگوں کا فکری وعملی بانجھ پن جمود اور اندھاپن ان کو کمالات میں گنواتا رہے اور ان پر پردہ ڈالتا رہے، اور غلط کار بدباطن اور خبث باطن کا شکار قیادت کلی فردی اختیار کے ساتھ تنظیم پر مسلط رہے۔ جس قیادت کا کسی تنظیم میں شعوری یا غیر شعوری یہ رویہ ہو اور ایک دہے سے زیادہ دھماکہ خیز مہلک رویہ جاری ہو کیا اس تنظیم کے برباد ہونے میں کوئی کسر رہ گئی ہے تنظیم تنظیم نہیں رہی گونگوں بہروں کی انجمن بن گئی ہے۔

☆ منصوبہ بندی ندارد

جماعت کی تنظیم میں منصوبہ بندی کا مکمل فقدان ہے۔ منصوبہ بندی کی صلاحیت دراصل تنظیم میں ہے ہی نہیں۔ بدباطن اور الھڑ قیادتوں نے افراد تنظیم کو اتنا بالغ نظر بننے ہی نہیں دیا کہ وہ منصوبہ بندی کرسکیں۔ اتنی بڑی جماعت اور اتنی بڑی تعداد پورے گلف میں آباد چھ ملکوں سے یعنی سعودی عرب، قطر، بحرین، عرب امارات کویت اور عمان سے زیادہ ہندوستان میں اہل حدیث آبادی ہے۔ اتنی بڑی آبادی کے نفع ونقصان ترقی وانحطاط بناؤ بگاڑ تحفظ وشناخت تربیت وضابطہ بندی تعلیم اور معاش، دعوت وتبلیغ مدارس ومساجد فرد

وجماعت کے عائلی وذاتی مسائل ومشکلات کیسے حل ہوں اوران امور کو کیسے منظّم کیا جائے؟ کیا ان کے مسائل کوحل کرنے اوران امور کومنظّم کرنے کے لئے ہم اپنی صلاحیتیں استعمال کریں گے؟ یا کوئی باہر کا آدمی ان کا ذمہ دار بنے گا؟ ظاہر ہے ایسا نہیں ہوسکتا۔ جب ہماری ایک دینی شناخت ہے تو ہم کوان مسائل کوحل کرنا اوران کومنظّم کرنا پڑے گا۔لیکن اتنے بڑے کام موجودہ تنظیمی روٹین اورسٹ اپ کے ذریعے انجام پانے سے رہے۔

تنظیم اور قیادت کے فکری وعملی بانجھ پن سے نہ منصوبہ بندی ہوسکتی تھی نہ اس کی توقع کی جاسکتی تھی اور منصوبہ بندی کے بغیر اتنی بڑی اہل حدیث آبادی کا کوئی اساسی کام تنظیم کے بس کا نہیں ہے۔موجودہ قیادت اگر امانت دار بھی ہوتی تب بھی اس کے بس کی بات نہیں تھی نہ ہے کہ جماعت کے لئے وہ کوئی منصوبہ بناسکے۔اس کے پاس تو اس کی بھی صلاحیت نہیں کہ جماعت کے لئے تنظیمی منصوبہ بنانے کے بجائے اس پر سوچ بھی سکے۔ اسے تو مکتبہ ترجمان چلانے کی صلاحیت اورسکت نہیں ہے۔

اگر تنظیم میں منصوبہ بندی ہوتی تو اب تک کم ازکم جماعت ملک گیر پیمانے پر اپنا تعلیمی نیٹ ورک رکھتی، دعوتی نیٹ ورک قائم ہوتا، رفاہی نٹ ورک ہوتا، اورایک شاندار تنظیمی نٹ ورک ہوتا۔لیکن یہاں اس کے برعکس ہرطرف سناٹا اورتو اورایک اکلوتا (چمن اسلام) مسلکی نصاب کی کتاب کی فراہمی بھی مشکل سے ہو پاتی ہے۔

منصوبہ بندی کے لئے بصیرت لگن محنت سرمایہ وقت اوریکسوئی چاہیے اوراتفاق سے تنظیم کے پاس یہ سب نہیں ہے۔ نہ قیادت نے ان کے استعمال کی مثال قائم کی ہے نہ افرادی قوت اکٹھا کی ہے جو یہ کام کرسکے۔اوراس سے زیادہ پریشان کن مسئلہ یہ ہے کہ تنظیم سے وابستہ یا متفق حضرات کے اندر اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ اہل حدیث آبادی سے ہم آہنگ منصوبوں پروگراموں اور پالیسیوں پر غور کرسکیں اوراس کے مسائل ومشکلات کا اندازہ کرسکیں ان کے لئے روٹین تنظیمی ورک یا نو ورک سے مطلب ہے اوربس چندہ ہوا اضاحی بٹے افطارالصائم ملا مساجد کے مشروعات ملے جلسہ ہوا چوپال لگی خوشامدی آئے خیرات بٹی گھوم پھر کران کے یہی مسائل ہیں: ظاہر ہے جب ان کو بانجھ بنا کر رکھا گیا ہے

تو ان امور سے آگے کیا سوچیں؟

☆ شفافیت صفر

تنظیم میں شفافیت نام کی نہیں ہے۔نہ کاموں میں، نہ اوقات کار میں، نہ رکن سازی میں، نہ تشکیل تنظیم میں، نہ نصب مناصب میں، نہ خیرات وصدقات کے پیسوں میں، نہ صلاحیتوں کے استعمال میں، نہ شوری عاملہ کے انعقاد میں، نہ ایجنڈوں، مباحث، فیصلوں اور رپورٹنگ میں، نہ تنظیم چلانے میں، نااہلی خیانت بدعنوانی ہر شے کی پہچان اورلوٹ کھسوٹ ہرسرگرمی کا حاصل۔نتیجہ نکالنا نہایت آسان ہے شفافیت کا فقدان عمل کا فقدان تنظیم کا تعطل۔انسان کوئی بھی کام کرتا ہے اگراس میں شفافیت رہتی ہے تو اسے اس کا انجام بھی معلوم ہوتا ہے۔اسے یہ بھی پتہ رہتا ہے کہ وہ اچھا کررہا ہے، یا برا کررہا ہے اسے اس کے کام کے اثرات کا بھی پتہ رہتا ہے کہ اس سے جن کو لگاؤ یا نسبت ہے اس سے خوش ہیں یا ناخوش ہیں اوراس سے ان کو فائدہ ہورہا ہے کہ نہیں ہورہا ہے لیکن جب کام میں شفافیت نہیں ہوتی ہے تو کام کرنے والے کے لئے ایسا ماحول بن جاتا ہے جیسے اس کے چاروں طرف تاریکی چھاگئی اسے کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ وہ اندھیرے میں چلا جارہا ہے نہ اسے راستے کا پتہ ہے نہ منزل کا نہ انجام کا۔

بدقسمتی سے اصغر کا دور مکمل طور پر جماعتی تنظیم کے لیے تاریک دور ہے۔اس پورے وقفے میں شفافیت پاردرشتا اورٹرانسپیرنسی کا دور دور تک پتہ نہیں ہے۔اس شخص نے ہر شے میں پردہ داری کی ہے اور ہر کام کو اپنی نفس پرستی سے ملوث کیا ہے۔اس نے تو ارکان شوری کی فہرست بھی چھپانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔تنظیم میں اس شخص کی ساری سرگرمیاں لکا چھپی کی رہی ہیں۔اس کے اسفار پردے میں، چندے پردے میں، مشروعات پردے میں، جائداد پردے میں نظامت کے دفتر میں مدرسے کا دفتر پردے میں، مقربین کے لیے (دست غیب) پردے میں مدعوئین خصوصی کا نام پردے میں تنظیمی پروگرام سارے کے سارے پردے میں۔

تنظیم کی ساری سرگرمیاں پردے میں اورسب کے پیچھے برے ارادے، بری نیت

لوٹنے کھانے کا چلن اور سارے مشیرِ شوری کے برخلاف چھپے ہوئے، ہر سرگرمی کے پیچھے موامرت سازشی اور ٹھگی۔ تنظیم کے سارے کاموں میں خبث باطن کی آلودگی، خیرات وصدقات میں غبن اور خیانت کی آلودگی حتی کہ شوری یا عاملہ کی مجلسوں کے انعقاد میں عدم شفافیت، نہ جوابدہی کا ڈر نہ ذمہ داری کا احساس۔

تنظیم کا سارا کام شوری اور عاملہ کے فیصلے اور مشورے سے انجام پانا چاہیے لیکن مجال ہے کہ اس کی سرگرمیوں کی انھیں بھنک بھی لگے۔ اس کو خودرائی خودپسندی اور نفس پرستی کہیے۔ ایک بڑی آبادی کی تنظیم میں ایک اکھڑ اور الھڑ کی خودپسندی اور نفس پرستی اسے ڈبونے کے لیے کافی ہے۔

جیب مالی ومنصبی خیانتیں کسی تنظیم میں سرزد ہوتی ہیں تو اس کی دلیل ہوتی ہیں کہ اس کے نظام اور کام کو صاف ستھرا اور شفاف نہیں رکھا گیا ہے۔ آدمی جب آلودہ فکر آلودہ ذہن اور آلودہ نیت کے ساتھ کام کرتا ہے تو اسے ہر قدم پر ڈر لگنے لگتا ہے اور ہر کام پر پردہ ڈالنے لگتا ہے اور ہر حرکت سے لوگوں کو بے خبر رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ٹھیک یہی حال تنظیم کی موجودہ قیادت کا ہے جب عدم شفافیت دون اور بے وقعت انسان میں مستحکم ہوجاتی ہے تو اس کی طبیعت میں بے شرمی عدم حیا بے مروتی اور ننگاپن آجتا ہے ڈھٹائی کی یہ حالت ہے کہ اس وقت تک یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے دوسو کروڑ کی حرام دولت جمع کرلی ہے یعنی اس نے سانپ اور بچھو جمع کرلئے ہیں یہ دولت اس کے پاس کیسے آئی جبکہ اس سے پہلے وہ ایک مزدور کا غریب بیٹا تھا۔ سارے اعتراضات کے باوجود آج تک اس گھگھیا گ نے منہ نہیں کھولا کہ اپنی صفائی دے اور خود کو مجرم بننے سے بچائے۔ وہ منہ کیسے کھولے جب اس کا ایک ایک لمحہ حرام خوری میں گذر رہا ہے اور ایک ایک لقمہ حرام کا کھا رہا ہے۔ بے حیائی کی حد ہے کہ اس ملوث سیرت کردار قلب وذہن کے ساتھ وہ اہل حدیث تنظیم کی قیادت کے منصب سے چپکا ہوا ہے۔ اس نے جماعت تنظیم مسلک اور افراد مسلک سب کو رسوا کیا ہے۔

شفافیت اور عدم شفافیت، صاف ستھراپن اور آلودگی کے ناپیے سے اگر دیکھا جائے تو واضح نظر آئے گا کہ تنظیم کا سارا کام اس کے ذمہ دار کی تاریک سیرت تاریک سوچ اور

تاریک ذہنیت کے سبب بالکل کالا ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ لوگ اس تاریک انسان اور اس کی تاریک سیرت وکردار کو بھی دیکھتے ہیں لیکن اس کی تاریکیوں کو بھی اجالا مانتے ہیں۔

ایک بدنیت حرام خور اور بدقماش انسان کی شخصیت کی چھاپ اس کے کاموں پر بھی ہوتی ہے۔ یہی بڑی اور منحوس چھاپ قومی پیمانے کی تنظیم پر پڑی ہے اس لئے سب کچھ ویران نظر آتا ہے۔

شفافیت کے اندر جامع اور وسیع مفہوم ہے کسی بھی اجتماعی جدوجہد اور اجتماعی سرگرمی میں شفافیت کا مطلب ہے کہ اس کا نظام صاف ستھرا ہو، اصول اور ضابطہ بندی اس کی پہچان ہو۔ ساری سرگرمیاں حصول مقاصد کے لئے ہوں۔ مالی ومنصبی خیانتیں نہ ہوں۔ لوگ حساس صاف ستھرے اور دیانتدار ہوں۔ ہر کام ضابطوں کے مطابق ہو فیصلے دستوری اور اصولوں کے مطابق ہوں اور جب شفافیت کسی تنظیم میں مفقود ہوتی ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ سریت پردہ داری لکھنے چھپنے کو اس کی پہچان بنالیا گیا ہے اور ہر طرف کالا ہی کالا اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔

یہی اندھکار جماعتی تنظیم میں ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔ اس ظلمت اور تاریکی بھرے ماحول میں جماعتی تنظیم کے ذریعے جماعت میں صرف فتنے فساد اور انتشار وخلفشار ہی پھیل سکتے ہیں۔ ان کے ذریعہ خیر پروان نہیں چڑھ سکتا اس کا قطعا کوئی امکان رہ ہی نہیں گیا۔

قومی اور ملی کاموں میں پردہ داری نہیں ہوتی۔ ایسے کام اجتماعی ہوتے اور نمایاں ہوتے ہیں ان میں سریت کی گنجائش نہیں ہوتی ہے لیکن جب قومی ملی کاموں میں اور وہ بھی روایتی اور مختصر کاموں میں سریت اور پردہ داری ہو تو ایسا کام کرنے والوں اور ایسی اجتماعی جدوجہد اور ایسی تنظیم کے مسترد ہونے کے لیے اور ان کے کاموں کے غلط ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے۔ سریت تو باطنی تحریکوں میں ہوتی ہے۔ خاص کر مالی امور میں ہماری جماعتی تنظیم میں بھی قریباً ڈیڑھ دہائی سے سریت چل رہی ہے اور عام خیانت کے پھیلانے کا ذریعہ بنی ہوئی ہے۔ اور اس سریت سے جو وابستہ ہیں ان کے دین ایمان اور امانت داری کے لیے مہلک خطرہ بنی ہوئی ہے۔

دورِ جمہوریت میں ایک اصول بنا ہوا ہے کہ جو لوگ مفاد عامہ کا پوسٹ ہولڈ کرتے ہیں قلمدان وزارت رکھتے ہیں یا کوئی اور اہم پوسٹ تو انھیں مفاد عامہ کی حفاظت کے لیے دیگر ذاتی اکتسابی و منصبی سرگرمیوں سے دست بردار ہونا پڑتا ہے تاکہ مفادات خلط ملط نہ ہوں اور پوسٹ وعہدیکا ناجائز فائدہ اٹھانے کا امکان نہ رہے اور شفافیت برقرار رہے لیکن ہماری جماعتی تنظیم کا باوا آدم ہی نرالا ہے نظامت کے منصب ہی کو ذاتی کمائی کا سب سے بڑا وسیلہ بنالیا گیا ہے اور دفتر نظامت میں بیٹھتے ہی کالے دھندے شروع ہوگئے اور مشروعات میں بے ایمانی کے ذریعہ چندہ بٹورلوگوں کے کہنے کے مطابق ناظم جمعیت نے اس وقت دوسو کروڑ روپئے جمع کرلئے ہیں اور جماعتی تنظیم کے دفتر نظامت ہی سے سارے کالے کام انجام پاتے ہیں اور بیرون ملک اس کی خاطر سارے دورے ہوتے ہیں اور اندرون ملک بھی دورے اسی مشروعاتی دکان کو چمکانے کے لیے ہوتے ہیں۔ اگر یہی سیاہ کام سریت کے ساتھ کرنے تھے تو آدمی کو اپنی مشروعاتی دکان الگ لگانی تھی جمعیت و جماعت کو تباہ کرنے کا کیا معنی تھا۔

شفافیت کو جماعت اہل حدیث کے لوگ نظرانداز کرتے ہیں جبکہ یہاں معمولی کام بلکہ ذرہ ذرہ میں شفافیت مطلوب ہے۔ یہی تو مسلک اہل حدیث کی پہچان ہے۔ لیکن یہاں بے خبری کا یہ عالم ہے کہ ساری ظلمتیں سریت بے اصولاپن بے ضابطگیاں سراہی جاتی ہیں اور انھیں کمال بتایا جاتا ہے۔ ایسی ہی بے ضابطگیوں کے سبب ہندوستان میں بڑے بڑے وزیر اور لیڈر مجرم گردانے جاتے ہیں اور جیل جاتے ہیں۔ ہماری تنظیم میں گھٹالوں پر گھٹالے ہیں اور تیرہ سالوں سے یہ گھٹالے چل رہے ہیں اور اس وقت سے پردہ داریاں چل رہی ہیں اور تنظیم کا انجر پنجر بکھر کر رہ گیا ہے۔ اسی طرح کی سرگرمیوں کے سبب جے للیتا جیل جاسکتی ہے مایاوتی پر مقدمہ قائم ہوسکتا ہے لالو پرساد یادو جیل جاسکتے ہیں اور بہت سے ڈی ایم اور عہدے دار منصب کے غلط استعمال سے بنائی جائدادیں گنوا سکتے ہیں لیکن اہل حدیث منزل میں دفتر نظامت سے مفاد جمعیت کو تباہ کرکے ذاتی مفاد کے کام ہوسکتے ہیں لیکن مرکزی جمعیۃ کا لالو پرساد پھر بھی مقدس اور جمعیۃ کے منصب نظامت پر فائز رہ سکتا ہے

اور حضرت عثمان کی قمیص نہیں اتار سکتا؟ جماعت اہل حدیث کے افراد کی بے حسی اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتی ہے کہ اسے تاریکیاں اور ظلمتیں بھی اجالا معلوم ہورہی ہیں۔ قومی وملی معاملے میں مسلک کا مزاج انتہائی نازک ہے لیکن اس کے ماننے والوں کی بے حسی کا یہ حال ہے کہ ظلمت شب کے پاسبان ناظم کو دودھ کا دھلا وہ لوگ بھی سمجھنے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں جو بخاری شریف کا درس دیتے ہیں۔ لگتا ہے زکاۃ صدقات میں خیانت پر شدید وعید والی احادیث پر ان کی نظر نہیں جاتی ہے۔ ملی خیانتوں اور ذمہ داریوں کو نہ نبھانے پر وارد وعید شدید کو وہ نظرانداز کردیتے ہیں۔ تنظیمی حیثیت اور نوعیت کا انھیں پتہ ہی نہیں ہے۔ شوری عاملہ اور تشکیل تنظیم اور رکن سازی میں خیانتوں کا انھیں پتہ نہیں۔ اقلیت کی حیثیت سے دینی تنظیم کی ذمہ داری اور کارکردگی کا انھیں پتہ نہیں ہے۔ تنظیم میں سریت کا کالا کام انھیں معلوم نہیں۔ مو امرت اور سازش کے بچھائے گئے جال کی ان کو خبر نہیں۔ شفافیت کا یہ بھی ایک حصہ ہے کہ لوگوں کو حقائق معلوم نہ ہوں۔

شفافیت میں رتی رتی کی حقیقت کا لوگوں کو پتہ ہوتا ہے اور سچائی کو لوگ جانتے ہیں اور دلی طور پر اس کے ساتھ ہوتے ہیں لیکن یہاں بھی تاریکی ہی تاریکی ہے کسی کو خبر نہیں کہ تنظیم کی گاڑی کس دلدل میں پھنس گئی ہے۔ جب شفافیت تنظیم سے عنقا ہوتی ہے تو کبر نخوت ضد خیانت اور بدعنوانی پر چلت ہوتی ہے اور ذمہ دار کا کام رہ جاتا ہے لوگوں کو بے وقوف بنانا اور انھیں ٹھگنا اور اپنی تائید کے لیے لوگوں کو اندھیرے میں رکھنا۔

☆ یکسوئی کا فقدان

تنظیم میں یکسوئی نہیں پائی جاتی۔ ہندوستان بھر میں پھیلی اہل حدیث آبادی کی نمائندہ اور پاسبان تنظیم میں یکسوئی کا فقدان ہے جس طرح نئے میقات میں تنظیم میں رکن سازی ہوتی ہے اور جس طرح اس کی تشکیل ہوتی ہے وہ مستقلا دردسر ہوتی ہے ایسے مواقع پر جو غلطیاں سرزد ہوتی ہیں وہ جماعت اور جمعیۃ کا پیچھا نہیں چھوڑتی ہیں۔ مستقلا یہ دردسر اور سب سے بڑا دردسر جمعیۃ اور اس کی سرگرمیوں میں فساد اور اتھل پتھل کا ذریعہ بنا رہتا ہے۔ یہ غلطیاں جمعیۃ کو اس لائق نہیں چھوڑتی ہیں کہ اس کے اندر شفافیت برقرار

رہے یہی اساسی غلطیاں مسلسل اتھل پتھل موامرت فساد سازش اور خرید وفروخت کی پروش کرتی رہتی ہیں۔

ان کے علاوہ یکسوئی کے فقدان کا اہم سبب یہ بھی ہے کہ لوگ جماعتی تنظیم کی اہمیت سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ نہ اس کے لئے کام کرنے میں یکسو ہوتے ہیں۔ اس کا سارا کام وقتی کام ہوتا ہے کاموں میں استقرار نہیں ہوتا ہے اسے جب تک ترجیحی حیثیت حاصل نہیں ہوگی اس کے کاموں کے لئے یکسوئی میسر نہیں ہوگی نہ ان میں استقرار آئے گا۔

اتنی بڑی تنظیم ہے مگر اسے چلانے کے لیے نہ اسباب میسر ہیں نہ کارکن ہیں نہ دفاتر ہیں نہ ذمہ دار ہیں نہ اصول ونظام ہے نیچے سے شروع کریں اوپر تک جائیں مقامی جمعیتوں سے لے کر اوپر تک ہزاروں امیر ہیں۔ یہ بھی سن لیں تنظیم کو خلافت اسلامی کا درجہ دینے والے کیا ایک امیر کو چھوڑ کر سارے امیروں کو تہ تیغ کرنے کے لئے تیار ہیں اور ان کے برابر نظماء ہیں (خلافت عملا) ان کے پاس ہے کیا انھیں مار دیں گے کیا یہ سب مرکزی امیر کے ہوتے شرعا باغی جائز غاصب قرار پائیں گے۔ ظالموں نے حماقت کا پنڈور باکس کھول دیا ہے یا جن کا بوتل۔ لوٹیں اس بات کی طرف جس کا تذکرہ ہورہا تھا کوئی جمعیت اور جماعت کے کام کے لیے متفرغ نہیں صوبوں تک میں اکثر جگہ جمعیۃ کی آفس نہیں ہے۔

خود مرکز میں دیکھیں۔ ذمہ دار کے اکثر اوقات اپنی مشروعات کے حصول، اپنے لئے چندہ جمع کرنے اور نفع کمانے کے پیچھے صرف ہوتے ہیں اور آفس میں انھیں مشروعات کو کھپانے اور ان کے ذریعے کمانے پر توجہ رہتی ہے۔ یا پھر چوپال لگا کر گپ شپ اور نیتائی میں وقت ضائع ہوتا ہے۔ جب مرکز کا یہ حال ہے کہ وہاں سے ذمہ دار کی تجارت ہوتی ہے۔ مشروعاتی تجارت اور وہاں کے کارکنوں کے اوقات ان کے پیچھے صرف ہو جاتے ہیں۔ تو سوچیں کیا ہندوستان گیر اہل حدیث آبادی کے مسائل کی ان کو خبر ہوسکتی ہے؟ نہیں۔ نہ ان سے دلچسپی ہوسکتی ہے۔ سب سے اہم کام ہے تزکیہ بانٹنا اور چند یتیم ویسیر پرچے نکالنا اور کسی امام حرم کی آمد کی خبر سن کر کانفرنسیں کرنا جن میں امام حرم رہیں تو بھیڑ اور ان کے جلسہ گاہ سے جانے کے بعد اسٹیج پر آدمی زیادہ اور سامعین کم اس طرح کا وقتی بازار تو کوئی فرد

بھی لگا سکتا ہے۔ یکسوئی نہ ہونے کا یہی نقصان ہے۔ پرچے پیڈ ہیں کوئی فکر نہیں ان کا نکالنا آسان ہے۔ مکتبہ کی حالیہ جلدوں میں چھپنے والی کتابیں پیڈ ہیں مصنف ان کا خرچہ اٹھا رہا ہے اس لئے چھپ رہی ہیں۔ جمعیۃ کے ذمہ داروں نے کبھی کسی کام میں یکسوئی نہیں دکھلائی۔ اس کا اسٹیج حصول شہرت دکھاوا چھل کپٹ اور ابن الوقتی کے لئے استعمال ہوتا رہا۔ افسوس اس کا ہے کہ جماعت کے زیرک اور سمجھ دار لوگوں نے بھی کبھی اس عدم یکسوئی کو کوئی بڑا مسئلہ نہیں جانا۔ ہر طرف ویرانی چھائی ہوئی ہے اور ہر طرف مایوسی بھی لیکن اس پر غم نہیں۔

اس عدم یکسوئی کا نتیجہ ہے۔ کاموں کا سمٹاؤ۔ سارے کام روایتی یا پھر کام چلاؤ۔ اس لئے جماعت کی فکری وعملی قوت کا کہیں پتہ نہیں چلتا ہے۔ نہ ہمارے رائٹر نظر آتے ہیں نہ صحافی، نہ محدث، نہ مفسر، نہ خطیب، نہ داعی، خطیب کے نام پر چند بھڑوے ہیں جو ناٹک کرتے ہیں اور الھڑ قوم مگن ہے۔ اور نیا فیشن ہے کہ بے پڑھے برادرس کی ٹیم تیار ہے جو خارجیت کے جراثیم لیئے خطیب ومفتی بنے جماعت کے افراد کے اندر تنافر بے حسی اور تفرقہ کا بیج بو رہے ہیں اور علماء کی توہین اور بے وقعتی کرتے ہیں۔ نہ ماہرین تعلیم نہ دانشور، نہ ماہرین سیاست نہ سیاسی مسائل ومعاشیات کے اکسپرٹ نہ قائد، نہ منصوبہ کار۔ جماعت میں ساری صلاحیتیں بھرپور لیکن ان کے استعمال کا میدان نہیں، ان کی پرورش کا کوئی ادارہ نہیں۔ اور تو اور ہماری اہل حدیثوں آبادی کے سماجی وعائلی بے پناہ مسائل ہیں لیکن ہمیں ان کی خبر نہیں۔

یکسوئی کا فقدان، جماعتی کاموں سے وابستہ ذمہ داروں اور کارکنوں کے اندر تساہل لاتا ہے اور ان کے اندر آہستہ آہستہ بے حسی بے خبری اور غفلت پیدا کرتا ہے اور یہی تساہل بے حسی بے خبری اور غفلت ہمارے اوپر مسلط ہے اس لئے سب کچھ خیر نظر آتا ہے اور غبن فسق وفجور میں ڈوبے، سازشی فریبی خائن نااہل اور کرپشن میں ڈوبے ہوئے فرد کی بھی ایک دینی تنظیم میں لوگ دونوں ہاتھ اٹھا کر حمایت کرتے ہیں۔ یکسوئی کا فقدان اجتماعی عمل میں کرپشن پیدا کرتا ہے۔ اس سے جب بے حسی تن آسانی سہل انگاری اور غفلت پیدا ہوتی ہے تو موقع پرست جائز ناجائز فائدہ اٹھانے کا سوچتے ہیں اور خیانت کو راہ ملتی ہے۔

تنظیمی اوراجتماعی عمل میں یکسوئی کا فقدان بحران کا پیش خیمہ ہوتا ہے اس لئے بار بار جماعتی تنظیم میں بحران پیدا ہوتا ہے۔ خیانت کو چھپانے اور بحران کو دور کرنے کے لئے خرید فروخت کی شروعات ہوتی ہے۔ جتھا بندی کی جاتی ہے۔ شورائیت کو سازش میں بدلا جاتا ہے۔ جرائم پر پردہ داری کے لئے شوری اور عاملہ کے افراد کو استعمال کیا جاتا ہے اور تنظیمی طاقت انھیں شیطانی کاموں پر صرف ہوجاتی ہے۔ ناظم کے کاموں کی یہی کل کہانی ہے۔ تنظیمی ذمہ داری سے فرار جماعتی طاقت انرجی اور اسباب کو ذاتی منفعت کے حصول پر کامل توجہ، کرپشن اور بحران اور ان سے نمٹنے کے لئے خرید فروخت جتھا بندی اور جھوٹا پروپیگنڈہ۔

کروڑوں کی اہل حدیث آبادی اور ان کے ہزاروں فردی عائلی سماجی سیاسی معاشی تعلیمی تربیتی فقہی صحافتی میڈیائی مسائل ہیں اور مدارس مراکز مکاتب اور مساجد کے مسائل ہیں کوئی ایک مسئلہ ہمارے پروگرام میں شامل نہیں ہے۔ سب سے آنکھیں بند اور شیخی آسمان چھوتی ہوئی کہ ان سے بڑا قابل کوئی نہیں۔

دراصل سہل انگاری، اور عدم یکسوئی سے ہمارے اجتماعی عمل کا ایجنڈا اتنا مختصر ہوگیا ہے کہ اس کو انجام دینے کے لئے چند افراد کافی ہیں اور بسا اوقات چند افراد کے ادارے جماعتی تنظیم سے زیادہ کام کرتے ہیں۔

ریاستی ضلعی اور مقامی جمعیت کی عموما کوئی کارکردگی نہیں ہے۔ ان کا وجود کاغذ پر ہے پانچ سالہ میقات میں عموماً لوگ ایسے گمنام ہوتے ہیں کہ ان کی مقامی وضلعی جمعیتوں کے ذمہ دار کی حیثیت سے کوئی شناخت ہی نہیں رہتی ہے لیکن محفلوں میں بے جا بحث شور ہنگامہ حکمتیں دانائیاں ایسی کہ جیسے کتنا عظیم کام ہو رہا ہے۔ لے دے کے روایتی جلسے ہو رہے ہیں لیکن نتائج کے اعتبار سے ایسے ہی ہے جیسے فضا میں ہوا بکھرنا۔

یکسوئی کے فقدان کے سبب تنظیمی طور پر ہماری عملی صلاحیت اس قدر کمزور ہے کہ کہیں کوئی کارکردگی ہی نہیں رہ گئی ہے اور ہمارا ایجنڈا اتنا سکڑ گیا ہے کہ ہمارے کام کے اثرات سماجی طور پر کہیں نمایاں ہی نہیں ہوتے۔ البتہ بک بک کرنے کی صلاحیت سب زیادہ ہے

اور یہ فطری بات ہے کہ جب کوئی فرد یا گروہ فردی یا گروہی ضرورتوں کے مطابق کام نہیں کرتا ہے تو اپنے نقائص اور کمیوں کو چھپانے کے لئے اسے بک بک زیادہ کرنا پڑتا ہے۔

پورے ملک میں جہاں کہیں اگر سرگرمی ہے اور کچھ کام ہو رہا ہے تو وہاں بھی نہ کوئی نظم ہے نہ اوقات کار متعین ہیں مکمل خودرائی اور انارکی ہے۔ ہمارے لئے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ آخر اتنی بڑی جماعت اور تنظیم ہوکر ہم کیوں محدود تر عملی ایجنڈا رکھتے ہیں۔ اور سارے کے سارے ذمہ دار تنظیم کے کام کے لیے یکسو نہیں ہوتے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ آخر اتنی بڑی جماعت اور تنظیم ہوکر ہم کیوں محدود تر عملی ایجنڈا رکھتے ہیں۔ اور سارے کے سارے ذمہ دار اس کے کام کے لیے یکسو نہیں ہیں بلکہ ۹۵ فیصد ذمہ داروں کو ذمہ داری کی ادنی پرواہ نہیں ہے۔ اس بے عملی اور یکسوئی کے فقدان کا نتیجہ ہے کہ کم از کم ۱۹۸۵ سے ہماری باتوں کاموں لائحہ عمل میں تکرار ہی تکرار ہے حتی کہ بدعنوانیوں میں بھی اضافہ در اضافہ اور تکرار ہے۔

اس سہل انگاری نے تیز اور چالاک لوگوں کے لئے جماعتی حوالے سے مسلک وجماعت کے فلاح وبہبود کے حوالے سے بھک منگائی کا دروازہ کھول دیا ہے اور ان لوگوں نے جماعت کو رسوا کرنے اور اس کے اقدار کو تباہ کرنے اور سماج میں کرپشن پھیلانے کو اپنا وطیرہ بنالیا ہے خیر سے بعض بیرونی اہل حدیث ارادوں میں کچھ عیار صفت لوگوں نے خوشامدیوں اور ابن الوقتوں اور اراذل قسم کے لوگوں کو صدقات وخیرات کا استحقاق دلوادیا ہے اور وہ ہر قسم کی بدعنوانیاں پھیلائے ہوئے ہیں اور ایک روٹین بن گیا ہے کہ عموما علمی عملی اور اخلاقی اعتبار سے تیسرے درجے کے لوگ ان بیرونی اداروں سے وابستگی اختیار کرتے ہیں اور جماعت اہل حدیث اور علماء کے وقار کو مجروح کرتے ہیں۔

پوری جماعت کا کوئی نمائندہ ادارہ اگر ہے اور ہوسکتا ہے تو اس کی تنظیم ہے وہی پوری جماعت کا جائز اور صحیح ادارہ ہے لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ وہ ہندوستان گیر اور فعال ادارہ بن ہی نہ سکا۔ ہماری سہل ان گاری تن آسانی اور غفلت کے سبب ہمیشہ وہ جیبی سائز کا ادارہ بن جاتا ہے اور جو ذمہ دار بنتا ہے اسے اپنے ذاتی مقاصد اور منافع شہرت اور عظمت کے حصول کا ذریعہ بناڈالتا ہے۔ یکسوئی کا فقدان سہل انگاری غفلت بے حسی تعطل اور کرپشن پر منتج ہوتی

ہے اوراس مجرمانہ غفلت میں ہم سب شریک ہیں۔

ہماری غفلت سہل انگاری اور جمعیت کی اصلی حیثیت کو تسلیم نہ کرنا سارے تعطل فساد اور جمود کی جڑ ہے اگر جماعتی مسلکی اور ملی کاموں میں منصوبے کے تحت انہاک اور لگن سے کام ہوتو ہمارا تعطل اور جمود ختم ہوسکتا ہے فساد کو پنپنے کا موقع کم مل سکتا ہے اور جماعت کے سارے کام منظّم ہوسکتے ہیں۔

ہمارے عمل اور فکر میں یہ تضاد ہے کہ مرکز سے لے کر مقامی سطح تک کہیں بھی جمعیۃ کے کاموں کے لئے لگن نہیں ہے اوقات نہیں ہیں لوگ یکسو نہیں ہیں۔ دفتر نہیں ہے۔ ایجنڈا نہیں۔ شورائیت نہیں۔ صرف بناوٹی اختلاف ہے۔ روز روز کی بحث حجت ہے۔ رونا دھونا ہے اور شکایتیں ہیں۔ جب تک بے عملی ہے تغافل ہے نہ شکایتیں دور ہوں گی نہ الجھنیں دور ہوں گی۔ نہ بحث مباحثے ختم ہوں گے۔ نہ کام کا کوئی نظم بنے لگا۔

اگر کہیں جمعیتوں کے مستقل کام کرنے والے ہیں بھی؟ تو ان کے اوقات کار اور خطوط کار نہیں ہیں صرف وقت گذاری ہوتی ہے اور بس۔

☆ تنظیمی مآل کار

جماعتی تنظیم میں جن کوتاہیوں اور کمیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور ان پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے ان کا نتیجہ یہ ہے کہ اصغر پیدا ہوتے ہیں اور اگر یہ کمیاں دور نہ کی گئیں تو ایک اصغر جائے گا دس اصغر پیدا ہوں گے اور ہمیشہ جماعت فتنوں کا آماجگاہ بنی رہے گی۔ اگر جماعت یہ چاہتی ہے کہ اس کے اندر اصغر نہ پیدا ہوں تو اسے ان تمام کمیوں کو دور کرنا ہوگا ۔اصل مسئلہ کسی ایک اصغر کو ہٹانے اور اس کے فتنوں سے نجات حاصل کرنے کا نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جماعت اہل حدیث جیسی بڑی جماعت کی تنظیم میں کسی اصغر کا پیدا ہونا بڑا عجوبہ نہیں ہے اس دور فتن میں اگر تنظیمات میں لوپ ہول ہوتو اصغر ہی پیدا ہوں گے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہماری جماعت کے سمجھدار، دین دار اور جانثار کس طرح اپنی تنظیم کو چلاتے اور بناتے ہیں۔ اگر سمجھ داری دین داری اور جاں نثاری کا مظاہرہ کریں تو ہزار اصغر تنظیم میں دم

نہیں مار سکتے۔ اور ان کو اپنی اوقات کا پتہ رہے گا۔ اپنی نااہلی، خیانت فسق فجور اور فتنہ اکبر پر اکڑنے کے بجائے جماعتی تنظیم کے سامنے گھٹنہ ٹیکنے پر مجبور ہوں گے اور اپنی رسوائیوں پر ہزار بار شرمائیں گے اور گڑگڑائیں گے۔ اصولوں پر جب عمل ہو تو ایسے رسوائے زمانہ گڑگڑانے پر مجبور ہوتے ہیں اکڑتے نہیں اسلام میں نظام احتساب اسی لئے ہے کہ بے ضمیروں نااہلوں اور خائنوں کو ان کی اوقات میں رکھا جائے اور اپنی تقصیرات پر انھیں گڑگڑانے پر مجبور کیا جائے۔ بہرحال جب تنظیموں میں کوتاہی غفلت اور بے حسی پیدا ہوتی ہے تو اصغر اجگر بن جاتے ہیں اور سارے اقدار دین، اقدار انسانیت اور اقدار شرافت کو نگل جاتے ہیں اور تنظیمات میں صرف رسوائیاں ہی رسوائیاں تاریکیاں ہی تاریکیاں رہ جاتی ہیں۔

ان کمیوں اور نقائص کے بھیانک نتائج کیا ہیں ان پر سرسری نگاہ ڈال لیں اور ان نتائج کے متعلق فکر مند ہوں اور جلد از جلد ان نقائص سے گلوخلاصی کی کوشش کریں۔

☆ جمعیت کے پاس کوئی پروگرام، پالیسی اور منصوبہ نہیں، ہے نہ جماعت کے لئے، نہ ملت اور ملک کے لیے، نہ فرد اور معاشرے کے لیے۔

☆ جمعیت کے پاس روایتی کام بھی نہیں ہیں اور جو ہیں غیر مفید غیر موثر۔

☆ جمعیت کی رکنیت سازی، جمعیۃ کی تشکیل ایسی ہے کہ فساد کرپشن اور بدعنوانی سے بھر جاتی ہے۔

☆ جمعیت دینی دنیاوی ہر اعتبار سے ایک ناکام تنظیم ہے۔

☆ جمعیت میں کارکنوں کا فقدان ہے۔

☆ جمعیت میں استقرار اور یکسوئی ہے ہی نہیں۔

☆ جمعیت میں کام نہیں ہے۔ اس لئے خیانت نااہلی اور بدعنوانی پروان چڑھتی ہے۔

☆ جمعیت سے وابستہ عموماً خودغرض اور چاپلوس لوگ ہیں اور شوری عاملہ اور جمعیۃ کے ذمہ دار عموماً نااہل اور چاپلوس ہیں اور عملاً صفر ہیں۔

☆ جمعیت میں جماعت کے لیے کام نہیں ہوتا ہے۔ صرف ذاتی اغراض کے لیے کام

ہوتا ہے۔

☆ جمعیۃ میں خرید وفروخت فریب کاری اور خیانت اتنے اونچے پیمانے پر ہوتی ہے کہ تنظیم پورے ملک میں فساد اور فتنہ کا باعث ہے۔

☆ جمعیۃ کی قیادت اعلی خیانت نا اہلی اور فریب میں سارے ریکارڈ توڑ چکی ہے اور کلی طور پر جماعت کے لئے وبال فتنہ اور فساد ہے اور اس لائق ہے کہ اسے عمر بھر کے لئے جمعیت اور جماعت سے دور کر دیا جائے اور پوری جماعت سے یہ گذارش کرنی چاہیے کہ بد دعا کرے۔ اللہ تعالی ان سے اور ان کے فتنوں سے نجات دے۔

☆ جمعیۃ کا دستور ایک ناقص مبہم اور فساد انگیز دستور ہے اور فاسق فاجر خائن روڈ مین غرضیکہ ہر فسادی کو۔ اور اس پر بھی اکثر دستور کی ان دیکھی ہوتی ہے۔ تحفظ دے سکتا ہے۔

☆ جمعیۃ ایسی ناکارہ ہو چکی ہے کہ اس کا کوئی مورل گراونڈ سرے سے رہ ہی نہیں گیا جس کی بنیاد پر کوئی اصلاح اور سدھار کا کام ہو اور جو کسی ادنی درجے کی اجتماعی جدوجہد کے لئے ضروری ہے۔

☆ جمعیت کی قیادت ادنی درجے کی مروت اخلاق اور حیا کی صفت سے محروم ہو چکی ہے جو کسی کافر کی باوقار زندگی کے لیے بھی ضروری ہے۔

☆ جمعیت کی قیادت فکری و عملی طور پر کلیتا تہی دامن ہے اور روڈ مین کے معیار سے بھی نیچے گر چکی ہے۔

☆ جمعیت بے شعور الھڑ خائن اور بدعنوان قیادت کے سبب خیر وشر کا پہچان کھو چکی ہے اور یہی نحوست پوری تنظیم میں ہر طرف پھیل چکی ہے۔

☆ جمعیت کے اندر قیادت نے خصوصی مدعوئین کے نام پر گٹکا چھاپ چوپال کا رواج دیا ہے اور اسے شوری اور عاملہ کا مقام مل گیا ہے اور شوری عاملہ کے نام پر اس چوپال سے بدعنوان ناظم کو اگر چاہے تو قتل اور ڈاکہ زنی کی بھی حمایت مل جائے گی۔ (ونعوذ باللہ)

☆ جمعیۃ کی قیادت کی خیانت کی دیدہ دلیری کا یہ حال ہے کہ اس نے دفتر نظامت کو ذاتی کمائی کا ذریعہ بنالیا اور جمعیۃ کے کام کو چھوڑ کر صرف مشروعات کے نام پر مکر و دجل،

فساد اور حرام خوری کرتی رہی اور اپنے ہی جیسے خائن ایمان واخلاق اور کردار سے عاری لوگوں کا پورے ملک میں ایک گروپ تیار کر دیا ہے۔

☆ جمعیۃ میں خرابی اور کردار کے زیرو پوائنٹ پر ہونے کا یہ حال ہے کہ فریب بدکرداری جھوٹے پروپیگنڈے مکاری اور شکوک وشبہات کی تبلیغ ہوتی ہے اور دوسرے درجے کے علماء بھی ان کو صحیح ماننے کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ اور ساری حرام خوریوں اور حرام کاریوں کو معمولی سمجھنے لگتے ہیں۔

☆ جمعیۃ میں کلی طور پر اباحیت پسندی کو رواج دیدیا گیا ہے حتی کہ اعلی ڈگریوں کے حامل علماء کرام بھی برائی کو برا ماننے میں تامل کرتے ہیں ایک علامہ ابن احمد نقوی گاندھی کی لنگوٹ، میں وہ بھی ناظم کے سیاہ کرتوتوں کو عظیم کارنامہ بنانے پر تلے رہتے ہیں۔ ان کی بھی عجیب کہانی ہے جب جوان تھے تو سرخیل علماء اہل حدیث کو گالی دیتے تھے اور کمیونزم زدہ ایک گروہ کے ذریعہ جمعیۃ کے خلاف دس سال تک فتنہ سازی میں شریک رہے اور ارذل العمر کو پہنچ گئے تو ایک نا اہل بدعنوان خائن اور فریبی کی حمایت میں لگ گئے شاید ترجمان کی ادارت ان کے لئے رشوت بن گئی ہے اس طرح مکمل (گاندھی کی لنگوٹ) بن گئے ہیں۔

☆ قیادت نے جمعیت کا جو رنگ ڈھنگ بنایا ہے اس نے فرد سازی کردار سازی کی بجائے فریب کاری تخریب سازش اور خیانت کو بڑھاوا دیا ہے اور سارے گرے پڑے اول جلول قسم کے لئے لوگوں کو اس میں جمع کر دیا ہے جو صرف شر کو خیر سمجھ سکتے ہیں اور خیر کو شر۔

☆ جمعیۃ میں قیادت نے (دینی معیار بندی) کو اچھوت شے بنا دیا ہے۔ جس کا نتیجہ ہے کہ جو چاہا رکن عام رکن شوری اور رکن عاملہ بن گیا ابتری کا یہ حال ہے کہ سماج ومعاشرہ کے مسترد لوگ بدعنوان بدنام اور بے غیرت قیادت سے چپک جاتے ہیں اور ایسی بدترین قیادت انھیں ضرورت بنا کر خود سے چپکا لیتی ہے تا کہ جمعیت کے لوٹ غبن اور تقسیم غنیمت میں آسانی رہے۔

☆ بروقت مرکزی جمعیت کالعدم ہو چکی ہے اور اس کی جگہ غیر دستوری غیر شرعی طور پر ناجائز اصغری جمعیۃ قائم ہوگئی ہے جو ابن الوقتوں بھوکوں اور ننگوں کا ایک ڈیرا ہے۔ جرائم کا یہ

ڈیرہ اس لائق نہیں ہے کہ جماعت اور جمعیۃ سے اس کی نسبت جوڑی جائے ان مجرموں کے ڈیرے کا اتنا گھٹیا معیار ہے کہ ایک عام شریف رکن جمعیت کا اس سے کسی طرح کا تعلق بھی اس کے لئے عیب کی بات ہے اور اس سے کسی طرح کا تعاون کرنا تعاون علی الاثم ہے۔

☆ اس جرائم کے ڈیرے اصغری جتھے نے مسلک جماعت اور علماء جماعت کو رسوا کیا ہے اور ساری سیاہ کاریوں کو جمع کر لیا ہے اور جمعیۃ کا استحصال کر کے ان سیاہ کاریوں کی تبلیغ واشاعت کی اور جماعت کے اندران کو عام کیا ہے۔

☆ تنظیم اور اس کی مطلوب کارکردگی کا تصور ناظم نے بگاڑ کر رکھ دیا ہے اس کا خراب نتیجہ یہ ہے کہ تنظیم بہت سے لوگوں کی نگاہ میں بری شے بن گئی ہے اور بدھو قسم کے علماء کے نزدیک تنظیم کے اندر اباحیت پسندانہ عمل بھی مقدس بن گیا ہے اور منصب نظامت کو اس نے اتنا رسوا کیا ہے کہ جیب تراشی اور قزاقی سے بدتر ہو گئی ہے اور احمقوں کے نزدیک خلافت اسلامیہ کا درجہ اختیار کر گئی۔ اس ناظم کا یہی جرم کہ جمعیت لوگوں کے لئے فتنہ بن گئی اور ایک منہجی تنظیم افراط وتفریط اور فکری گمراہی اور ذہنی ہوس کا شکار ہو کر رہ گئی نا قابل معافی جرم ہے۔

☆ قیادت اعلیٰ کا حال اس قدر بگڑ گیا ہے کہ عادی مجرموں کے درجے میں داخل ہو گئی ہے۔ چودہ سالوں سے جمعیۃ کے پلیٹ فارم اور دفتر نظامت میں مشروعاتی جرائم کا اس نے بازار لگا دیا ہے۔ اور حرام مال کا سانپ بچھو جمع کر کے دن دہاڑے اکڑتا ہے اور اسے اس پورے وقفے میں کبھی شرمساری اور ندامت کا احساس نہیں ہوا۔ قیادت اعلی اصرار علی الباطل میں عادی مجرموں سے زیادہ گھاگ بن گئی ہے۔ اس پر بھی ممبروں کا یہ حال ہے کہ اسے مجرموں کا قائد سمجھنے کے بجائے اہل حدیثوں کا قائد مانتے ہیں۔

مسئلہ اتنا پیچیدہ ہو گیا ہے کہ جماعتی تنظیم زیرو نہیں بلکہ عملی وفکری فساد سے بھر گئی ہے اور شاید پورے ہندوستان میں اتنی بری حالت کسی تنظیم کی نہ ہو گی۔ اس فساد اور بگاڑ نے تعطل اور بحران پیدا کر دیا ہے اور پوری جماعت انتشار کا اس شدت سے شکار ہے کہ اس کا تانا بانا بکھر کر رہ گیا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر اصغر نے اپنے ہی مانند مجرموں کی ایک ٹیم تیار کر دی ہے اور جتنے اس کے برے اعمال تھے ان کو ان سے فکر وعمل کی گمراہی میں شاملی ہے۔

مشکل یہ ہے کہ جماعت میں عملی کلچر کے فقدان اور تنظیم اور اداروں میں معیار بندی نہ ہونے کے سبب سیاہ سفید اچھے برے نفع نقصان خیر شر اور مضرت ومنفعت کی پہچان کی صلاحیت پوری طرح دھند ہو چکی ہے۔ یہ اتنا بڑا المیہ ہے کہ اس سے دینی مسلکی اور جماعتی ومنہجی پہچان کے ختم ہونے کا اندیشہ ہے۔ جماعت کا اس سے بڑا فساد اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس مسلک میں چھوٹی چھوٹی سنتوں کے متعلق سالہا سال سے دوسروں کے ساتھ معرکہ بپا ہے اس کے ماننے والے خیرات وعطیات کے اموال میں خرد برد خیانت اور غصب کرنے والے کو خائن اور مجرم کہنے کے بجائے اسے قابل اور ہنرمند مانتے ہیں جبکہ یہ جرم چودہ سالوں سے علی الاعلان جاری ہے۔ ایسی ذہنیتوں کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ ایسے لوگ مسلک اور جماعت کے حق میں مجرم کہے جانے کے لائق ہیں۔

آج کے دور میں جس جماعت میں ۱۴؍سالوں تک بدعنوان ذمہ دار کو پنپنے کا موقع ملے اور اس پر لگام نہ لگ سکے نہ اسے کیفر کردار تک پہنچایا جا سکے جماعت کی مردنی اور بے حسی کی دلیل ہے اور انجام بد سے بے خبری کا ثبوت ہے اور ساتھ ہی غفلت تضاد اور نااہلی کی بھی۔

انتظامی زندگی کی ناکامیوں کا اگر خلاصہ بیان کیا جائے تو سامنے آئے گا کہ ہم غفلت، خوش فہمی اباحیت پسندی کے شکار ہو کر رہ گئے ہیں اور تعطل وبے حسی ہمارا حاصل حیات ہے۔ ہم نے تنظیمی زندگی میں ایک سڑا ہوا روٹین پکڑ رکھا ہے جس میں جمود عمل تعطل انتشار پراگندگی حقائق سے فرار اور زیرو کو ہیرو بنانے کا عمل جاری ہے اور خیانتوں کو کارنامہ مان کر جشن ماننے دھوم مچانے کا مظاہرہ ہے۔ اور ایک دستور ہے نیتائی کی نمو پرداخت کرنے اور کرپٹ نیتا پیدا کرنے کے لیے۔ ایسا دستور جو کانگریسی دستور کی نقل ہے جو نہ سیکولر ہے، نہ دینی ہے ایک احمقانہ دستاویز۔

باب چہارم

ضروریات مشکلات مسائل اورواجبات کا شعور

انسان جن ظروف وحالات میں جیتا ہے ان سے آنکھیں نہیں چرا سکتا ہے، نہ ان کو نظر انداز کرسکتا ہے۔ ان میں حتی الامکان دینی تقاضوں کو بھی پورا کرنا پڑتا ہے اور تمدنی وتہذیبی ضرورتوں کو بھی۔ دینی تمدنی وتہذیبی ضرورتوں اور تقاضوں کے درمیان تال میل پیدا کرنا اور توازن برقرار رکھنا پڑتا ہے۔ اس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ جو مسلمان فرد یا گروپ ایسا کرلے جائے اسے کامیابی ملنا طے ہے اور جو ان تقاضوں سے نظریں چرائے گا وہ جمود کا شکار ہوگا اور دینی ودنیاوی دونوں ناحیوں سے ناکام ہوگا۔

ہم ہندوستان میں اقلیت کی حیثیت سے رہتے ہیں اور مسلمانوں میں ایک ایسی اکائی ہیں جس کی مخالفت تمام دوسری مسلم اکائیاں اپنا دینی فریضہ سمجھتی ہیں۔ پھر برادران وطن ہیں جن کا اکثریتی تہذیبی سیاسی دینی معاشی اور سماجی دباؤ ہے اور بسا اوقات ان رنگ رنگ قسم کے شدید دباؤ سے نمٹنا آسان نہیں ہے۔

ان سب مسائل اور مشکلات کے سوا خود ہماری کروڑوں کی آبادی کی ضرورتیں، مشکلات اور مسائل ہیں۔ تعلیم وتربیت کا مسئلہ ہے۔ دعوت وتبلیغ کا مسئلہ ہے۔ مکاتب، مدارس، اسکول، مساجد اور تحقیقی تصنیفی اداروں کا مسئلہ ہے۔ انفرادی اور عائلی اور سماجی مسائل ہیں۔ بحیثیت ایک طائفہ ناجیہ حقہ منصورہ تمام لوگوں کو دین حق کی دعوت دینا اور منہج سلف کے مطابق دین وشریعت سیاست معاش اور سماج اور علوم اسلامیہ کی تشریح ہماری جماعت کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

سوال یہ ہے کہ ان سب ذمہ داریوں سے ہم کیسے عہدہ برآ ہوں۔ ان مسائل ومشکلات کا ہم کیسے حل نکالیں؟ افسوس تو یہ ہے کہ عموما ہمارے ہاں ان مسائل ومشکلات کا، ان ذمہ داریوں اور فرائض کا ادراک بھی بہت کم ہے۔ جن کو ذمہ دار بنایا گیا کہ تنظیمی پلیٹ فارم سے ان تمام غور طلب، عمل طلب امور سے عہدہ برآ ہوں وہ اتنے الھڑ کم عقل اور کم فہم ہیں کہ ان کھوپڑی میں یہ مسائل گھس ہی نہیں سکتے۔ اور اہم بات یہ ہے کہ یہ زمانے کے بھوکے ننگے ان کو جیب وشکم بھرنے سے فرصت کہاں کہ ان موت وحیات کے مسائل پر

غور کریں۔

بہرحال اس وقت تنظیم کی جدید کاری کی شدید ضرورت ہے۔ جدید کاری کا شدید تقاضا یوں بھی ہے کہ یہ بار بار جو تنظیم کو یرغمال بنانے اور لوٹنے کھانے کا دور و تسلسل چلتا ہے وہ ختم ہو اور تنظیم پر طاری کردہ تمام علتوں اور خرابیوں کو دور کر کے نئے ڈھنگ سے نئی ہمت اور نئے حوصلے کے ساتھ جادہ پیما ہوں ۔ اس کے لیے ہمیں کیا کرنا ہے قابل غور ہے۔ جماعت میں بے حسی کے ماحول میں اگر کوئی راہ دکھلانے کی کوشش کرے تو بدعنوان لوگوں کی نگاہ میں وہ برا بن جاتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ کم فہموں بدعقلوں اور مطلب پرستوں سے دین کب خالی رہا۔ اگر ایسے ہی فضول لوگوں کی حماقتیں درخور اعتنا ٹھہریں تو دنیا میں خیر کا کوئی کام ہی نہ ہوسکے۔ کیا رسول گرامی ﷺ کا مبارک دور منافقین سے خالی تھا؟ کیا منصب و دولت کے لالچی بندگان ابلیس نے نبوت کا دعوی نہیں کیا تھا اور کیا ارتداد کی تحریک نہیں اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ جیب و شکم کے بندگان شرا صغر و اجگر پیدا ہوتے رہیں گے یہ کوئی عجوبہ نہیں اہل خیر کو خیر کا کام انجام دینے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے چلئے دیکھیں تنظیم کی جدید کاری کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

بحیثیت اہل حدیث موجودہ ہندوستانی ماحول میں مشکلات مسائل ضرورتوں اور فرائض کا صحیح ادراک اور احساس بہت ضروری ہے۔ ان امور کا عدم ادراک یا صحیح ادراک نہ ہونے ہی کا نتیجہ ہے کہ جماعت میں بے شعوری عام ہے اور عموما لوگ روایتی کام میں لگے ہوئے ہیں اور بغیر کسی سوجھ بوجھ منصوبہ اور پروگرام کے کام کرتے ہیں۔ اور اتنے زیادہ بھکاری اور گھاگ پیدا ہوگئے ہیں کہ اثریاء کے سامنے اٹھتے گرتے ہیں اور اکاذیب کی بنیاد پر سرمایہ حاصل کرتے ہیں اور اس کا اکثر حصہ اپنی ذات پر خرچ کر دیتے ہیں۔ اس بھکاری پن کو اس وقت سب سے بڑا کمال سمجھا جاتا ہے اور سب سے بڑی قابلیت۔ ان بیہودہ سرگرمیوں سے پوری جماعت، علماء اہل حدیث اور مسلک رسوا ہو رہا ہے اور ایسے بدکاروں، چاپلوسوں اور کذابین کو اہمیت بھی دی جاتی ہے۔

مسائل مشکلات ضرورتوں اور واجبات کا ادراک ہی انسان کو اہل بناتا ہے کہ حقائق کو

واقعیت کے ساتھ سمجھے اور اسے ان کا ادراک اور شعور حاصل ہو اور حقیقت پسندی آئے۔ حقیقت پسندی سے انسان حقیقت پسندانہ کام کرتا ہے۔ انسانیت اور امت جن حالات سے گذر رہی ہو اگر ان کا ادراک نہ ہو تو آدمی حاشیے پر زندگی گذار سکتا ہے اور حاشیہ پر بھی وہ بے وقعت ہوسکتا ہے۔ جمعیۃ جو جماعت اہل حدیث کی واحد نمائندہ تنظیم ہے اگر اس کو زندگی کے مین اسٹریم میں آنا ہے کامل دین اور صحیح منہج کے مطابق کام کرنا ہے تو مسائل حیات کا ادراک اور شعور اولین طور پر لازمی ہے۔ فروعی مسائل پر ہی اگر ہماری تنظیمی یا جماعتی زندگی کی سرگرمیاں وقف ہو جائیں تو تنظیم یا جماعت کبھی اس کا اہل نہیں ہوسکتی ہے کہ مسائل امت کو جماعت کلی طور پر سمجھ سکے اور عملی اقدام تو بڑی دور کی بات ہے۔

جن مولویوں کو ۱۹۸۵ء سے قیادت ملی وہ کبھی ذہنی طور پر اتنے بالغ نظر تھے ہی نہیں کہ جماعت کے اساسی مسائل مشکلات اور ضرورتوں کو سمجھ سکیں۔ ذہنی و عملی صلاحیتوں کے حساب سے یہ تیسرے درجے کے لوگ بھی نہ تھے۔ یہ بیچارے کہاں کبھی اس کی صلاحیت رکھتے تھے کہ مسائل امت کو سمجھ سکیں۔ ان کی کوتاہ نظری اور کم فہمی ان کے لیے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی کہ زندگی کے فیصلہ کن مسائل کو دیکھیں ہی نہیں اور ان کا سارا وقت عیش و عشرت میں گذر جائے اور اپنے جیسے ٹھگوں کی اپنے ساتھ پیوند کاری کرلیں اور یہ سارے اس کا دکھاوا کرتے رہیں کہ بڑا کام کر رہے ہیں۔

ان ناحیوں سے دیکھا جائے تو جمعیت اس ترقی پذیر اور شدید تغیر پذیر حالت میں بھی زیرو تھی اور زیرو ہے۔ اس کا علاج سب سے پہلے یہی ہے کہ ذہنی افق کو وسعت دی جائے نگاہیں کھلی رکھی جائیں اور سینے کی تنگی سے بچا جائے۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے جب کسی سے یہ سنتے ہیں کہ جمعیۃ نے بڑا کام کیا ہے۔ قیادت کے پاس نہ اصول نہ ضابطہ نہ سلیقہ نہ شعور وہ ایک پھوہڑ اور پھکڑ اور بھکاری آدمی ہے اور بھکاری ہونے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ جھوٹ میں مہارت رکھتا ہے مکاری میں یکتا ہے اور فریب میں نمایاں تر ہوتا ہے۔ بتایا جائے ایسے انسان سے کیا ہوسکتا ہے۔

حالات مسائل ضرورتوں اور فرائض کا صحیح شعور اور ادراک کامل، اور پھر جماعت کی

اصلاح وترقی کے لئے جان نثاری اوراصول پسندی وضابطہ بندی، کارکنوں کی تربیت وٹریننگ ومنصوبہ بندی، ان ضرورتوں مسائل ومشکلات اورفرائض کے لئے تفرغ اوریکسوئی اوروسائل کی فراہمی یہ ساری تدابیراورترتیبات اگرمحنت اورلگن سے بنائی جائیں تو تنظیم تنظیم بن سکتی ہے اور جماعت کا نمایاں کام ہوسکتا ہے اورموجودہ حالات میں تنظیم کام کرسکتی ہے۔

مسائل مشکلات فرائض اورضروریات کا اگرادراک نہ ہواورادارہ یا تنظیم قائم کردی جائے اوروسائل آسانی سے مل جائیں توادارے اورتنظیمات صرف فساد حرام خوری اورخیانت کا ذریعہ بن جاتے ہیں جیسا کہ اس وقت عموما جماعتی تنظیم اور جماعتی اداروں کا حال ہے۔عموما ان سے جماعت کے اندرفساد پھیل رہا ہے اور جماعتی کاز کونقصان پہنچ رہا ہے اور جماعت کے لوگوں کے لیے غلط مثالیں قائم ہورہی ہیں۔

جب ادارے اورتنظیمات قائم ہوتے ہیں ان میں مقصدیت نہیں رہتی ہے۔نہ انھیں مسائل کا صحیح ادراک حاصل ہوتا ہے توان سے وابستہ لوگوں کے اندر بے حسی ڈھیلا پن اورغفلت آجاتی ہے۔اوران کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے غلط اور چاپلوس قسم کے لوگ تنظیم میں تسلط حاصل کرلیتے ہیں۔دراصل یہی سب کچھ ۱۹۸۵ء سے جماعتی تنظیم میں ہورہا ہے۔ اوران مسائل کا عدم شعوراورادراک کامل حاصل نہ ہونے کا نتیجہ ہے کہ قیادت کے لئے چھوہڑوں اوراللھڑوں کوچن لیا جاتا ہے جن کو نہ بولنے کی تمیز نہ ان کے اندرکوئی سوجھ بوجھ۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ بے شعوری کا ناجائز فائدہ اٹھا کرمکاروں نے اپنے گرگوں کو جماعت پر مسلط کردیا اور مال غنیمت مل کرکھانے کا جتن کرلیا گیا۔اورملک کے بے حیا اور ڈھیٹ لوگوں کوآزادی کے ساتھ کھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔

جن حالات میں ہم جیتے ہیں ان کے تقاضے ہوتے ہیں ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے تنظیمات اوراداروں کی تاسیس ہوتی ہے۔اگر وہ تقاضے نظرانداز ہوجائیں اوران کے ادراک کی صلاحیت ہی نہ ہوتو ادارے اورتنظیمات محض تبرک کا سامان بن جاتی ہیں اورجھوٹی دعوی داری کی سطحیت اورکھوکھلا پن کا جماعتی تنظیم میں مظاہرہ ہورہا ہے۔اس جھوٹی دعوی داری کا یہ نتیجہ ہے کہ مثقف حضرات بھی تنظیم کوخلافت اورقیادت کوخلیفہ کا درجہ دیتے

نظرآتے ہیں۔اس بے شعوری کا نتیجہ ہے کہ تنظیم کومباح یا ترجیحی اجتماعی عمل کا پلیٹ فارم سمجھنے کے بجائے اسے امارت اسلامیہ کا درجہ دیتے بہت سے کم فہم نظرآتے ہیں اوراس فہم کے نتائج اورعواقب کی پرواہ نہیں کرتے اورمخالفین کو باغی شذوذ پسند وغیرہ کہنے سے باز نہیں آتے۔اس طرح بات کرنے والے محرف دین قرار پائیں گے اور شریعت کے ساتھ کھلواڑ کرنے والے۔

مسائل مشکلات ضروریات اورواجبات کا صحیح شعور ذہین لوگوں کو حاصل ہوسکتا ہے۔ جماعت میں ایک سے ایک پڑھے لکھے اورذہین انسان موجود ہیں لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ بے شعوری میں عموما وہ پس منظر میں چلے جاتے ہیں۔کرپشن کے ماحول میں وہ پنپ نہیں سکتے اورتربیتی نظم کے فقدان کے سبب افراد کار کی افزائش نہیں ہوپاتی ہے۔اوردینی تنظیم میں دینی معیار بندی کے نہ ہونے سے تنظیم میں انبوہ درآتا ہے باصلاحیت افراد کار درکنار ہوجاتے ہیں۔

مسائل ومشکلات اورضروریات وواجبات کے شعور کے ساتھ تنظیمی شعور کی بھی ضرورت ہے۔تنظیمی شعور میں اچھے کارکنوں کی پرکھ، اچھے ذمہ داروں کی پرکھ، شورائیت کا نظم چلانے کی ضرورت کا احساس، فیصلہ کرنے اورفیصلوں کو نافذ کرنے کی صلاحیت، ایجنڈا بنانے اوران پر بحث کرکے کسی نتیجے پر پہنچنے کی صلاحیت اورشوری کا باشعور سمجھدار سوجھ بوجھ رکھنے والے ممبر کی پہچان، یہ سب تنظیمی شعور سے متعلق ہیں۔لیکن موجودہ صورت میں اس شعور سے کلی طور پر پرہیز کیا جاتا ہے اور ایسے لوگوں کو لانے کی کوشش کی جاتی ہے جوہاں میں ہاں ملاسکیں اور مجرمانہ سرگرمیوں کی تائید کرسکیں۔

تنظیم کے متعلق عدم شعور ہی کا یہ حال ہے کہ دفتر نظامت میں ناظم کے مدرسے کا غیر مرئی دفتر قائم ہے اور اس کا ایک ہم وطن تمام کارکنان جمعیۃ سے زیادہ ناظم کے لئے مشروعاتی دھندا کرتا ہے اور وہیں سے وہ کروڑ پتی بنا۔مگرکسی شوری کے ممبرکوآج تک یہ فراڈ نظرنہیں آیا کیوں؟ جوجیسی اپنی قیمت لگاتا ہے وہاں سے اس طرح کی قیمت مل جاتی ہے اور پھران کا عقل وشعور کام نہیں کرتا۔اور یہ قیمت مختلف قسم کی ہوتی ہے۔ایک پیکٹ کھجور

سے لے کر ایک پیکٹ کتاب، کرایہ، ہدیہ، کریم ہوٹل کا مرغن کھانا، مٹھائی کے ڈبے، ڈرائی فروٹ کے ڈبے، کیش، مشروعاتی رشوت، افطار الصائم، اضاحی، کمبل، نل، کنواں، مسجد، مدرسہ بہت سے مشروعاتی کام، تجارتی تعلق، ضیافت۔ کسی سرکاری اوفیشل کام میں تعاون، چندہ خوری چندہ بٹوری میں اشتراک عمل جھوٹے کاموں کا رعب، سیاسی تعلقات کا رعب، بیرونی تعلقات کا رعب، اکاذیب کا رعب تنظیمی صحافت اور تنظیمی افراد اور سکریٹریت کا پروپیگنڈہ، بکاؤ قلموں کا سہارا، چند علاماؤں کا سہارا یہ سب کمزور قلوب واذہان کے لئے قیمت بنتے ہیں تا کہ بدعنوان قیادت کے دائرہ شر میں شامل رہیں۔

بے شعوری کسی بھی فرد اور جماعت یا گروہ کے لئے سب سے بڑی مصیبت ہے بلکہ ان کے لئے موت ہے اور اس بے شعوری کا انجام ہے کہ پوری تنظیم فساد خیانت نااہلی اور فتنوں کی آماجگاہ بن گئی۔ کاش ہمارے گنے چنے سمجھ دار علماء ان خرابیوں کو سمجھتے اور تاریخ اہل حدیث کے سب سے بڑے خائن اور بدکردار انسان کی خیانت نااہلی اور بدعنوانی کو سمجھتے۔ اور سستی اور غفلت کا مظاہرہ نہ کرتے۔

☆ تنظیم کا مفہوم اہمیت اور ضرورت

جمعیۃ کی اصلاح کے لئے دوسری سب سے زیادہ اہم ضرورت یہ ہے کہ جماعتی تنظیم کے متعلق علماء اور افراد جماعت کے اندر اس کی اہمیت معنویت اور ضرورت کو سمجھا جائے اور دین میں اس کا صحیح معنی ومفہوم جانا جائے۔

سب سے پہلے تو لوگ یہ جانیں کہ جمعیۃ اور جماعت الگ الگ دو چیزیں ہیں۔ جماعت پوری اہل حدیث آبادی پر مشتمل ہے اور منہج سلف کو ماننے والوں کا اور اس کو اپنے مسلک طرز فکر اور طرز عمل کی اساس بنانے کا نام ہے۔ اور جمعیۃ تنظیم جماعت کا نام ہے۔ تنظیم اور جماعت میں تعلق یہ ہے کہ تنظیم پوری جماعت کی نمائندہ اور منصۂ عمل ہے۔ جماعت سے ہر اہل حدیث وابستہ ہے اور تنظیم سے صرف اس پلیٹ فارم سے کام کرنے والے یا اس کا رکن بننے والے۔ جماعت کی حیثیت مستقل ہے اور تنظیم تغیر پذیر ہے۔ جماعت کی حتمیت طے ہے اور تنظیم کی عدم حتمیت۔ جماعت خلافت اسلامیہ کا بدل ہو سکتی

ہے مگر تنظیم نہیں۔ حضرت حذیفہ اور عرباض بن ساریہ رضی اللہ کی حدیث میں **''علیکم بالجماعة''** کا یہی مفہوم ہو سکتا ہے کہ اگر اسلام کا اجتماعی سیاسی ادارہ خلیفہ اور خلافت موجود نہ ہو تو اصولوں پر افراد قائم رہیں یہی نجات کا باعث ہے۔ اسلام کے سیاسی اجتماعی ادارہ کا بدل تنظیمات نہیں ہیں۔ اصول دین عقائد اور اساسیت دین ہیں۔

اسلام کے سیاسی اجتماعی دینی ادارہ کے فقدان کے باوجود کسی بھی بستی علاقے ملک اور شہر میں اور کسی بھی چھوٹی بڑی سطح پر اجتماعی عمل کی بڑی گنجائش ہے بلکہ دین میں مطلوب ہے اور اس عمل کا اجراء بھی (اہل حل وعقد یا اصحاب شوری) کے ذریعہ ہوگا۔ اسلام کا اجتماعی سیاسی دینی ادارہ امارت اسلامیہ یا خلافت نہ بھی قائم ہو پھر بھی **''اہل حل وعقد''** یا شورائیت کا ادارہ شرعا ہر جگہ قائم ہونا چاہیے اور کسی بھی اجتماعی دینی سرگرمی کے لئے شورائیت کی صلاحیت رکھنے والے افراد کا رول طے ہے اور ان میں ان کی شرکت لازمی ہے۔ کسی بھی دینی اسلامی ادارہ تنظیم اور دینی واجتماعی عمل کو اس وقت شریعت اور لیگالٹی یا ان کے وجود کو جواز مل سکتا ہے جب مسلم سماج کے شورائی ادارے یا اہل شوری اور اصحاب حل وعقد کی شمولیت پائی جاتی ہو۔ اسلامی اجتماعی کاموں میں خود رائی جرم ہے اور شرعا غلط ہے۔

تنظیمات اور ادارے جن کو صحیح شورائیت کے ذریعے قائم نہ کیا جائے اور شورائیت کے تحت نہ چلایا جائے، ان کے قیام اور چلانے کا شرعا جواز نہیں ہے۔ ایسے ادارے یا تنظیمات جن کی پشت پر اہل حل وعقد اور اصحاب شوری اور شورائیت نہ ہو انکو دینی شرعی جائز ادارہ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ شرعا ان کے عدم جواز کا ہی فتوی لگنا چاہیے۔ اسی طرح جو ادارے اہل حل وعقد کے ذریعہ قائم ہو گئے لیکن ان کے چلانے میں خود رائی اختیار کی جاتی ہے ایسے لوگ ملی کاز کے ساتھ خیانت اور غداری کرنے والے شمار ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ شرعا اپنے وجود کے لئے جواز پائے ہوئے ادارہ کی سربراہی کرتے ہیں لیکن خود رائی اور من مانی کرتے ہیں اور اصلی شوری کے بجائے دوسرے ناموں سے غیر شوری اراکین کا ان کو مقام دیتے ہیں اور اپنی من مانی ان کو شریک کرتے ہیں وہ سب ملی کاز کے ساتھ دھوکہ کرتے ہیں اور جن کی نمائندگی کرتے ہیں ان کے ساتھ غداری کرتے ہیں اور اپنے منصب کا ناجائز

فائدہ اٹھا کر خیانت کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اہل حل وعقد کے اوصاف وخصائص قرآن وسنت میں طے ہیں اور علماء ومحدثین نے ان کے اوصاف کی تحدید کردی ہے (اس کے لیے میرے رسالہ ''اہل حل وعقد'' کا مطالعہ کیجیے) ان اوصاف کے ضمن میں ان امور کا ذکر ہوتا ہے۔ (۱) علم (۲) تقوی (۳) تفقہ اور بصیرت یا سوجھ بوجھ (۴) امانت داری (۵) نصح وخیر خواہی۔ جن افراد امت کے اندر یہ پانچ اوصاف صحیح طور پر پائے جائیں ان کا شمار اہل حل وعقد یا اصحاب شوری میں ہوتا ہے۔ ان کے اندر ان پانچ اوصاف کا نصّی تصریحات کے مطابق متحقق ہونا ضروری ہے۔ کسی فرد کے لئے کسی ایک شرط کا فقدان اسے اہل شوری میں محسوب ہونے کا استحقاق نہیں دے سکتا۔ انھیں اہل حل وعقد کے حامل اوصاف میں جو زیادہ کامل ہو امت کے اجتماعی امور کا ذمہ دار بن سکتا ہے اور اگر اس کے اندر اوصاف مذکورہ کا تحقق نہ ہو تو وہ کسی ادارہ کسی تنظیم کا ذمہ دار بننے کا حق نہیں رکھتا ہے۔ چندہ جمع کرنا، خیرات بٹورنا، خوشامد کرنا اور چمچہ گیری میں ماہر ہونا اہل شوری میں شامل ہونے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اور اہل شوری میں شامل ہونے کی صلاحیت پیدا نہیں کرتا۔ اسی طرح کسی بڑی ڈگری کا حامل ہونا، مالداری بھی اہل شوری میں شمولیت کا کسی کو حقدار نہیں بناتی۔ مسائل امت اور مفاد امت بٹے ہوئے نہیں ہیں، نہ یہ انفرادی امور ہوتے ہیں۔ اس لئے خود رائی اور خود پرستی کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ یہاں فقط شورائیت کا راج ہوتا ہے۔ تنظیم یا ادارہ قائم کرنے اور چلانے کے سلسلے میں ان شرعی اور فقہی نقاط کو سمجھنا ضروری ہے جماعتی تنظیم میں ان فقہی امور کو ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے۔

اسلامی سیاسی اجتماعی ادارے سے ہر فرد مسلم کی وابستگی حتمی ہے۔ اس کو اختیار نہیں ہے کہ الگ تھلگ رہے اور تنظیمی ادارہ میں کسی کسی شمولیت اختیاری ہے۔ اس کے اوپر حتمی نہیں ہے۔ اسلامی سیاسی اجتماعی دارہ خلافت یا امارت اسلامیہ سے الگ رہنا یا مخالفت کرنا بغاوت اور شذوذ ہے۔ جاہلیت کی موت مرنا ہے۔ اور تنظیمی ادارہ سے کوئی نہ جڑے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اسی طرح اسلامی سیاسی نظام یا اسلامی امارت وہیں قائم ہوسکتی ہے جہاں اسلامی نظام کی تنفیذ ہوسکتی ہے اور دینی تنظیم کہیں قائم ہوسکتی ہے۔ اسلامی سیاسی نظام یا

اسلامی امارت جس دائرے میں قائم ہو وہاں ثنویت اور تنوع کی گنجائش نہیں ہے۔ تنظیموں اور اداروں میں اصلا تنوع ہے۔ اسلامی امارت کا دائرہ کار تنفیذ اسلام ہے اور تنظیم کے لئے ایسی شرط نہیں ہے نہ اس کا دائرہ کار ہے۔ اسلام کے سیاسی نظام کے رہ بر کی تکریم اسلامی سیاسی نظام میں ہر فرد پر واجب ہے اور تنظیمی ادارے میں تنظیمی رہبر کے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہے۔ اسلامی نظام کے سربراہ کی قیادت فسخ نہیں ہوتی الا یہ کہ اس سے کفر بواح سرزد ہو اور اسے ہٹانا ممکن ہو تو ہٹایا جائے ورنہ اسے صبر کے ساتھ جھیلا جائے گا۔ اور تنظیم کی قیادت کو جب ضرورت ہو کالعدم کیا جاسکتا ہے اور دستور کے اعتبار سے دستوری خلاف ورزی کے تحت اسے گھر بھیجا جاسکتا ہے۔ تنظیمی دستور میں اس کی تشریح ہوتی ہے۔ اسلامی سیاسی نظام کے سربراہ سلطان خلیفہ امیر کو سربراہی ملتے ہی احترام تکریم کا مستحق گردانا جاتا ہے اور علی العموم اس کی قیادت کو تسلیم کرنا لازم ہوتا ہے اور تنظیمی اداروں کے سربراہ کو صرف تنظیمی دائرے تک سربراہ مانا جاتا ہے اور اسے تکریم اس کی کارکردگی کی بنیاد پر ملتی ہے۔ اگر کارکردگی نہیں ہے یا غلط کارکردگی ہے تو وہ قابل سرزنش لائق مذمت ہے اور اس سے کنارہ کشی لازمی ہے تاکہ تعاون علی الاثم کا ارتکاب نہ ہو اسلامی سیاسی ادارے اور دینی تنظیمی ادارے کے درمیان کل وجز کا فرق ہے۔

اسلامی سیاسی ادارہ ہمہ گیر ہوتا ہے اس لیے اس کے سربراہ کے عزل اور اس کے اقتدار کو فسخ کرنے سے سیاسی اتھل پتھل طے ہوتا ہے، اس لیے اس سے بچنے کے لیے اسے عزل نہیں کہا جاتا ہے اور تنظیمی امارات کی محدودیت اور عدم حتمیت کی وجہ سے یہاں ایسا ڈر نہیں رہتا ہے بلکہ اس کی بدعنوانی پر اسے معطل نہ کرنے سے تنظیم کی افادیت اور اس کے وجود کی معنویت ختم ہوجاتی ہے۔

یہ اور اس طرح کے دیگر اسلام کے سیاسی نظام اور اس کے سربراہ اور دینی تنظیمی ادارے اور اس کے سربراہ کے درمیان فرق ہے۔ یہ فرق زمین آسمان کا فرق ہے۔ وجوب اور مباح کا فرق ہے۔ کلیت وجزئیت کا فرق ہے۔ حتمیت اور خیار کا فرق ہے۔ لزوم اور عدم لزوم کا فرق ہے۔ مگر کچھ بدھو کچھ عیار کچھ جمعیۃ کے قائد کی طرح خائن بدعنوان اور کرپٹ

دونوں اداروں یعنی اسلامی سیاسی ادارہ خلافت وامارت اور تنظیم کے درمیان یکسانیت کی
بات کرتے ہیں اور اسلامی سیاسی ادارہ کے سربراہ خلیفہ امیر سلطان اور تنظیم کے سربراہ کے
درمیان یکسانیت دکھلاتے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ عیاری فساد تغافل اور بھونڈوپن اس
حدتک بڑھ جائے کہ دونوں کے درمیان یکسانیت دکھلانے کی بھیانک قباحتیں ان کی
نگاہوں سے اوجھل ہوجائیں۔ اگر دونوں کو یکساں مان لیا جائے تو دین میں تحریف اور دین
کے ساتھ کھیل ہوگا جو کفر اور اباحیت پسندی اور تشدد و خارجیت پر منتج ہوگا۔ اس کا مطلب
ہوگا کہ دنیا میں جماعتی تنظیم کا اصغر نامہ جو خیانت الھڑ پن اور نااہلی اور بدعنوانی ہے ساری دنیا
کے مسلمانوں کے لئے حتمی ہے اور جماعت اہل حدیث ہی کا جو فرد اسے نہ مانے اس سے نہ
جڑے وہ قتل کا مستحق باغی جاہلیت کی موت مرنے والا اور شذوذ پسند ہے۔

جماعتی تنظیم کے اصغر نامے کو یہ مقام دینے والا دنیا کا سب سے بڑا خارجی احمق جاہل
محرف دین اور بیہودہ شخص ہوگا حیرت تو یہ ہے کہ (ترجمان) میں جمعیت کے ناظم کے رہبر
اعظم جن کا سراپا وجود عین کرپشن ہے۔ امارت اور اس کے تلازمات کے متعلق سعودی
علمائے کرام کی تحریروں کا ترجمہ کرواکے اپنے نام شائع کرواتے ہیں کہ اتفاق سے ترجمہ کی
صلاحیت سے محروم ہیں اور یہ درشاتے ہیں کہ تنظیم میں قیادت کی غلیظ اور بدبودار بدعنوانی
عین حق ہے اور اس کی مخالفت بغاوت دین اور جرم عظیم۔ ایسے احمقوں کو پاگل خانے میں
رہنا چاہیے، نہ کہ کسی جامعہ میں۔ اوپر تفصیل کے ساتھ بیان کردہ اسلام کے سیاسی ادارہ/
خلافت/امارت اسلامی/ سلطنت اسلامی اور اس کے رہبر/خلیفہ/امیر سلطان کے درمیان
اور دینی تنظیم اور اس کے قائد کے درمیان تفاوت کو بیان کیا گیا۔ اس تفصیلی تفاوت کو دیکھئے
اور فیصلہ کیجئے ان فاسقانہ تحریفی کوششوں کے متعلق اہل حدیث ہونے اور منہجیت کا دعوی
کرنے والوں کو کیا یہ زیب دیتا ہے کہ دین میں تحریف کرنے کی کوشش کریں۔ احادیث
میں فروعی مسائل کے متعلق چند الفاظ کی تحریف پر ہم دوسروں کے خلاف جنگ چھیڑتے ہیں
اور خود اصول دین میں تحریف کرتے ہیں اور شرماتے نہیں۔

اسلامی سیاسی اجتماعی ادارے اور دینی تنظیم کے درمیان یہ تفاوت ملاحظہ کرنے کے

بعد یہ طے ہوتا جاتا ہے کہ دینی تنظیمات کے لئے امارت اور اس کے سربراہ کے لئے امیر کا
لفظ استعمال کرنا ہی مناسب نہیں ہے اور اس مقدس لفظ کے ساتھ کھلواڑ دیکھئے۔ اسلامی
سیاسی ادارہ میں امارت اسلامی کے سربراہ کے لیے امیر کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اس کے
ماتحت ریاستوں کے ذمہ داروں کے لئے ولاۃ یا دیگر اصطلاحات کا استعمال ہوتا ہے۔ ان
کے لئے امیر کی اصطلاح کا اطلاق نہیں ہوتا۔ لیکن دینی تنظیمات کی ہر سطح کے سربراہ کو امیر
کہا جاتا ہے۔ مقامی امیر بھی ہوتا ہے۔ ضلعی امیر بھی ہوتا ہے۔ صوبائی امیر بھی ہوتا ہے۔
اور مرکزی امیر بھی ہوتا ہے اور دستوری امیر بیچارے بے اختیار بھی ہوتے ہیں۔ تنظیم کا سارا
نظام سیکولر اداروں کے نظام کی نقل۔ اور بے چارے مولوی اپنی جمعیت میں اسے خلافت
وامارت کا تقدس عطا کرنے کے لئے سرگرداں۔ ایسے ہی بیچاروں کے لیے اقبال نے کہا تھا۔

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
آہ کیا جانیں بے چارے دورکعت کے امام

دینی تنظیم کی شرعی حیثیت کی وضاحت کے بعد اب دینی تنظیم کی اہمیت اور ضرورت کو
جاننا ضروری ہے تاکہ ہمارا کوئی تصرف یا سرگرمی منہجیت کے خلاف نہ ہو اور تنظیم کے متعلق ہم
متوازن موقف اور صحیح رائے پر قائم رہیں، افراط وتفریط کے شکار نہ ہوں۔ ہماری تنظیم ایک
دینی تنظیم ہے اور تشکیل تنظیم سے لے کر روزمرہ تنظیم چلانے تک ہم اس کے پابند ہیں کہ کلی
طور پر اسلامی اصولوں کے پابند رہیں۔ امانت داری مسئولیت اور تناصح پر قائم رہیں۔
اور اس کے کارکن اور ذمہ دار وہی لوگ بنیں جو اہل شوری میں شمار ہوسکتے ہوں۔

جمعیۃ پوری جماعت اہل حدیث کی اجتماعی جدوجہد کے لئے ایک نمائندہ پلیٹ فارم
ہے۔ کوئی دوسرا ادارہ اس کا بدل نہیں ہوسکتا ہے۔ نہ عملاً جماعت دوقومی پیمانے کی تنظیموں کا
متحمل ہوسکتی ہے۔ تنظیم کوئی فخر ومباہات کی چیز نہیں ہے۔ تنظیم اس لئے ہے تاکہ پوری
جماعت کے مفادات کا تحفظ کرے۔ اور اس کے مسائل کو حل کرے اور اس کے امور کو منظّم
کرے۔ افراد جماعت کے فلاح وبہبود کے کام کرے اور ان کی رہنمائی اور قیادت کرے۔
اقلیت کی حیثیت سے اس ملک میں ہم مسلمان ہیں اور مسلمانوں کے اندر ہماری بطور

اہل حدیث ایک خاص حیثیت اور شناخت ہے اور ہماری آبادی کروڑوں میں ہے۔حکومت سیکولر ہے، جس کو ہمارے دین تہذیب زبان اور شناخت سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ ان امور کی ذمہ داری صرف ہمارے سر پر ہے۔ اسی طرح یہ بھی طے ہے کہ جب تک کوئی فرد گروہ یا جماعت خود اپنے بارے میں فکر نہیں کرتی، اپنی ترقی اور خوشحالی کی فکر نہیں کرتی، اپنے افراد کی غربت اور جہالت کو دور کرنے کی تدبیر نہیں کرتی، حکومت اس کے لئے زیادہ کارآمد نہیں ثابت ہوتی۔ ہماری اہل حدیث آبادی کروڑوں میں ہے ان کی اپنی دینی ودنیاوی ضروریات ہیں۔ نیز دوسروں کی خیرخواہی اور اصلاح اور ان کے لئے مفید بننا ہماری ذمہ داری ہے۔ خود ہمارے افراد کے اندر غربت جہالت عام ہے بہار بنگال جھارکھنڈ اور مشرقی یوپی میں ہی ہماری زیادہ تر آبادی ہے۔ ان کے اندر تعلیمی کمی اور معاشی بدحالی ہے۔ ہماری جماعت کی نمائندہ تنظیم ہی یہ کام کرسکتی ہے کہ جماعت کی مالی اور تعلیمی ضرورت پوری کرے اور اپنے افراد کی تعلیمی ترقی اور معاشی خوش حالی کے متعلق سوچے اور ان کے حصول کا ہر ممکن جتن کرے۔

جماعت سے وابستہ لوگوں کے اندر سماجی انحراف، عائلی پریشانی اور انفرادی مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں۔ ان کو سدھارنا دور کرنا اور حل کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ خانگی الجھنیں، اختلافات، شادی بیاہ، رسوم ورواج، بدعات، جبر وستم، غبن آسمانی آفات کی مختلف شکلوں میں نمایاں ہوسکتی ہیں۔ ان سے نمٹنا ہماری ذمہ داری ہے اور یہ ذمہ داری نہ نبھانا بے حسی غفلت اور مسئولیت سے فرار ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ یہ سب گمبھیر مسائل ہیں۔ مقدمات لڑائی جھگڑے عام ہیں حتی کہ گاؤں گاؤں میں مساجد ومدارس تک کے جھگڑے عام ہیں ان کی فکر نہ کرنا نحوست سے کم نہیں ہے۔

دعوت وتبلیغ تعلیم وتربیت سب سے بڑی دینی ذمہ داری ہے اس کو پورا کرنا ہمارے اوپر فرض ہے۔ لیکن افسوس سرے سے یہ فرائض ہمارے ایجنڈے سے خارج ہیں۔ تعلیم کے نام پر تنظیم زیرو ہے۔ دعوت کے نام پر زیرو ہے۔ ویلفیئر کے نام پر زیرو ہے۔ تربیت کے نام پر زیرو ہے۔ مساجد مدارس کو منظم کرنے کے نام پر زیرو ہے۔ افراد سازی کے نام پر

زیرو ہے۔ حتی کہ رکنیت سازی اور تنظیم سازی کے نام پر فساد سے پر ہے۔ ناکارہ اور ناقص افراد کا فقط نام ہے۔ کام کوئی نہیں ہے۔

تنظیم کی اہمیت اور ضرورت کا احساس کم از کم سوجھ بوجھ والوں اور اصحاب فہم وفراست کو پوری طرح ہونا چاہیے۔ اسے پورے ملک میں ہماری اجتماعیت اور طاقت کی علامت ہونی چاہیے۔ اسی وقت اس کے اندر کشش پیدا ہوسکتی ہے اور اس سے لوگوں کی حقیقی وابستگی ہوسکتی ہے اور ملک وملت بھی ہمارے وجود اور ہماری حیثیت کو تسلیم کرسکتی ہے اور ہمارے افراد انتشار فکری اور بے اعتنائی سے بچ سکتے ہیں۔ جب ہم ان کی ضروریات شدت سے محسوس کریں گے اور جماعتی زندگی کے سارے سامان کا جتن کریں گے۔ اسی وقت افراد جماعت بھی اپنے اندر ایسی طاقت محسوس کریں گے انھیں جماعت اور تنظیم سے انتساب ظاہر کرنے میں شرمساری کے بجائے عزت کا احساس ہوگا۔

افسوس اس کا ہے کہ اس کی اہمیت اور ضرورت کا اعتراف اب تک نہیں ہوسکا ہے بلکہ اسے دبوچ اور دبا کر رکھا گیا ہے تاکہ وہ طاقت ور ہوکر جماعت میں تعلیم، مساجد اور دعوت کے نام پر کرپشن پھیلانے والوں کا احتساب نہ کرنے لگے۔ اور کبھی یہ عوامی تنظیم نہ بن سکے اس لیے یہ کبھی چند اثریاء کے ہاتھ رسوا ہوتی رہی کبھی اسے بندگان جیب وشکم نے یرغمال بنا کر رکھا۔ اور اکثر اس کا احساس دلایا جاتا رہا ہے کہ جماعت میں انفرادی کام ہی ہوئے ہیں اور افراد نے ہی دعوتی تعلیمی تالیفی کام کئے ہیں۔ تنظیم کی ضرورت جماعت کو ہے ہی نہیں۔ کبھی کچھ احمق خارجی ذہنیت رکھنے والے یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ اسلاف نے تنظیم قائم نہیں کی اس لئے تنظیم قائم کرنا بدعت ہے۔ یہ ساری باتیں احمقانہ بھی ہیں اور خودغرضانہ بھی اور تنظیم کو نظرانداز کردینے کا ایک بہانہ بھی۔

تنظیم چاہے پوری جماعت کے ہر کام ہر فرد پر اشراف کرے۔ چاہے حکومت کے پیمانے پر جماعت کے سارے احتیاجات کا انتظام کرے اور تنظیم کے سارے کل پرزے حکومت کے طرز پر تیار کرے۔ اور سارے وہ کام کرے جس کی ضرورت آج کی متمدن دنیا میں ہے سب کی شدید ضرورت ہے۔ لیکن یہ سب اس وقت ممکن ہوگا جب تنظیم کامل

شورائیت کی اساس پر تشکیل پائے اور ارباب شوری حقیقی معنوں میں اس کی تشکیل کریں اور اسے چلائیں۔گٹکا چھاپ قسم کے لوگ یا بے عمل برے خائن اور تماش بین قسم کے لوگ اس سے دور رہیں۔ تنظیم کی موجودہ صورت ذہنی عیاشی کی ایک شکل ہے اور عملا فساد فتنہ اور بدعنوانی پھیلانے کا ایک کریہ اور گھناؤنا عمل۔

تنظیم کی اہمیت طے ہے۔اس کی فعالیت اور تاثیر مطلوب ہے اور اس کی حقیقی تشکیل کی ضرورت مسلم ہے اور اس کے پلیٹ فارم سے اجتماعی جدوجہد ایک شرعی ترجیحی عمل ہے۔ جمہوریت اور سیکولر طرز پر ووٹوں کے ذریعہ جمعیت کی تشکیل ایک فاسقانہ عمل ہے اور کھلی ہوئی معصیت کا ایک اجتماعی عمل۔ بروقت تنظیم میں اکثریت کا ملہ ان کی ہے جو ارباب شوری میں شمار ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ اکثر نااہل خوشامدی مغفل اور ٹوڈی ہیں۔ تنظیم کو اصلی شرعی دینی روپ دینے کے لئے جدید کاری اور اصلاح کی شدید ضرورت ہے۔ تنظیم کے سلسلے میں ایک بات خاص کر ملحوظ خاطر رکھنے کی ضرورت ہے کہ تنظیم کا وقار اور مقام کبھی گرنے نہ پائے اس کے اندر غیر معیاری سطحی اور چھچھورے قسم کے لوگ داخلہ نہ پائیں۔ مالی خیانتوں میں ملوث سازشی مزاج رکھنے والے ابن الوقت بدنام قسم کے لوگ تنظیمی کارکن یا ذمہ دار نہ بننے پائیں۔ جمعیت میں سیاست بازی جتھا بازی کا ماحول نہ بنے۔اس کے اسٹیج کو سیاسی نیتاؤں سے سجانے کی کوشش نہ کی جائے۔ غیر معتبر اور غیر ثقہ لوگوں کو اس کے اسٹیج سے بولنے کا موقع نہ دیا جائے۔نہ غیر معتبر، غیر ثقہ اسٹیج پر جماعتی ذمہ دار جائیں۔

☆ دستور کی اصلاح

تنظیم کی اصلاح اور جدید کاری کے لئے اوپر ذکر کردہ دونوں امور کو دھیان میں رکھیں اور اس تصور کے ساتھ اس کی تشکیل جدید کے بارے میں سوچیں۔سب سے پہلے ہمیں ایک صاف ستھرا دستور تیار کرنا چاہیے۔موجودہ دستور تشکیل تنظیم کے سلسلے میں ووٹ اور انتخاب پر مبنی ہے اور تنظیم سازی و رکنیت سازی میں جمہوریت اور سیکولرزم کی کامل نقالی ہے۔ووٹ، انتخاب، میقاتی رکنیت سازی اور تنظیم سازی کل کا کل فساد سے بھر جاتا ہے۔ یہ تمام عمل دین

مسلک حتی کہ مروت اور انسانیت کو پامال کر کے انجام پاتا ہے اور بدعنوانی کا ملک گیر لامتناہی سلسلہ شروع کر دیتا ہے۔ یہ چاروں سراسر دین کے خلاف جاتے ہیں اور تنظیم کے حوالے سے جماعت میں سیکولر مزاج بنتا ہے۔ملک کی سیاست کا سیکولر مزاج۔جماعت میں بھی اس کی نقالی ہوتی ہے اور بہت بری طرح سے۔

دینی تنظیم میں رکنیت سازی اور تنظیم سازی کی اساس اہلیت شوری اور شورائیت ہے نہ کہ ووٹ اور انتخاب اور رائے دہی۔انتخاب کی بھی گنجائش نکل سکتی ہے لیکن اس عمل کے بعد کہ دینی تنظیم کے ارکان شورائیت کے اوصاف کے حامل ہوں اور تنظیم کو اپنی عملی زندگی کا ترجیحی حصہ مانیں۔ رکنیت سازی اور تنظیم سازی کے وقت شورائیت کی اہلیت کو نظر انداز کر دینا اور اچھے برے کی تمیز اٹھا کر ہڑبونگی سیکولر روش اختیار کرنا درست نہیں ہے۔ رکن بنانے میں اوصاف دینیہ کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

تنظیم سازی کو آسان بنایا جائے۔ مقامی سطح سے لے کر مرکز تک چند ہی افراد بار بار نہ آئیں۔ایک تہائی کا چکر اوپر تک چلتا نہ جائے تنظیمی افراد کے ذریعے نیچے سے اوپر تک الگ الگ جمعیتوں کے ذمہ دار بنیں۔

الیکشن اگر ہو تو جیسا کہ کہا گیا شورائی اہلیت کی بنیاد پر اور شورائیت کی اساس پر۔ایسی صورت میں نیچے سے اوپر تک تشکیل جمعیت ہوگی لیکن شفافیت ہر حال میں ضروری ہے۔ الیکشن بھی ایسا ہو تو بہتر ہے کہ مقامی سے صوبائی تک تمام جمعیتوں کی تشکیل کو ایک ساتھ باندھ نہ دیا جائے ہر ایک کو جدا جدا کسی وقت انتخاب کرنے کی گنجائش رہے۔

جہاں سلیکشن کی گنجائش ہو وہاں سیلیکشن کو ترجیحی طور پر اختیار کیا جائے لیکن خودرائی کا سایہ اس پر نہ آئے شفافیت لازمی ہے۔

رکنیت سازی میقاتی اساس پر نہ ہو۔رکنیت سازی افراد سازی کی اساس پر ہو اور اس کی منظوری مرکز سے ملے تمام چھین بین کے بعد۔ اور یہ کام مسلسل ہوتا رہے اور مستقل رکنیت ہونی چاہیے۔

ذمہ داری ہمہ وقتی ہو، ذمہ دار باتنخواہ ہوں۔ متفرغ ہوں اور اوقات کار طے ہوں

اور عملی خاکہ ان کے سامنے ہو۔ خاص کر ان علاقوں میں جہاں اہل حدیث آبادی زیادہ ہو۔

ریاستی جمعیتوں کا صدر دفتر لازمی طور پر رکھا جائے اور جہاں اہل حدیث آبادی ہو وہاں ضلعی اور مقامی جمعیتوں کا بھی دفتر ہو اور متفرغ ذمہ دار ہوں۔

سیکولر تنظیموں اور انجمنوں کی طرح قیادت کی ثنویت ختم کی جائے اور امارت و امیر کا لفظ نکال کر صدر یا کوئی اور اصطلاح استعمال ہو۔ اور جہاں ضرورت ہو شعبے قائم ہوں اور ان کے نظماء متعین ہوں۔

شوری کی تعداد کم کی جائے اور ریاستی بنیاد پر برابر تعداد ارکان کا فارمولہ ختم ہو۔ تعداد ارکان ۶۰ تا ۸۰ ہو اور ملک کے اعیان علماء ماہرین اور معیاری سنجیدہ سمجھدار اور تنظیم کو ترجیحی درجے پر رکھنے والوں کو رکھا جائے جن کے اندر ارباب شوری کی اہلیت ہو۔

ذمہ داروں کی جوابدہی اور احتساب کی شق بڑھائی جائے۔

صرف مجلس شوری ہو اور فیصلہ کن ہو اور نگران اعلی بھی ہو، عاملہ کی ضرورت نہیں اور سال میں تین بار یا کم از کم دو بار اس کا انعقاد ہو اور پورے اختیار کے ساتھ اس کا انعقاد ہو۔ بروقت گٹکا چھاپ چوپال لگا کر مجلس شوری کی رسوائی نہ ہو۔ اگر چار دن ایک ہفتہ رکنا ہو تو تعداد کا ن رک کر سارے فیصلے پروگرامنگ اور منصوبہ بندی کریں اور ہر سرگرمی سے وہ باخبر رہے اور احتساب بھی ہو۔ کارکنان جمعیۃ ہی عاملہ اور ہیئت تنفیذی ہیں شوری کے فیصلوں اور سونپے گئے اختیارات کے تحت کام کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

شوری کی ایک کمیٹی احتساب کرنے اور الیکشن یا سلیکشن کی ہمیشہ نگرانی کرنے کے لیے متعین ہو۔

ارکان جمعیۃ اور ارکان شوری کی تربیت کا انتظام رہے۔

میقات عمل ۳ یا ۴ سال کا ہو اور ایک میقات کے بعد ذمہ داروں کی کارکردگی کا شوری کی ایک احتسابی کمیٹی جائزہ لے، اگر صدر یا ذمہ دار کی کارکردگی بہتر ہے تو اسے دوسرے میقات کے لئے موقع ملے اگر کارکردگی نہیں ہے یا ہے لیکن شفافیت نہیں ہے تو دستوراً اسے موقع نہیں ملے۔

شوری کے ارکان میں سے حسب ضرورت احتسابی کمیٹی مالی کمیٹی، الیکشن سلیکشن کمیٹی بنائی جائے یا دیگر حسب ضرورت کمیٹیاں بنائی جائیں۔

ذمہ داروں کی حرکت و نقل دستوری و تنظیمی ہو۔ اور اس کی رپورٹنگ ہو۔ اس کا ریکارڈ بنے۔ اور آمد و رفت کے خرچے طے ہوں اور دورے من مانی نہ ہوں اس کے لئے فریم ورک طے ہو۔

دستور کو ایسا بنانا ضروری ہے کہ جماعت اور مسلک کے ہم آہنگ ہو۔ فسق و فجور من مانی اور کرپشن کو بڑھاوا نہ دے اور ایسا فریم ورک نہ بنا دے کہ ہم مجبور ہو کر رہ جائیں۔ حرام خوریوں اور خیانتوں کو مجبوری سے دیکھتے رہیں یا ایک حق پرست جماعت کے افراد اور اعلی ڈگریوں کے حامل ان کی توثیق کریں۔

دستور سازی اور تنظیم سازی ایسی ہونی چاہیے کہ دوبارہ پھر جماعت بدعنوان فریب اور بدبخت منحوس قیادت کے فتنوں سے دوچار نہ ہو۔ اس کے ہاتھ کھلے رہیں اور کرپشن پر فوراً ایکشن لینے کی ضرورت کا شدت سے احساس ہو اور ایکشن لینا فریضہ بن جائے۔

☆ شورائیت کا اہتمام

شورائیت تنظیم کی اصل دینی عملی پہچان ہے۔ اس کی پہچان کروانا اس کو پروان چڑھانا، اس کی اساس پر فیصلہ لینا اور فیصلے کے مطابق اس پر عمل کرنا لازمی ہے۔ بروقت یا کلی شخص استبداد ہے یا چوپال ہے اور عموماً جماعتی مزاج شورائیت کا نہیں ہے استبدادی ہے یا پھر انارکی اور انتشار کا ہے۔ شورائیت کی راہ پر تنظیم بمشکل آتی ہے۔

شورائیت کے نظام میں خود رائی اور خود پرستی کی گنجائش نہیں رہتی۔ کسی بھی کام عمل اور سرگرمی سے وابستہ لوگوں کے اندر مقصدیت بھرپور طور پر رہتی ہے۔ لوگ شورائیت کی ذمہ داری کے تحت اخلاص سے کام کرتے ہیں۔ شورائیت میں کام اور مقصد کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ لوگ اپنی ذات کے لئے کام نہیں کرتے۔ نہ خوشامدیوں کے ذاتی کام کرتے ہیں۔ بلکہ پوری قوم کے لئے کام کرتے ہیں اور عام فائدے کے کام کرتے ہیں۔ شورائیت کی یہ بھی افادیت ہے کہ وہ طبقاتی مزاج کو ختم کرتی ہے۔ ذہنی ہم آہنگی پیدا کرتی ہے اور اجتماعی

جدوجہد کی صلاحیتوں کے اندر توافق اور نمو کا موقع فراہم کرتی ہے۔ ذہنی ناہمواریوں کو دور کرتی ہے۔شورائیت باہم لوگوں کے اندر تقارب پیدا کرتی ہے ان کے اندر مفاہمت اور یگانگت کا ماحول فراہم کرتی ہے۔استبداد خودرائی اور خود پرستی سے افراد کو بچاتی ہے۔

شورائیت سے مساوات کا ماحول بنتا ہے۔ لوگوں کے اندر گمبھیرتا سنجیدگی توازن اوروزن پیدا کرتی ہے۔ چوپالی بے راہ روی پامالی شور ہنگامہ اور ہاؤ وہو سے بچاتی ہے اور انبوہ کی بے سمت سوچ سے تحفظ عطا کرتی ہے۔شورائیت سے انسانی وسائل کو فروغ حاصل ہوتا ہے اور اس سے ایسا گروہ تیار ہوتا ہے جو باوقار امانت دار اور سمجھ دار ہوتا ہے اور جو سماج ومعاشرہ کے لئے مسیحا بن سکتا ہے۔

ہماری جماعت اور جماعتی تنظیم میں دنیا کے تمام فرق گروہوں ادیان شعوب وملل اور جماعتوں سے زیادہ شورائیت کی ضرورت ہے اگر شورائیت کا نظام عملا قائم ہوجائے کوئی دستور بھی نہ ہو اور لوگ اس کی اہلیت اور اوصاف سے آراستہ ہوں تب بھی اجتماعی عمل بحسن وخوبی انجام پاسکتا ہے مگر افسوس ہمارے سارے ادارہ جاتی اور تنظیمی کاموں میں عموما استبداد لاگو ہے اور اگر کہیں شورائیت کی بات ہے تو چوپال لگائی جاتی ہے اور بدعنوانی کی ساری صورت بروئے کار آجاتی ہے۔

جمعیۃ کی تشکیل میں سیکولر طریقے پر ووٹ اور انتخاب کو بنیاد بنانا نہایت الم انگیز صورت حال ہے اور انبوہ کے لئے اجتماعی عمل میں حصہ داری اور سرگرمی کے لئے راستہ کھول دینا ہے جس میں فسق وفجور فساد اور بدعنوانی ہی کا زیادہ امکان ہوتا ہے اور کسی طرح کی شفافیت کا ہزار کوششوں کے باوجود امکان ہی نہیں رہ جاتا ہے اور سارے سر یکساں ساری رائیں یکساں کا اصول ہوتا ہے۔اور سب اجتماعی امور اور عملی جدوجہد میں یکساں حقوق کے دعوی دار ہوتے ہیں۔ اور ایسے ایسے بندے بھی شوری وعاملہ ہی میں نہیں اعلی مناصب پر فائز ہوجاتے ہیں جو شورائیت کے اہل نہیں ہوتے نہ شورائیت کے اوصاف سے متصف ہوتے ہیں۔ان کے چہرے مہرے ان کی باتوں اور ان کے تصرفات سے صرف جہل اور گنوار پن کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

جمعیت کی جدید کاری اور اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ تمام پرانے فرسودہ رویے سوچ ذہنیت اور چوپالی جمگھٹے سے کلی طور پر اجتناب کیا جائے اور شورائیت کی بنیاد پر نئے رویے نئے تصورات نئی سوچ اور نئے نظام کو قائم کیا جائے اور تنظیم کے کاموں کو آسان بنایا جائے روایات فارملٹیز اور بے سود اجتماعات میٹنگوں اور مجلسوں سے احتراز کیا جائے۔ افراد جماعت کا بھیڑ بھاڑ اور اوقات کے ضیاع سے بچا جائے۔شورائی مزاج بنانے کی شدید ضرورت ہے اس کے لیے تربیتی کورس رکھنے اور شوری کورس تیار کرنے کی ضرورت ہے اس کے بغیر تنظیم سے وابستہ لوگوں کا شورائی مزاج نہیں بن سکتا۔افراد جماعت کا شورائی مزاج بنانے میں وقت لگے گا۔

☆ **تنظیمی سرگرمیاں**:

اہل حدیث آبادی کی ایک کثیر تعداد پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہے۔ان کی رہبری اصلاح اور ترقی کے لئے تنظیم کو حکومتی پیمانے پر پروگرام بنانے کام کرنے ، وسائل فراہم کرنے ،افراد کار تیار کرنے کی ضرورت ہے۔تنظیم کی جدید کاری یک بیک نہیں ہوسکتی ہے نہ اس کا مکمل پروگرام یک ساتھ وجود میں آسکتا ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ مکمل ہدف تک پہنچنے میں وقت لگے اور مرحلہ وار پورا کام انجام پائے گا۔

تنظیم کی فعالیت اثر آفرینی اور جماعت کی بھرپور خدمت اسی وقت ممکن ہے جب جماعت کے افراد مسائل اور ضروریات پر تنظیم کی پوری نظر رہے اور حسب ضرورت اپنا دائرہ کار بڑھاتی رہے اور اپنے کارکنوں میں تنوع پیدا کرتی رہے۔

تنظیم کو موثر اور فعال بنانے کے لئے تنظیم کو تنظیم سازی ، دعوت، تعلیم امور مساجد خدمت خلق اور ریسرچ وتحقیق کے میدانوں میں خاص کر کام کرنا چاہیے۔مشکل یہ ہے کہ ہمارے یہاں کام کا تصور بھی عجیب ہے۔جلسہ کرنے ، چندہ کرنے ، بیرون ملکوں میں آنے جانے ،نیتاؤں سے تعلق استوار کرنے یا مشروعات بانٹنے اور بلڈنگ بنوانے کو بڑا کام مانا جاتا ہے۔کروڑوں افراد کی جماعت کی تنظیم کا کام بڑا اس وقت مانا جانا چاہیے جب اس کے منصوبے پروگرام اور ایجنڈے میں جماعت کا ہر فرد شامل اور داخل ہو اور ہر ایک اس

سے تاثر پذیر ہو اور مستفید ہو اور اس کی رہنمائی ہو، اس کی تربیت اور اصلاح ہو، اس کی علمی مادی اور روحانی ترقی ہو۔

ہماری تنظیم کی یہ بڑی کمی رہی ہے کہ لوگوں نے تنظیم کے دائرہ کار کو انتہائی محدود جانا اور سمجھا۔ اس کے عظیم کارنامے کی دلیل کانفرنسیں ہو جاتی ہیں جبکہ حالیہ کانفرنسیں فقط فساد فریب فسق اور فتنہ تھیں۔ بہرحال دین ملت اور جماعت کی کامل خدمت گذاری کے لئے کم از کم مذکورہ میدانوں میں کام کرنا نہایت ضروری ہے۔

☆ تنظیم سازی

تنظیم حکومت سازی کے مترادف ہے۔ تنظیم سازی میں رکنیت سازی، افراد سازی، ذہنیت، تشکیل تنظیم، شوری کی ممبر سازی سب شامل ہیں۔ اس طرح تنظیم سازی میں اراکین کی اخلاقی دینی اور علمی نگرانی، ان کی تربیت کا انتظام، ان کی لیاقت میں اضافہ، ذہنی ہم آہنگی پیدا کرنے کا انتظام، ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھنا، وقت بہ وقت دورے کرنا ان سے ملنا ان کا ریکارڈ رکھنا، رکن بنانے میں رکنیت کے معیار کے مطابق ان کو پرکھنا اور ان کا جائزہ لینا ان کے لئے تنظیمی ترجیحات کو طے کرنا تنظیم سے ان کی دلچسپی اور لگن کو برقرار رکھنا اور تنظیمی کاموں کو بخوشی بجالانے کے لئے ان کے اندر لگن پیدا کرنا اور تنظیمی کاموں کی انجام دہی میں روز روز ان کے اندر پختگی لانے اور تجربات بڑھانے کی کوشش کرنا۔

اراکین تنظیم ہی پورے ملک میں تنظیم کے خاکوں میں رنگ بھرنے کا کام کر سکتے ہیں۔ اور وہی تنظیمی کاموں کی انجام دہی کی بنیاد بن سکتے ہیں۔ ان کے ذریعے مقاصد بڑی آسانی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔

موجودہ صورت میں تنظیم کے اراکین کون ہیں کسی کو ان کی خبر نہیں۔ شاید خود ان کو بھی اس کی خبر نہیں۔ خانہ پری کے لئے رکنیت سازی ہوتی ہے اور ذاتی مقصد برآری کے لئے یہ لمحاتی کام ہوتا ہے اور بس۔ پھر پورے پانچ سالوں تک ان کا کوئی رول نہیں ہوتا ہے۔ دراصل یہیں سے بنیادی غلطی شروع ہوتی ہے اور بہت بڑی غلطی کا ارتکاب ہوتا ہے کہ جماعت سے چن کر تنظیم کے ارکان نہ بنائے جائیں موقتا بنائے جائیں اور مستقلا نہ بنائے

جائیں۔ ان کو تنظیم کی بنیاد نہ تسلیم کیا جائے۔ جب کسی تنظیم کے مستقل کارآمد باصلاحیت ساتھی نہ ہوں تو وہ تنظیم ہواؤں میں معلق رہ تو سکتی ہے زمین پر اس کے قدم مضبوطی سے ٹک نہیں سکتے۔ نہ زمینی حقائق سے اسے آگاہی حاصل ہو سکتی ہے۔ سیاسی پارٹیوں کی طرح دینی تنظیم میں رکنیت سازی نہیں ہوتی۔ سیاسی پارٹیاں اراکین کو جمع کر کے شور و ہنگامہ کرتی ہیں۔ کرسی تک پہنچ جاتی ہیں اور بس۔ دینی تنظیم میں اراکین کا کام صرف اتنا نہیں ہے کہ تشکیل جمعیۃ کے وقت شور شرابہ کریں۔ ووٹ دیں اور بس۔ اگر ان کا مصرف صرف اتنا ہے تو یہ تنظیم کی تباہ کن صورت حال ہے۔ دینی تنظیم میں ارکان، تنظیم کا سرمایہ، اساس، طاقت اور جوہر ہوتے ہیں۔ ان کو نظرانداز کر کے دینی تنظیم صرف پھکڑ پن کا شکار ہو سکتی ہے اور ایک بے روح ڈھانچہ کھڑا ہو سکتا ہے۔

رکن سازی اور ارکان سے متعلق جماعت زمانے سے بھیانک غلطی کئے جارہی ہے اور ان کے بغیر کھوکھلے ہیکل تنظیمی سے یہ توقع وابستہ رکھتی ہے کہ تنظیم بڑا کام کرے گی یہ بالکل بے جا توقع اور عبث امید ہے۔

تنظیم سازی کے متعلق اس بنیادی حقیقت کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اسے نظر انداز کرنا ایسے ہی ہے جیسے بنیاد کی تعمیر کئے بغیر گھر تعمیر کرنا۔ تنظیم سازی کا اولین ہدف یہی ہوتا ہے کہ رکنیت سازی میں افراد سازی کا پہلو اساسی طور پر ملحوظ رہے۔ ایسے ارکان تنظیم سے جڑیں جو تنظیم کے دائرہ کار متعدد الجہات اعمال اور کثیر المقاصد عملی خاکے سے ہم آہنگ ہوں۔ اور کم از کم ان کثیر النوع صلاحیت کے حامل ہوں یا بالقوی ان کے اندر ایسی صلاحیت ہو یا امکانی حد تک اس کے حامل ہوں جن کی نمو پذیری ہو سکے اور تربیتی عمل کے ذریعہ ان کی افزائش ہو سکے اور بالفعل وہ نمایاں ہو سکیں اور عملی طور پر ان کا ظہور ہو سکے۔

ارکان کو متعدد صلاحیات اور تجربات کا حامل ہونا چاہیے تاکہ جس معاشرے اور ماحول میں تنظیم کام کرے اور جس ملک میں اس کا دائرہ کار ہو بھرپور طور پر ان صلاحیتوں اور تجربات کا استعمال ہو سکے اور تنظیم سے وابستہ افراد کے لئے خصوصا اصلاح و ترقی کا کام ہو سکے اور غیر وابستہ افراد کے لیے عمومی طور پر۔

تنظیم سازی کا خصوصی عمل ہے کہ ارکان تنظیم کے اندر ذہنی ہم آہنگی پیدا کرے، ان کے اندر مفاہمت کی بنیاد استوار کرے۔ تعلق باللہ کی بنیاد پر ان کا ربط مضبوط کرے۔ ان کی روحانی بالیدگی فکری نشاط وفروغ اور عملی توانائی کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کرے۔ ان کے اندر دین کی اشاعت اور ملت کے فروغ کے لئے جذبہ اور لگن پیدا کرے۔

تنظیم سازی کا مقصد ہوتا ہی ہے اجتماعی ذہن بنانا۔ اجتماعی جدوجہد کرنا تنظیمی اصول وضوابط کے مطابق انتشار فکری اور انتشار عملی سے لوگوں کو بچانا۔ تنظیمی جماعتی مسلکی اور دینی شناخت کے مطابق اجتماعیت کے دھاگے میں لوگوں کو پرو کر رکھ رکھنا۔ مسلک اور جماعت کے برخلاف رویوں کو پنپنے نہ دینا۔ دینی اصول وضوابط کے مطابق لوگوں کا رخ متعین کرنا اور ذہن بنانا مسلک اور دین کے نام پر استحصال کرنے کا کو لوگوں کو موقع نہ دینا اور ایسی حرکت کرنے پر نوٹس لینا۔ اباحیت خارجیت تحریکیت اور دیگر نئے نئے فتنوں کی سرکوبی کرنا اور جماعتی زندگی میں غفلت کمزوری اور استحصالی رویہ کو جماعت میں در آنے سے روکنا۔ سیاسی آفتوں اور ہر قسم کی سماجی عائلی معاشی گمراہیوں اور فتنوں کی سرکوبی کرنا۔

تنظیم سازی کی ذمہ داریوں میں یہ بھی داخل ہے کہ دینی معیار بندی قائم رہے تا کہ تنظیم کا معیار گرنے نہ پائے اور غیر معیاری لوگوں کے داخلے کے سبب تنظیمی سرگرمیوں میں خلل واقع نہ ہو۔ ناقص فکر وسوچ کمزور سیرت وکردار کے لوگوں کے سبب تنظیم کے اندر جتھا بندی کا عمل نہ شروع ہو جائے نہ مفادات کے حصول کے سری سرگرمیاں جاری ہوں۔ اجتماعی عمل کے لئے جڑنے والے افراد کے لئے دینی معیار متعین کرنا اور عملی صلاحیت دریافت کرنا لازمی ہے۔ ورنہ تنظیم نا اہل پژمردہ اور ناکارہ لوگوں کی انجمن بن کر رہ جائے گی۔ دینی معیار بندی تنظیمات کے لئے بہت ضروری ہے۔ اگر افراد کار کو تنظیم میں داخل کرنے کے وقت (دینی وعملی معیار) پر پرکھا نہ جائے تو ناکارہ لوگوں کو تنظیم میں داخلے کا سیلاب آ جائے گا اور ایسا لگے گا جیسے سیلابی پٹ Flood Gate کھل گیا ہے۔ جس تنظیم میں انبوہ رکن بن جائیں گے اس کے اندر تعطل کا پیدا ہونا لازمی ہے۔

تنظیم سازی کا عمل تقاضہ ہے کہ تنظیمی سسٹم اور عمل آسان بنایا جانے اور تنظیم جماعتی

ضرورتوں اور امنگوں کے ہم آہنگ ہو۔ اس میں بلاوجہ کے قاعدہ قانون کی بھرمار نہ ہو تنظیمی سسٹم میں داخل ہو کر لوگ شرح صدر محسوس کریں۔ گھٹن نہ محسوس کریں ان کی قوت کارکردگی بڑھ جائے اور ان کے فکر وخیال مضبوط ہو جائیں تہذیب اور شائستگی کے خوگر بن جائیں باغیانہ سوچ اور شورش سے دور رہیں۔

تنظیم سازی میں یہ بھی ضروری ہے کہ تنقیح کا عمل جاری رہے۔ جو لوگ جماعتی مفادات کے خلاف کام کریں یا تنظیم میں رہ کر اصول اور ضابطوں کی مخالفت کریں اور جماعتی اصولوں معتقدات اور تعلیمات کے برخلاف سرگرمی دکھلائیں ان کی سرزنش ہو، ان سے باز پرس کی جائے اور باز نہ آنے پر ان کو تنظیم سے نکال دیا جائے۔ اگر ضابطہ شکنی اور جماعتی معیار کے برخلاف کام کرنے پر تنقیح کا عمل جاری ہوگا تو تنظیم کو اپنے مقاصد کے حصول میں ناکامی نہیں ہوگی۔

تنظیم سازی کا ضابطہ شعبہ تنظیم کے لئے بہت ضروری ہے اور اس کے لیے دفتر بھی لازمی ہے تنظیم سازی کا نظم مرکز سے جڑنا ضروری ہے۔ تنظیم سازی کا جو ضابطہ اور پروگرام بنایا جائے اس کے مطابق مقامی سطح سے لے کر مرکز تک تنظیم سازی کا کام انجام پائے۔ یہ حساس مسئلہ ہے۔ تنظیم اس مرکز کو دوسروں کے حوالے نہیں کر سکتی۔ مرکز کو اسے اپنے ہاتھ میں لینا ہوگا اور پوری ذمہ داری سے یہ کام کرنا ہوگا تنظیم سازی میں مقامی ضلعی صوبائی اور مرکزی جمعیتوں کی تشکیل میں امانت داری، ذمہ داری اور شفافیت کا لحاظ کرنا ہوگا۔ تنظیم کے محاذ پر امانت داری شفافیت اور ذمہ داری کا اکثر گلا گھونٹ دیا جاتا ہے اور دین وملت کے ساتھ کھلواڑ کرنے کے لئے نااہل تنظیم میں داخل ہو جاتے ہیں۔

تنظیم سازی کا ایک اہم نقطہ ہے تمام ارکان کا ریکارڈ رکھنا اور اس کو بروئے کار لانا اور تشکیل جمعیۃ کا ریکارڈ رکھنا ایک دائمی ذمہ داری ہے۔ اس کے بغیر کام ہی نہیں چل سکتا اور دوامی رکنیت سازی کا عمل بھی تو برابر جاری رہے گا اس میں اضافے کی بات ہوتی رہے گی اور کبھی اس میں کمی کی بھی نوبت آ سکتی ہے۔

تنظیمی شعبہ تنظیم کا بہت اہم اور حساس شعبہ ہے۔ اس شعبے کا نہایت اہم ذمہ دار تجربہ

کار اور ہمت وحوصلے والا اچھے اخلاق وکردار کا انسان ہونا چاہیے جو اس شعبے کی نگرانی کرے۔ اس کے اندر تمام دینی واخلاقی خوبیاں بدرجہ اتم ہو۔ اس کی شخصیت پرکشش ہو جو لوگوں کو جٹا سکے اوران کو خود سے مانوس کر سکے۔ اس کے اندر اجتماعیت کا شعور موجود ہو اس کے اندر قائدانہ صلاحیت ہو۔

تنظیم کے شعبہ کا قیام اشد ضروری ہے، اور شعبہ تنظیم کے قیام کے لیے آفس، آفس کے سارے اسباب مہیا کرنا، اس کا بجٹ طے کرنا لازمی ہے۔ تنظیم کی مذکورہ ذمہ داریوں کے سوائے یہ بھی ضروری ہے کہ مسلک کے نام پر انجمنوں وسوسائٹیوں کے قیام پر نظر رہے اور جب تک شروط وقیود پورے نہ ہوں شفافیت نہ پائی جائے۔ جماعت میں انھیں پروان چڑھنے کا موقع نہ دیا جائے اور اپنے افراد کو دیگر جماعتوں اور تنظیموں سے تعلق رکھنے مشتبہ قسم کی احزاب اور پارٹیوں کے ساتھ جڑنے سے روکا جائے۔ سیاسی سرگرمیوں میں حصہ داری کے لئے موقف طے کرے۔ دوسری جماعتوں اور تنظیموں کے ساتھ تعلقات کے متعلق رہنما خطوط بنائے اور پالیسی طے کرے۔ ملکی بیرونی تعلقات کے اصول وضابطے بنائے اور اس میں برابر کوشاں رہے اور معیاری طریقے پر ایسے تعلقات استوار رکھے۔

دعوت

☆تنظیم دعوت اور دعوت کا همه گیر مفهوم:

دعوت وتبلیغ ایک دینی فریضہ ہے۔ قیامت تک دین کی دعوت وتبلیغ ہوتی رہے گی۔ ان شاءاللہ۔ دین کے فروغ اور مسلمانوں کی اصلاح کے لئے دعوت وتبلیغ اشد ضروری ہے اللہ کے بندوں کو ہدایت بھی دعوت دین ہی سے مل سکے گی۔ اگر دعوت دین کا کام بند ہو جائے تو معاشرے میں گمراہی عام ہو جائے گی۔

انسانی زندگی کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے کہ اس کو راہ حق بتلائی جائے۔ اللہ کا ناقابل تغیر قانون ہے کہ وہ ہمیشہ دعوت وہدایت کے لئے انبیاء بھیجتا رہا ہے تاکہ انسانوں کو ہدایت ملے اور اسی بنیاد پر ان کے نیک وبد کا حساب لے۔

لوگوں کو پیغام حق سے آگاہ کرنا اور دینی تعلیم کے ذریعہ انسانوں کو راہ راست پر لانا

سب سے بہتر کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ومن احسن قولا ممن دعا الى الله، وعمل صالحا وقال اننى من المسلمين (فصلت:۳۳)

اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے، نیک عمل کرے اور اقرار کرے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔

دعوت وتبلیغ کے بغیر کسی بھی دین کی بقاء ممکن نہیں۔ اگر اس کو بقا مل بھی جائے تو اس کی شکل بگڑ جائے گی، فقط دکانداری رہ جائے گی۔ تھیا کریسی یا دینی اجارہ داری کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوگا۔

دعوت وتبلیغ کے اصول وضوابط ہیں۔ ان کے مطابق کام کرنے سے کامیابی مل سکتی ہے۔ اگر ان اصولوں کو پیش نظر نہ رکھا جائے تو دعوت وتبلیغ بسا اوقات انتشار وخلفشار کا سبب بن جاتی ہے اور حق کی اشاعت کے بجائے شرک وبدعات کی اشاعت ہونے لگتی ہے۔ عیار لوگ اسے کمائی کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ شہرت ومنصب کا کھیل شروع ہو جاتا ہے۔

دعوت وتبلیغ میں پیغام، داعی اور مدعو کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر دعوت کی تفصیلات طے ہوتی ہیں اور داعی کے صفات طے ہوتے ہیں اس وقت پیغام پیغام حق بنتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اتباع کی جائے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لقد كان لكم فى رسول الله أسوة حسنة لمن كان يرجو الله واليوم الآخر وذكر الله كثيرا (الأحزاب: ۲۱)

تمہارے لئے جو اللہ سے اور یوم آخرت سے امید وابستہ کئے ہوئے ہیں اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں ذات رسول للہ میں اسوہ حسنہ ہے۔

دعوت دین میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک تمام انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے کردہ اسوہ ہیں۔ دعوت وتبلیغ میں آپ نے کیا پیغام حق دیا دعوت میں کیا چیزیں آتی ہیں؟ آپ نے عام انسانوں کو اور مسلمانوں کو کیسے دین کی طرف بلایا۔ داعی

کی حیثیت سے آپ کن اوصاف کے حامل تھے دعوت کی راہ میں آپ نے کیا کیا قربانیاں دیں۔اور کن کن مراحل سے گذرے؟ کس قدر آپ نے محنت کی اور دعوت دین کو کس طرح آپ نے آگے بڑھایا اسے جاننا ضروری ہے۔اصول دعوت،اسلوب دعوت اور اوصاف دعاۃ کی تفصیلات میں جانے کے بجائے یہاں دعوت دین کیسے کریں اس کا ایک عملی خاکہ چاہیے۔اصول دعوت، منہج دعوت اور اسلوب دعوت اور اوصاف طے ہونے کے بعد دعوت کا ایک عملی خاکہ کیا ہوسکتا ہے اس کی تفصیل دی جاتی ہے۔

(۱) مکمل دین

دعوت دین کے سلسلے میں اگر ایک نظم بنتا ہے اور صحیح سمت میں دعوت دین کا کام ہوتا ہے تو پہلی شرط یہ ہے کہ ہماری دعوت میں مکمل دین شامل ہو۔روایتی دین، جزئی دین، خانہ ساز دین، پسند کا دین نہیں چل سکتا ہے ارشاد باری ہے۔

یا ایها الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافة ولا تتبعوا خطوات الشیطان انه لکم عدومبین (البقرة: ۲۰۸)

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقوش قدم پر مت چلو یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

مسلمان اگر مکمل دین کو سامنے نہیں رکھتا ہے تو پھر وہ جس قدر دین کو چھوڑتا ہے اس قدر اسے ہر حال میں شیطان کی راہوں پر چلنا پڑتا ہے۔اور ایسی حالت میں اس کی دین داری باطل ہوتی ہے اور اس کی دینی دعوت میں دم خم نہیں رہتا ہے۔

ناقص دین داری کے متعلق ارشاد ربانی ہے۔

أجعلتم سقاية الحاج، وعمارة المسجد الحرام كمن آمن بالله، واليوم الآخر وجاهد فى سبيل الله لا يستوون عندالله والله لايهدى القوم الظالمين. (التوبة: ۱۹)

کیا تم لوگوں نے حجاج کے پانی پلانے اور مسجد حرام کو آباد رکھنے کو اس شخص کے عمل کے برابر بنا رکھا ہے جو اللہ پر روز قیامت پر ایمان لے آیا ہے اور جس نے راہ الہی میں جہاد

کیا ہے اللہ کے نزدیک یہ سب برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالم قوموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

کل دین کو بسر وچشم قبول کرنے اور وسعت بھر اس پر عمل کرنے اور اس کی دعوت دینے سے کامیابی ملتی ہے۔اور اس میں اپنی پسند کو داخل کرنے سے ناکامی حاصل ہوتی ہے یہ یہودی صفت ہے کہ دین کا جو حصہ آسان ہو اور پسند ہو اسے لیا جائے اور جس کو اپنانے میں طبیعت راہ فرار اختیار کرے اسے چھوڑ دیا جائے ارشاد باری تعالی ہے۔

أفتومنون ببعض الكتاب وتكفرون ببعض فما جزاء من يفعل ذلك منكم الا خزى فى الحياة الدنيا ويوم القيامة يردون الى اشد العذاب وما الله بغافل عما تعملون (البقره ۸۵)

کتاب الہی کے بعض احکام کو کیا تم مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے بتاؤ پس ایسے لوگوں کی اس کے سوا کیا سزا ہو کہ وہ رسوا ہوں دنیوی زندگی میں بھی اور روز قیامت بڑے سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں اور اللہ تعالی تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ہے۔

آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے لئے تمام انسانوں کے واسطے اللہ کا دیا جو کامل دین لے کر آئے ہیں اس کو اسی کامل شکل میں ماننا تسلیم کرنا اور وسعت بھر اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

اس کے برعکس شعوری یا غیر شعوری طور پر لوگوں نے دین میں اپنی پسند چلانا شروع کردی اس طرح دین کی کاملیت نظر انداز ہونے لگی۔جب بھی جزئی دین یا پسند کا دین لوگوں کو بتایا جائے گا، لوگ مطلوب مومن نہیں بن سکیں گے۔نہ مطلوب سماج ومعاشرہ تشکیل پاسکے گا۔نہ نصرت وتمکن فی الارض کا وعدہ الہی پورا ہوسکے گا۔

دعوت دین کے لئے صحیح دین ہونا ضروری ہے۔صحیح دین کی جب دعوت دی جاتی ہے تو اس کے اندر تاثیر اور کشش ہوتی ہے اس سے صحیح فکر اور صحیح سوچ بنتی ہے۔انسان اللہ کا صحیح بندہ بن جاتا ہے اور صحیح معاشرہ تشکیل پاتا ہے اور ایسا وقت بھی آسکتا ہے کہ تمکن فی الارض حاصل ہو جائے اگر ساری دنیا کے لوگ جزئی دین کی تبلیغ کریں اور کلی دین کو شعوری یا غیر شعوری طور پر نظر انداز کردیں تب بھی ان کی زندگی سدھر نہیں سکتی۔نہ دنیا وآخرت میں

کامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔پہلی بات ہے کلی دین کا صحیح ادراک یہ ہمارے اولین فریضے میں داخل ہے۔انسان کے اوپر ہر حال میں یہ فریضہ لاگو ہے۔اس سے وہ بچ نہیں سکتا۔دوسری بات اس پر حسب وسعت انفرادی واجتماعی زندگی میں عمل کرنا ہے اورحسب وسعت کا مطلب یہ نہیں کہ انسان اپنی طاقت اورصلاحیت عمل طے کرے گا۔عملی زندگی میں وسعت کا اعتباراس پر ہے کہ دین اسے کیسے دیکھتا طے کرتا اورمتعین کرتا ہے۔

۲۔ صحیح دین

دعوت دین کے لئے لابدی ہے کہ انسان صحیح دین پرعمل کرے اوراس کی تبلیغ کرے صحیح دین کسے کہتے ہیں؟ صحیح دین وہ ہے جس کے پیچھے کتاب اللہ اورسنت صحیحہ کی دلیل ہو۔ دین کی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کے پیچھے دلیل ضروری ہے اوردلیل کیسی؟ محکم دلیل، تاویل والی دلیل نہیں۔نہ دانشورانہ دلیل۔تاویلی دلیل اوردانشورانہ دلیل دین کی دلیل نہیں بن سکتی۔کسی بھی تاویل باطل اوررائے باطل کی دین میں ادنی اہمیت نہیں ہے نہ تعقل پرستی کی کوئی حیثیت ہے۔

دین اگر صحیح نہ ہوتو شرک کا دین ہوسکتا ہے۔بدعت کا ہوسکتا ہے الحادوزندقہ کا ہوسکتا ہے سماج میں اس وقت صوفی اسلام شخصیت پرستی کا اسلام، قبر پرستی کا اسلام، سیکولر اسلام، شیعہ اسلام خارجی اسلام، تحریکی وانقلابی اسلام، منکرین حدیث کا جعلی دین، مرزا غلام آف برطانیہ کا قادیانی دھرم۔فراہی کے ماننے والے پاکستانی سرپھروں کا اسلام، استشراق زدہ دانشوروں کا اسلام۔ بھگوارنگ سے سرملانے والا وحید خانی اسلام۔ جہاد کے نام پر فساد پھیلانے والے فسادیوں کا اسلام، حزب التحریر کا اسلام۔قیام خلافت کا اسراری اسلام۔صحیح اہل الحدیث کا نانکی ایڈیشن اسلام جماعت المسلمین کا تکفیری اسلام وغیرہ وغیرہ بتلایئے ان اختصار پسند طویل پسند اورخود پسند ایڈیشنوں کو اگر مستند دین مان لیا جائے تو پھر کون سی ایسی برائی ہے جس کو اسلام کے نام پر قبول نہیں کیا جاسکے گا۔تصوف دنیا کی بدترین سے بدترین برائیوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔اس کا دامن اتنا وسیع ہے کہ وہ ہرلعنتی فکرولعنتی کام کو اپنے اندر سجائے ہوئے ہے۔تقلیدی اسلام ایک ہزار سال کی ساری

بوالعجبیوں عصبیتوں علاقائی شخصی اور زمانی اثرات اخطاء روایات سماجی دباؤ شخصی رجحات کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے اوراصول کے بجائے شخصیت پرستی رجال پرستی امام پرستی اورعلماء پرستی کے مایاجال میں لوگوں کو پھانسے ہوئے ہے۔اورایک ہزار سال کے اندر مختلف علاقوں میں پائے جانے والے لاکھوں علماء فقہا صوفیاء وائمہ، مقلدین کے لئے پوجیہ بنے ہوئے ہیں۔اس اندھیر نگری میں کس کے ہاتھ میں صحیح دین کا سرا ہوسکتا ہے صوفی اورتقلیدی اسلام سے قبر پرستی کو سب سے زیادہ بڑھاوا ملا تعصب ونفرت ان سے عام ہوئی۔ جمود وتعطل کو فروغ ملا اور بسا اوقات الحادزندقہ نے ان سے جنم لیا۔

سیکولر اسلام، جاہلوں بدقماشوں چاپلوسوں اورمفاد پرستوں کی تکنیک ہے انقلابی وتحریکی اسلام چودہ سو سال کی اسلامی تاریخ کے اندر موجود ساری گمراہیوں کا مجموعہ ہے اورساتھ ہی موجودہ دور کے تباہ کن افکار سے بری طرح متاثر۔

ان کے سوادیگر فرق باطلہ کے نزدیک اسلام ایک فیشن ہے یازرومنصب کے حصول کا ذریعہ یا اسلام اورمسلمانوں سے بدلہ لینے کی ایک سازش یا جہل کا تماشا۔

فراہی کے نام پر اسلام کا غامدی ایڈیشن بھی خوب ہے آئے دن ان کے اوران کے معدودے چند سرپھرے شاگردوں کے اسلام کا حدود اربعہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اوراس کی ماہیت بھی بدلتی رہتی ہے۔

وحید خانی اسلام بھی سکڑتا پھیلتا اور بدلتا رہتا ہے اس وقت اسے بھگوارنگ کے آشرواد کی ضرورت ہے ان کے اسلام میں اس وقت بس ایک ہی پیغام ہے صبر کرو۔

بودھ رہبانی صبر۔دیکھو نہیں سنو نہیں پوچھو نہیں۔ بولو نہیں مار کھالو اف نہ کرو اوردنیا کماؤ آگے بڑھو کسی بھی طرح۔استشراق زدہ دانشوروں اورتعقل پرستوں کا اسلام محض ایک کھیل ہے ذہن کی کھجلی مٹانے کے لئے وہ جھوٹوں اورسازشیوں کا ایک اسٹنٹ ہے اورسازشی تانابانا اورایک صلیبی جال اس کا تعلق نہ عمل سے ہے نہ عقیدے سے۔

جہاد کے نام پر سرپھروں کے اسلام میں فساد ہی فساد ہے اوربس۔حزب التحریر کا اسلام فقط تخت چاہتا ہے بقیہ اسلام سے اسے سروکار نہیں اس کے اسلام کا دائرہ تخت سے

شروع ہوکر تختے تک پہنچتا ہے اور بس یہی کل ان کی بھاگ دوڑ ہے۔ اسراری اسلام میں حزب التحریر کی طرح قیام خلافت اصل ہے وہ نہیں تو کچھ نہیں قیام خلافت ان کے نزدیک اصل ہے گوسماج معاشرہ بددین مشرک ملحد اور بدعتی ہوگو شریعت کو نہ مانے نہ اسے اپنے اوپر لاگو کرے۔

صحیح اہل الحدیث کا کچا کچا نائکی ایڈیشن بھی خوب ہے جسے نادانی اور نادان گھیرے ہوئے ہیں اور اپنے سوا اہل حدیثوں کو یہ طے ہے کہ ضعیف اہل الحدیث سمجھتے ہیں اور اس ایڈیشن سے وابستہ چوزے انھیں کافر کہنے کو تیار ہیں ان کے اندر اتنا طنطنہ ہے کہ دنیا میں بس ان کا امام بقیہ سب زیرو والعیاذ باللہ۔ خیرات کا پیسہ اور کرایے کا علم اور اس پر اتنا طنطنہ اس وقت یہ طنطنہ سب سے آگے نکلا جارہا ہے مگر ابھی لوگ سمجھتے نہیں۔ دین کی دعوت کم اور قائد کا پروموشن زیادہ اور تجارت اس سے زیادہ اسے فتنے کے سوا کیا کہیں اسلام پھیپھڑے کے زور پر نہیں قائم ہے وہ علم اخلاص اور کردار کے بل پر قائم ہے۔

جماعت المسلمین کا تکفیری اسلام اس وقت تکفیری فتوی لگانے میں سب سے آگے ہے عمل کیا ہے دین کیا ہے علم کیا ہے ان کے نزدیک فضول ہے بس نام جماعت المسلمین رکھ لیجئے بیڑا پار ہے اور اگر اس نام کی سند نہیں ملی جنت میں داخلہ ممنوع۔

دین کے نام پر یہ سارے نمونے موجود ہیں دعوت دین میں ان سے آگاہ رہنا اور صحیح دین کو سمجھنا اور جاننا ضروری ہے۔ صحیح دین آسان ہے بس ذہن ودماغ کی گرہوں کو کھلنا چاہیے۔ اور سماجی اور شخصی اثرات ورجحانات سے بچنا ضروری ہے۔ اس کے بالمقابل دوسرے برانڈ کے اسلام کو جاننا اور سمجھنا مشکل تر ہے اور فتنے کا باعث بھی۔

۳۔ صحیح منہج

صحیح دین کا اپنا مکمل نظم ہے اور اس کے اجزاء باہم مربوط ہیں اور اس کی اپنی مستقل استنباطی اور تفہیمی راہ ہے۔ نصوص سے تعلیمات حاصل کرنے کا طریقہ متعین ہے۔ اور ان کی اپنی نصی عظمت ہے اور ان سے تعلیمات کی تلقی کا خاص طرز ہے غیب وحاضر سے متعلق نصوص سے ہمارا تعامل کیسے ہو اس کا طریقہ متعین ہے عقل کو استعمال کرنے کی گنجائش کتنی

ہے۔ ہماری مادی عقل کو ادراک کی صلاحیت کتنی ہے؟ اور کہاں اس کی سرحدیں ختم ہوجاتی ہیں؟ عقل کی طغیانی سے کس طرح نصوص کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے اور قدر وجبر ارجاء واعتزال تجہم، اشعریت ماتریدیت عقلانیت تحریکیت وعصرانیت کی بھانت بھانت کج فکری وکج روی پیدا ہوتی ہے۔ جذبات وعواطف جب طغیانی پر آتے ہیں تو نصوص دینیہ کے طے کردہ اصول پامال ہوتے ہیں اور خارجیت، تشیع، تصوف اور تقلید جنم لیتے ہیں۔

کتاب وسنت کی دعوت کو پھیلانے والے پر لازم ہے کہ وہ منہج سجھ لے اور منہج کے مطابق دین کا فہم حاصل کرے۔ اسے وسطیت اور توازن کے صراط مستقیم اور سواء السبیل پر چلنا پڑے گا۔

منہج کے فہم کا دین میں اساسی رول ہے۔ فہم دین اور دین کی تنفیذ اور عملی تطبیق کا راستہ طے ہے۔ ما انا علیہ واصحابی کا سلفی واہل حدیث طریقہ ہی مسلمان کے عقیدہ وعمل کی صحت کا ضامن ہے۔ اور یہی جماعۃ ناجیہ ہے بقیہ سب فرق ضالہ ومضلہ ہیں اور بہتر فرقے ہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی تعلیم صحابہ کو کیسے دی اور کس طرح انہوں نے اسے سمجھا اور اسے اپنی کل زندگی پر نافذ کیا وار آپ کے طے کردہ طریق فہم اور طریق عمل کے مطابق انفرادی زندگی کی تشکیل ہوئی اسلامی معاشرہ تشکیل پایا اسلامی حکومت وجود میں آئی اسلامی معیشت کا نظام قائم ہوا اور اسلام کا ایک عملی ماڈل قیامت تک کے لئے سارے مسلمانوں کے لئے برقرار ہے اس کے مطابق تمام مسلمانوں کو چلنا ہے وہی راہ فکر وعمل اور راہ نجات ہے بقیہ دیگر سر پھرا پن دکانداری نفس پرستی یا فکر وعمل عقیدہ ومنہج کی کمی ہے۔ ما انا علیہ واصحابی کا منہج رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے شروع ہے اور قیامت تک ناقابل تغیر شکل میں چلتا رہے گا اور اس سے وابستہ مخلصین وعاملین علماء طائفہ منصورہ سے پہچانے جاتے رہیں گے اور بفضل رب ان پر فرقہ ناجیہ کی مہر لگتی رہے گی۔

٤۔ صادقین کی جماعت

دعوت دین سے جو لوگ وابستہ ہوں ان کے اوپر لازم ہے کہ وہ اپنے قول وعمل میں سچے ہوں۔ خالی زبانی جمع خرچ کے بیوپاری نہ رہیں۔ ایک داعی کے اوصاف میں لفاظی کا

زیادہ مقام نہیں اورنری لفاظی تو ایک عیب اور فتنہ ہے۔

داعی کے لئے ان تمام اوصاف سے متصف ہونا ضروری ہے جن کا ذکر دعوت دین کے ضمن میں ہوتا ہے۔ بے کردار داعی باعث فتنہ ہوتا ہے ایسا بے کردار مولوی یا عام داعی گپ باز ہوتا ہے۔ ہروقت گھات میں رہتا ہے کہ تقریر اور محنت کی قیمت وصول کرلے۔ ہروقت اس کے دل میں یہ ہوس بھڑکی رہتی ہے کہ کہاں سے کسی بھی طرح ملے بٹورلے۔ مفت خوری اس کی عادت بن جاتی ہے اور خیانت اور خست اس کی طبیعت۔ اس کے اندر حرص ولالچ گھر کئے ہوتے ہیں۔ چندسکوں کی خاطر وہ کسی کے ہاتھ اپنا ایمان بیچنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ دعوت کے بجائے اپنی شخصیت اجاگر کرنے بڑھانے اور شہرت ودولت حاصل کرنے کے پھیر میں رہے ایسا مولوی یا عام آدمی دعوت کے میدان میں آگے آئے گا۔تو فتنہ بنے گا۔

دعوت کا کام صادقین کی جماعت کرسکتی ہے صالحین کی جماعت کرسکتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی جماعت صدیقین شہدا اور صالحین کی تھی انہوں نے دعوت دین کا کام کیا تو اس کے اثرات ایسے زبردست نکلے کہ رہتی دنیا تک اس کے اثرات برقرار رہیں گے۔ داعی کے اوصاف کو تفصیل سے بیان کیا گیا یہاں سطری دوسطری تحریر میں ان کا اعادہ کرتے ہیں۔

داعی کو صادق ہونا چاہیے ارشاد ہے۔

والذی جاء بالصدق وصدق به اولئك هم المتقون (الزمر ٣٣)

اور جو لوگ سچی بات لے کر آئے اور اسے سچ جانا وہی پرہیزگار ہیں۔

اخلاص داعی کی بنیادی ضرورت ہے۔

هو الحی لا اله الا هو فادعوه مخلصين له الدين الحمد لله رب العالمين (غافر ٦٥)

وہ زندہ ہے اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں لہٰذا اس کے لئے دین کو خالص کرو تمام تعریف اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔

دعوت کی مزدوری نہ طلب کرنا

داعی دعوت کا کام رضا کارانہ طور پر کرے دعوت کی مزدوری نہ طلب کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قل ما سألتكم من أجر فهو لكم ان أجری إلا علی الله وهو علی كل شئی شهيد (سبا: ٤٧)

آپ کہہ دیجئے کہ میں نے تم سے کوئی اجرت مانگی ہو تو وہ تمہارے لئے ہے میرا اجر تو فقط اللہ کے پاس ہے اور وہ ہر شے پر اطلاع رکھنے والا ہے۔

☆ **رحمت ورافت:**

رحمت ورافت ایک داعی کی صفت ہونی چاہیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

محمد رسول الله والذين معه اشداء علی الكفار رحماء بينهم (الفتح:٢٩)

محمد رسول اللہ اور جو آپ کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں اور باہم مہربان ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی لم أبعث لعاناء وانما بعثت رحمة (مسلم:٢٥٩٩)

میں لعنت کرنے والا نہیں بھیجا گیا ہوں میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے۔

لقد جاء كم رسول من أنفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمومنين رؤف رحيم (توبه: ١٢٨)

تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول تشریف لائے ہیں ان پر تمہارے لئے مضرت رساں بات بہت گراں ہے وہ تمہاری منفعت کے بڑے خواہاں ہیں۔ مومنوں پر بڑے شفیق ومہربان ہیں۔

☆ **نرمی عضو ودرگذر**

داعی اکبر رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد ربانی ہے۔

فبما رحمة من الله لنت لهم ولوكنت فظا غليظ القلب لانفضوا من

حولك فاعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم فى الأمر فاذا عزمت فتوكل
على الله ان الله يحب المتوكلين (آل عمران: ١٥٩)

کرم ہے اللہ کا کہ آپ ان کے لئے نرم ہیں اور اگر آپ تندخو ہوتے تو یہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جاتے پس آپ ان کو معاف کر دیجئے اور ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگئے اور ان سے امر دنیا میں مشورہ لیتے رہا کیجئے اور جب رائے بنالیں تو اللہ پر اعتماد کیجئے بے شک اللہ ایسے متوکلین سے محبت کرتا ہے۔

اس آیت میں داعی کے لئے کئی صفات کا ذکر ہوا نرمی، سختی سے احتراز، عفو و درگذر طلب مغفرت، باہم مشاورت اور توکل چھ خوبیاں اور اوصاف اس آیت میں مذکور ہیں۔

☆**صبر**

انبیاء راہ دعوت میں کتنا صبر کرتے تھے اس کا بیان ملاحظہ کے لائق ہے ارشاد ربانی ہے

ولقد كذبت رسل من قبلك فصبروا على ما كذبوا واوذوا حتى آتاهم نصرنا ولا مبدل لكلمات الله ولقد جاء ك من نبائ المرسلين (الانعام: ٣٤)

اور بہت سے رسول جو آپ سے پہلے تھے ان کو جھٹلایا گیا مگر انہوں نے اس پر صبر کیا کہ ان کو جھٹلایا گیا اور ان کو ایذا دی گئی یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو پہنچی اور اللہ تعالی کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور آپ کے پاس رسولوں کی بعض خبریں آچکی ہیں۔

راہ دعوت میں یہ ہے کہ انبیاء کا صبر تکذیب اور ایذا رسانی کی حد ہو گئی ان کے بچاؤ کے لئے غیب سے اللہ کی نصرت آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی نے صبر کا حکم دیا فرمایا۔

فاصبر ان وعد الله حق ولا يستخنك الذين لا يوقنون (الروم:٦٠)

پس آپ صبر کیجئے بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے ہرگز آپ کو ہلکا نہ جانیں وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے راہ دعوت میں اتنا کٹھن مرحلہ آسکتا ہے کہ داعی رسوا ہو جائے اس کا مذاق اڑایا جائے مگر اس کا حوصلہ پست نہیں ہونا چاہیے۔ یہ برداشت کا انتہائی مرحلہ ہوتا ہے۔

☆ **طلب علم**

داعی کے لئے برابر علم کی طلب ضروری ہے رب کریم کا ارشاد ہے۔

قل رب زدني علما (طه ١١٤)

کہوائے میرے رب مجھے علم میں بڑھا تارہ۔

☆نفس کی صفائی اور دائمی ذکر واذکار اور عبادت سے روح اور بدن کو چست وتوانا رکھنا ارشاد باری تعالی ہے۔

ولقد نعلم انك يضيق صدرك بما يقولون فسبح بحمد ربك وكن من الساجدين واعبد ربك حتى ياتيك اليقين (الحجر٩٧-٩٨)

اور واقعی ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ان سے آپ پریشان خاطر ہوتے ہیں۔ پس آپ اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہئے اور نمازیں پڑھنے والوں میں رہئے اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔

☆توکل

اللہ پر توکل ایک مومن کا سب سے بڑا سرمایہ ہے اگر اللہ پر توکل ہو تو سارے کام بن جائیں ارشاد ہے۔

الا تنصروه فقد نصره الله اذ أخرجه الذين كفروا ثاني اثنين اذهما في الغار اذ يقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا فانزل الله سكينته عليه (التوبة: ٤٠)

اگر تم ان (رسول اللہ) کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تعالی ان کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے ان کو جلاوطن کر دیا تھا جبکہ دو آدمیوں میں آپ ایک تھے جس وقت دونوں نماز میں تھے جبکہ آپ اپنے ہمراہی سے فرما رہے تھے ڈرو نہیں یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے سوا للہ تعالی نے آپ کے قلب پر تسلی نازل فرمائی۔

جان جانے کا خطرہ ہو دشمن ہلاک کرنے کے درپے ہو اس وقت اگر توکل موجود ہو تو پوری مدد ملتی ہے۔

ہر حال میں اللہ سے دعا کرنی چاہیے اور صلاۃ میں لگ جانا چاہیے۔ داعی کی ہمیشہ یہی حالت ہونی چاہیے ارشاد باری تعالی ہے۔

واستعينوا بالصبر والصلوة وانها لكبيرة الا على الخاشعين (البقرة: ٤٥)

صبر اور صلاۃ سے مدد حاصل کرو یقیناً وہ بہت بھاری ہے مگر اللہ سے ڈرنے والوں پر نہیں حضرت نوح علیہ السلام کو قوم نے ٹھکرا دیا تھا ان کی تکذیب کی تھی انہوں نے دعا کی۔

كذبت قبلهم قوم نوح فكذبوا عبدنا وقالوا مجنون وازدجر فدعا ربه أني مغلوب فانتصر ففتحنا ابواب السماء بماء منهمر وفجرنا الأرض عيونا فالتقى بالماء على أمر قد قدر وحملناه على ذات ألواح ودسر (القمر ١٣)

ان لوگوں سے پہلے قوم نوح نے تکذیب کی پس ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہا یہ مجنون ہے اور اسے دھمکی دی گئی تو نوح نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں درماندہ ہوں پس آپ ان سے بدلہ لیجئے پھر ہم نے کثرت سے برسنے والے پانی سے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے پھر جس کام کا فیصلہ ہو چکا تھا اس کے لئے آسمان و زمین کا پانی مل گیا اور ہم نے نوح کو تختوں اور میخوں والی کشتی میں اٹھالیا۔

حضرت حذیفہ سے روایت ہے۔

كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا حزبه امر صلى (ابوداؤد: ١٣١٩)

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ صلاۃ میں لگ جاتے۔

☆ داعی اللہ کی بارگاہ میں شکوہ کرے یعقوب علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوا۔

قال انما اشكو بثي وحزني الى الله واعلم من الله ما لا تعلمون (يوسف: ٨٦)

کہا میں اپنے حزن وغم کا اظہار بارگاہ الہی میں پیش کرتا ہوں اور اللہ کے کرم سے میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

مادہ پرستی اور دنیاوی لالچ سے بچنا ایک داعی کے لئے بہت ضروری ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

ولاتمدن عينيك إلى ما متعنا به أزواجا منهم زهرة الحيوة الدنيا لنفتنهم فيه ورزق ربك خير وأبقى (طه ١٣١)

اور ہرگز ان چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھئے جن سے ہم نے ان کفار کے مختلف گروہوں کو شاد کام کیا ہے یہ دنیوی زندگی کی چمک ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ انھیں ان کی آزمائش میں ڈالیں اور آپ کے رب کا رزق بدرجہا بہتر ہے اور دیرپا ہے۔

دعوت کی راہ سے دولت بٹورنے کا جتن کرنا پسندیدہ نہیں اور جن کا دھندہ یہ ہو کہ دوسروں کی دولت دیکھ کر ان کے منہ میں رال آئے اور دل میں حرص ولالچ کا سیلاب آجائے اور اس کے حصول کی شیطانی تدبیریں سوچنے لگیں وہ دعوت کا کام نہیں کر سکتے۔

☆ تواضع سخاوت اور جذبہ خدمت یہ صفات داعی کے اندر ضروری ہیں ان تینوں کو رب پاک نے اس آیت میں جمع کر دیا ہے۔ ارشاد ہے۔

هل اتاك حديث ضيف ابراهيم المكرمين اذ دخلوا عليه فقالوا سلاما قال سلام قوم منكرون فراغ إلى أهله فجاء بعجل سمين فقربه إليهم قال ألا تاكلون (الذاريات: ٢٤—٢٧)

کیا ابراہیم کے معزز مہمانوں کی کہانی آپ تک پہنچی ہے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب اس کے پاس وہ آئے اور سلام کیا ابراہیم نے سلام کا جواب دیا اور کہا انجانے لوگ ہو پھر اپنے گھر میں گئے اور ایک فربہ تلا ہوا بچھڑا لے کر آئے اور ان کے سامنے رکھ دیا کہا کھاتے کیوں نہیں۔

اس آیت سے ابراہیم علیہ السلام کا تواضع واضح ہے کہ خود اتنے عظیم نبی ہو کر کام کر رہے ہیں مہمان نوازی ہو رہی اور خدمت بھی۔ داعی کو اس طرح ہونا چاہیے۔

دعوت دین کے لیے داعی کو کن صفات کا حامل ہونا ضروری ہے۔ ان مختصر تفصیلات سے عیاں ہے۔ داعی کوئی عام آدمی نہیں ہوتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ چلتا پھرتا

اسلام کا نمونہ اور نمائندہ بن جائے۔ دعوت اتنی سستی شئے نہیں ہے کہ ہر غث وسمین قوال اور عیار ودنیادار داعی بن جائے۔ اس کے لئے عملی ہونا ضروری ہے۔ داعی اگر بدعمل ہے تو تضادات کا ہے جب دعوت کے گہرے اثرات مرتب نہیں ہوتے تو واضح رہنا چاہیے کہ دعوت دینے والا مخلص نہیں ہے اور عمل سے خالی ہے۔ ایسے تضادات کے حامل دعاۃ کے اندر یہ یہودی صفت ہوتی ہے جن کے بارے میں اللہ تعالی کی وعید ہے۔

أتـامـرون الناس بالبر وتنسون انفسكم وانتم تتلون الكتاب أفلا تعقلون (البقره:٤٤)

کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو حالاں کہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو کیا تم سمجھتے نہیں۔

مسلمانوں کو رب پاک نے عملی تضاد سے باز رہنے کی تلقین کی ارشاد ہے۔

يـا ايهـا الذين آمنوا لم تقولون ما لا تفعلون كبر مقتا عند الله أن تقولوا مالا تفعلون (الصف: ٢–٣)

اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں اللہ کے نزدیک ایسا رویہ سخت ناراضگی کا سبب ہے کہ تم کہو وہ جو کرتے نہیں۔

اوصاف دینیہ واخلاقیہ سے خالی داعی ایک عیب ہے ایک فتنہ ہے اور سماج کے اوپر ایک بوجھ ہے۔

۵۔مصادر دعوت

دین کے مصادر کتاب وسنت ہیں۔ ایک انسان کو اگر دعوت وتبلیغ کا جذبہ ہے تو اسے چاہیے کہ ان کا مطالعہ کرے اور ان کے حقائق کو سمجھ کر اس کے مطابق اپنی زندگی ڈھالے۔ کتاب وسنت کو بنیاد بنانے کے بجائے اگر قصے کہانیاں بنیاد بن جائیں یا ضعاف وموضوعات پر مشتمل فضائل بنیاد بن جائیں تو ایسی دعوت گمراہی اور فتنہ ہے، اگر ان مصادر کا دامن ہاتھ سے چھوٹا اور افکار ونظریات شخصیات وفضولیات کو مصادر دعوت بنالیا گیا تو ان سے بھی دینی ذہن سازی اور تعلیم وتربیت کا کام نہیں ہوسکتا۔

کتاب وسنت کی تفسیر وتشریح میں جو کتابیں ہیں ان میں وہی تفاسیر اور شروح احادیث قابل قبول ہیں جن کو سلف صالحین اور محدثین یا ان کے طرز فہم پر ہیں اسی طرح فقہ میں فقہ السنہ پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ یا عام دینی کتابیں جن کا منہج سلف صالحین کا منہج ہو وہی قابل قبول ہیں اور انھیں کو پڑھنا چاہیے دیگر تحریکی یا صوفی کتابوں کو پڑھنے سے احتراز کرنا چاہیے بڑبولوں یا بالشتیوں یا بے منہج لوگوں کی کتابیں پڑھنا وقت کا ضیاع ہے۔ ایسے لوگ بہت زیادہ باتیں بناتے ہیں اور کام کی بات کم کرتے ہیں بہت سے چٹکاری مصنف ہوتے ہیں جن کے ہاں ایران توران کی باتیں زیادہ ہوتی ہیں اور منہج دین سے بالکل ہٹے ہوتے ہیں۔

بہت سے لوگ نام اور شہرت کی بنیاد پر ہر تحریر کی طرف لپکتے ہیں جبکہ شہرت کی بیساکھی کے سہارے وہ قائم رہتی ہیں۔ جس طرح پانی صاف ستھرا پینے کو ہر شخص ضروری سمجھتا ہے اس طرح کتاب بھی صاف ستھری پڑھنی چاہیے۔ اور دیگر انسانی فکر وخیال سے آلودہ کتابیں پڑھنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ مودودی ندوی وحیدالدین خان اسرار احمد وغیرہم کی کتابیں عموما دینی مطالعے کے لائق نہیں ہیں۔ ایک سر پھرا اسرار عالم ہے تاویل باطل میں ماہر، راشد شاذ صاحب ہیں مخبوط الحواس انسان یہ بھی مصنف بنتے ہیں۔ ان کو پڑھ کر انسان خبط الحواس بن سکتا ہے۔

اسی طرح تقریری کیسٹیں بھی زیادہ کارآمد نہیں ہوتی ہیں بلکہ اکثر سخن سازی پر مشتمل ہوتی ہیں۔ بحثیت مجموعی وہ ایسی نہیں ہوتی ہیں جن سے خالص اسلامی ذہن بنے اور اس سے شخصیت سازی اور کردار سازی ہو عموما کیسٹیں تعصب فساد اور بگاڑ پیدا کرتی ہیں اور سننے والے کو فسادی اور متعصب بنادیتی ہیں۔ کیسٹیں زیادہ قابل اعتبار نہیں ہوتی ہیں ان سے بچنا اشد ضروری ہے۔ جو کیسٹیں واقعی اپنے اندر تربیتی تعلیمی واصلاحی عنصر لئے ہوں اور مدلل ہوں اور کسی بھی موضوع پر جامع اور مستقل ہوں انھیں سنا جاسکتا ہے۔

کسی بھی مسلمان کو چاہیے کہ وہ پڑھے سیکھے اور سدھرے تقریر کا عادی بن کر انسانی فکر وفہم اوتھلا وسطحی ہوجاتا ہے گو تقریر مستند بھی ہو۔ انسان کی علمیت اور صلاحیت اور صلاحیت کا رنگ اس وقت نکھر سکتا ہے جب اس کا تعلق براہ راست کلام الہی اور کلام رسول سے

جڑ جائے۔

اس وقت پڑھنے کا رواج کم ہو رہا ہے لوگ ٹی وی اور کیسٹ سے چپک گئے ہیں مطالعہ کرنے اور پڑھنے سے لوگ بھاگتے ہیں اس سے جنرل نالج میں تو اضافہ ہوسکتا ہے لیکن انسان کی علمی اور دینی صلاحیت نہیں بن سکتی ہے پڑھے بغیر چارہ نہیں اقراء کی تعلیم اول روز ہمیں دی گئی۔ پڑھنے پڑھانے کا یہ سلسلہ ہمیشہ چلنا چاہیے اور خاص کر جس کو توفیق مل جائے کہ وہ راہ دعوت میں نکلے اور خلق الٰہی کو دین کی باتیں پہنچائے۔

٦۔ اصول دعوت

دعوت کے لئے اسلامی اصول طے ہیں۔ اس کے اصول عقائد عبادات، احکام حلال وحرام معاملات وحقوق اور آداب واخلاق ہیں انھیں اصول کو لوگوں تک پھیلایا اور پہنچایا جائے ان کے بجائے اگر قبوریت تقلید تصوف فرعیات سیاست وحکومت کو اصول بنالیا جائے اور انھیں کو تاویلا اصول بنالیا جائے۔ یا مسالک اور مذاہب فکریہ وفقیہہ کو اصول مان لیا جاےء۔ یا رجال وائمہ کو اصول کی جگہ مل جائے تو پھر قیامت تک دعوت کامیاب نہ ہوگی۔

اصول دعوت کتاب وسنت میں پیرہن ہیں لیکن ان کو اصول ماننے اور منوانے جاننے اور بتانے کے بجائے لوگ عموما اپنے پسندیدہ مسالک کو بتاتے ہیں یا اپنی پسندیدہ شخصیات کو۔ آپ کے اصول دین کیا ہیں دیوبندیت اور علماء دیوبند آپ بریلوی ہیں اور بریلویت وبریلوی علماء آپ کے اصول ہیں اور تضمنا امام ابوحنیفہ وحنفی مسلک۔ آپ کیا ہیں جماعت اسلامی وکسے مانتے ہیں مودودی صاحب کو ان کے لڑیچر کو اور ان کی سیاسی تکنیک کو اچھا آپ کا تو کوئی مسلک نہیں ہے آپ تو خالص اسلامی ہیں پھر کہاں سے آ گئے مودودی اور کہاں سے آ گئی مودودیت اور سیاسی لپاڈ گی۔

تبلیغی جماعت کی چھ باتیں بھی ہمارے سامنے ہیں:

ان سے آگے شیعہ صاحب ہیں ان کے پاس کیا ہے تقیہ اور متعہ اور اہل سنت سے دشمنی اور خلاصہ کائنات ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دشمنی اور ان پر تبرا۔

یہ کون ہیں معتزلی اور تعقل پسند صاحب ان کے اصول کیا ہیں العدل التوحید الوعد والوعید المنزلہ بین المنزلتین الأمر بالمعروف والنہی عن المنکر

یہ اور اس طرح دیگر تمام فرق اور جماعات کا حال ہے دعوی سب کا ہے کتاب وسنت سے انتساب کا۔ اگر زبانی لوٹ کر کبھی اپنے خانہ ساز اصولوں کی طرف آتے ہیں اور اسی کے لئے مرتے اور اسی کے لئے جیتے ہیں۔ اور اسی کو اپنا عقیدہ بناتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں ان کی محبوب شخصیت جو کہہ چکی ہیں یا بیان کر چکی ہے وہی سب کچھ ہے۔ حتی کہ اصولوں کی لمبی لسٹ بن جاتی ہے کوئی کہے گا ہم عقیدہ ماتری ہیں مشربا صوفی مسلکا حنفی دیوبندی ہیں اور نسبت جوڑے گا تو جوڑتے جایئے حنفی امدادی رشیدی اشرفی قادری چشتی نقشبندی سہروردی... پتہ نہیں کیا الابلا۔

ان اصولوں اور نسبتوں سے انسان کا ذہن کیسا بن سکتا ہے ایسا شخص زندگی بھر خرافات کی دلدل سے نہیں نکل سکتا ہے جب اصول صحیحہ بدل جائیں اور اس کی جگہ جعلی اصول جگہ لیں تو اس کے نتائج بڑے بھیانک نکلتے ہیں۔ انسان کے اندر آفاقیت ووسعت نہیں رہ جاتی ہے۔ وہ لابدی طور پر علاقائیت وحزبیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ تعصّبات کی دلدل میں دھنس جاتا ہے۔ وحشت واجنبیت اس کے اندر آباد ہو جاتی ہے۔ اس کا اپنا حزبی حلقہ ہوتا ہے اور اس کے مفادات ہوتے ہیں اس کے اندر اس کا جینا اور مرنا مقدر ہو جاتا ہے۔ وہ دلائل وبراہین سے بھاگنے لگتا ہے اس کے لئے اس کے ساختہ پرداختہ رجال دین بن جاتے ہیں اور ان کا ہر فرمان دین بن جاتا ہے اور بسا اوقات حزبی وتقلیدی تعصب کے سبب مریدان با صفا نصوص دینیہ سے چڑنے لگتے ہیں کہ ان سے ان کی دین داری کی جڑ کٹتی ہے اور تاویلات کا ایسا شرمناک چکر چلتا ہے کہ الامان والحفیظ اور تو اور ان خود ساختہ اصولوں کو اپنانے کے بعد ان کے دل ودماغ سے عظمت دین محو ہونے لگتی ہے اور دین کے اصول کے مطابق بہت سے صحابہ تابعین محدثین اور علماء عظام جن کی عظمت طے ہے اور جن کی عزت وتوقیر لازم ہے ان کی بے توقیری کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اسیر ان تقلید جو ٹھیرے یا تعقل پسندی جو اختیار کی۔

رونا یہی ہے کہ اسلامی اصولوں اوردعوتی اصولوں کو چھوڑ کر مسلم اکثریت نے گھروندے بنالئے ہیں اوران میں جینا ان کی آخری پہنچ ہے اس کے برعکس لوگوں کی تعلیاں ہیں اور جو جس قدر دعاوی وتعلیٰ کی بات کرتا ہے اس کے بقدر تنگنائی کا شکار ہے۔

۷۔ترتیب دعوت

ترتیب دعوت بہت اہم ہے۔ دعوت پہلے اصول کی دی جاتی ہے اوراس کی تعلیم کی دی جاتی ہے اوراس کے مطابق انسان کا تزکیہ کیا جاتا ہے۔آج یہ ترتیب ملحوظ نہیں ہے اور لوگ دین کے نام پر اپنے خود ساختہ نعرے لگواتے ہیں ۔اپنی جماعت کا نعرہ اپنے افراد وعلماء کا نعرہ اوراسے دعوت سمجھتے ہیں ۔ترتیب ملاحظہ ہورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کودعوت وتبلیغ کے لئے یمن بھیجا ارشاد فرمایا:

انك تقدم على قوم اهل كتاب فليكن أول ما تدعوهم اليه الى عبادة الله فاذا عرفوا الله فاخبرهم أن الله قد فرض عليهم خمس صلوات فى يومهم وليلتهم فاذا فعلوا فاخبرهم ان الله فرض عليهم زكاة من اموالهم تؤخذ من اغنياء هم ، وترد على فقراء هم فاذا اطاعوا بها فخذ منهم وتوق كرائم اموال الناس (بخارى ١٤٥٨ مسلم ١٩)

تم ایسی قوم کے پاس جارہے ہو جو اہل کتاب ہے اس لئے ہونا یہ چاہیے کہ تم جس چیز کی سب سے پہلے ان کو دعوت دو انھیں اللہ کی عبادت کے لئے بلاؤ جب وہ اللہ کو پہچان لیں توانھیں بتاؤ اللہ نے ان کے شب وروز میں ان کے اوپر پانچ صلاتیں فرض کی ہیں جب وہ صلاۃ ادا کرنے لگیں توانھیں بتاؤ کہ اللہ نے ان کے اموال پر زکاۃ فرض کی ہے زکوۃ ان کے مالداروں سے لی جائے گی اوران کے فقیروں پر خرچ کردی جائے گی۔ جب وہ اسے مان لیں توان سے زکاۃ لواورلوگوں کے اچھے اموال سے بچو۔

دعوت کی یہی ترتیب ہے اصول کی دعوت اور پہلے عقیدہ پھر احکام دعوتی پروگرام میں ہمیشہ یہ ترتیب ملحوظ رہے اوراس پر زور ہونا چاہیے۔ترتیب کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب بھی اور جہاں بھی دعوت دی جائے یا تقریر کی جاےء یا تحریر لکھی جائے تو بات یہیں سے شروع

ہو۔ترتیب کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ ان کو اولیت وترجیح حاصل رہے اوران پر بالترتیب زور ہو۔

ہوتا یہ ہے کہ لوگ دینی وشرعی ترتیب کو چھوڑ کر اپنی پسند کی دعوت دینے لگتے ہیں اوراپنے زمانے یا اپنے ملکی معاشی سیاسی وسماجی حالات کو دیکھتے ہوئے یا ان کے دباؤ میں آکر اصلاح امت کا بیڑا اٹھالیتے ہیں اورکوئی اس کی اصلاح اس میں دیکھتا ہے کہ حکومت الہیہ قائم کرے۔کسی کو یہ نظر آتا ہے کہ تعلیم مسلمانوں کی اصلاح ترقی اورنجات کا باعث ہے کسی کے یہاں تصوف وتقلید ائمہ دعوت کی اصل الاصول ہے۔کسی کو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ بس جہاد تمام مسائل کا حل ہے۔ان تمام متنوع دعوتوں کا انجام ہمارے سامنے ہے ان کے ذریعہ جہل دنیاداری بے دینی شرک اور بدعت میں اضافہ ہوا ہے۔

یہ ترتیبیں ساری کی ساری الٹی ہیں تمام انبیاء نے اپنی دعوت کی ابتداء توحید الوہیت سے کی ہے ہر نبی نے سب سے پہلے ایمان باللہ کی دعوت دی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ۱۳سالوں تک اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے رہے اوراللہ کی الوہیت کو مان لینے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کا اجر بتلایا۔راوی کہتا ہے۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزور الناس ويتبعهم فى منازلهم يدعوهم الى الله ويعرض نفسه على القبائل وكان يقول يا ايها الناس قولوا لا اله الا الله تفلحوا (احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ملتے ان کے گھروں میں جاتے انھیں اللہ کی طرف بلاتے قبائل پر خود کو پیش کرتے اور کہتے اے لوگو لا الہ الا اللہ کہو کامیاب ہوجاؤ گے۔

جب دعوت کی ترتیب بدل گئی اورلوگ اصول دین پیش کرنے کے بجائے اپنے فلسفے افکار نظریات اورترجیحات کو پیش کرنے لگے تو اصل دین سے ہٹ گئے اوراس کے ثمرات واثرات سے محروم ہوگئے اور شکستہ خوردہ اپنے خول میں بند ہوکر رہ گئے۔

دعوت دین کے لئے ضروری ہے کہ انسان اس ترتیب کو ملحوظ رکھے۔سوال یہ ہوسکتا ہے کہ آخر ترتیب کو ملحوظ رکھنے کی ضرورت کیا ہے۔کل دین کو جس طرح چاہو جیسے چاہو پیش

کروتو جواب یہ ہے کہ دین فلسفہ نہیں ہے وہ امر الٰہی ہے اللہ نے اس ترتیب کے ساتھ دعوت دین کا حکم دیا ہے اوراس کو ہمیشہ انبیاء نے ملحوظ رکھا ہے اور یہی انبیاء کا منہج دعوت رہا ہے۔ترتیب بگڑنے سے اہم غیر اہم ہوجاتا ہے اور غیر اہم اہم بن جاتا ہے افکار ونظریات اصل دین کی جگہ لے لیتے ہیں فروعات اساسیات میں بدل جاتے ہیں اوراساسیات فروعات بن جاتے ہیں۔آج کے دعوتی ماحول میں روزاس کا تماشا دیکھتے ہیں۔اس وقت خاص کر خطباء ومقررین اس قدر غضب ڈھارہے ہیں کہ انہوں نے دعوت دین کو تماشا بنا رکھا ہے۔چندانتخابی تقریریں ہیں وہی ان کی دنیا ہیں اسی میں اچھل کوداور سخن سازی ہوتی رہتی ہے۔

یہ ترتیب برقرار رکھنا ضروری ہے اور یہ اس وقت باقی رہ سکتی ہے جب اس کے پیچھے منصوبہ بندی ہواور نگرانی کرنے والی اتھارٹی ہوموجودہ صورت میں آزادمقررو خطیب کی چیخ وپکار ہے اوربس یہ ترتیب معہود ذہنی بن کر رہنی چاہیے۔

۸۔ اسلوب دعوت توجیہی

دعوت کا ایک اسلوب ہے جس سے دعوت کا لب ولہجہ طے ہوتا ہے اس کا طرز وطریقہ متعین ہوتا ہے اس کی اثر آفرینی نمایاں ہوتی ہے اوردعوت کا ایک خاص رنگ نکھرتا ہے اسلوب کا دعوت طے ہے۔

دعوت دین میں سب سے پہلے نصح وخیر خواہی نمایاں ہوتی ہے نوح علیہ السلام نے قوم سے خطاب فرمایا:

أبلغكم رسالات ربى وأنصح لكم وأعلم من الله ما لا تعلمون (الاعراف: ٦٢)

میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارے لئے خیرخواہ ہوں اورامانت دار بھی۔

دعوت دین میں خیرخواہی بنیادی شے ہے اور یہی دعوتی اسلوب کی پہچان ہے۔اگر دعوت دین میں داعی کے عمل اور محنت سے خیرخواہی نہ جھلکتی ہوتو دعوت نتیجہ خیز نہیں ہوسکتی

ہے۔جب دعوت کے اندر خیر خواہی کا عنصر شامل ہوجاتا ہے تو انسان دعوت کا کام کرتے ہوئے منفی جذبات سے بچ جاتا ہے اوردعوت دین کے مخالفوں اور منافقوں سے نمٹنا آسان ہوتا ہے۔منفیات میں پھنس کروہ اپنی راہ کھوٹی نہیں کرتا۔

خیرخواہ داعی گمراہ مدعو کے اعراض پر شکوہ نہیں کرتا نہ اسے حزن وملال ہوتا ہے رب کریم کا ارشاد ہے۔

فلا تذهب نفسك عليهم حسرات ان الله عليم بما يصنعون (فاطر:٨)

تمہاری جان ان کے پیچھے حسرتوں سے نہ نکلی جائے یقیناً اللہ ان کے تمام کرتوتوں سے آگاہ ہے۔اسلوب دعوت میں بشارت اورانذار ہوتی ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

يا ايها النبى انا ارسلناك شاهدا ومبشرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجا منيرا وبشر المؤمنين بان لهم من الله فضلا كبيرا (الأحزاب: ٤٥-٤٧)

اے نبی ہم نے آپ کو گواہ، بشارت دینے والا اورڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اوراپنے اذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اورروشن چراغ اور مومنوں کو بشارت دیدیں کہ ان کے لئے اللہ تعالی کے پاس بہت بڑا فضل ہے۔

آیت میں نبی کی حیثیت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد بشیر نذیر داعی سراج منیر قرار دیا گیا اس سے طے ہے کہ ایک دعوت کو اپنی دعوت میں جنت کی خوش خبری، اجر وعطاء رب کی بشارت اورانجام بد سے آگاہ کرنے کا جتن کرنا چاہیے اوردین کی دعوت کا کام بہتر طور پر کامل ذمہ داری سے کرنا چاہیے۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام سے اپنے اصحاب کو بھیجتے تو فرماتے۔

بشروا ولا تنفروا ويسروا ولا تعسروا (مسلم ١٧٣٢)

جوڑنا، توڑنا نہیں نرمی کرنا سختی نہیں کرنا۔

اس تبشیر انداز اور تیسیر کی راہ دیکھئے جس کا حکم ملا اورنفرت پھیلانے اور سختی کرنے کی

راہ دیکھئے اس حدیث کی روشنی میں دعوت میں نہ نفرت انگیزیوں کی گنجائش ہے نہ اتہام کی نہ مناظرہ بازی کی نہ چیلنج کی۔نہ جزباتی گفتگو کی۔

دعوتی اسلوب میں نرمی اور کلام لین ضروری ہے اللہ تعالی نے حضرت موسی اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس بھیجا اور فرمایا:

اذهبا إلى فرعون إنه طغى فقولا له قولا لينا لعله يتذكر اويخشى (ط ٤٣ – ٤٤)

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ یقیناً وہ حد سے زیادہ بڑھ چکا ہے پھر اس سے نرمی کے ساتھ بات کہو شاید وہ نصیحت قبول کرلے یا ڈر جائے۔

رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمان الہی ہے۔

فبما رحمة من الله لنت لهم ولوكنت فظا غليظ القلب لا نفضوا من حولك (آل عمران: ١٥٩)

آپ اللہ کی رحمت سے ان کے لئے نرم ہیں اگر آپ تندخو اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے چھٹ جاتے۔

اسلوب دعوت میں یہ بھی داخل ہے کہ بات علی وجہ البصیرت کی جائے اللہ تعالی کا ارشاد ہے اور رسول اللہ کے اسلوب دعوت کا ذکر ہے۔

قل هذه سبيلى ادعو الى اللـه على بصيرة أناومن اتبعنى (يوسف:١٠٨)

آپ کہہ دیجئے یہی میرا طریق ہے میں اللہ کی طرف بصیرت سے بلاتا ہوں میں بھی اور میرے ماننے والے بھی۔

اسلوب دعوت کا اور ایک طریقہ قرآن میں مذکور ہے رب کریم نے ارشاد فرمایا:

ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتى هى احسن (النحل: ١٢٥)

آپ اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ بلایئے اور ان سے

احسن طریقے سے بحث کیجئے۔

دعوت میں حکمت اور موعظت حسنہ کو استعمال کرنے کا حکم ہے۔حکمت کیا ہے؟ حکمت یعنی مدلل اور مبرہن بات دلیل سے آراستہ اور مضبوط ومحکم گفتگو اور تحریر جو انسان کے اندر یقین واذعان پیدا کردے۔اور موعظت حسنہ یعنی ایسی گفتگو جس میں حسن وخوبی ہو کہ سننے والا اس کر متاثر ہو اور مطمئن ہوجائے اور اس پر عمل کرنے لگے۔اور مجادلہ حسنہ کیا ہے؟ اگر کوئی داعی سے کسی موضوع پر بات کرے تو گفتگو میں ایسی شائستگی اور ملائمت ہو کہ وہ دوست بن جائے یہ ہے اسلوب دعوت یہ اگر موعظت حسنہ حکمت اور مجادلہ احسن نہ ہو بلکہ اس کی جگہ مناظرہ ہو چیلنج ہو بدکلامی ہو تہمت بازی ہو، چیخ پکار ہو گانا اور نغمہ ہو تو دعوت دین نہیں ہے صرف ہنگامہ ہاؤ ہو ہے اسی طرح جس دعوت میں دلائل وبراہین نہ ہوں محض ایک بات کو سخن سازی کے ذریعہ طول دینا ہو وہ بھی اسلوب دعوت کے خلاف ہے اور مشکل یہی ہے۔ایسی فسانہ ساز تقریریں صرف ضیاع وقت کا باعث ہیں اور سامعین کا ذہن خراب کرنے اور مقصدیت سے دور کرنے کا ذریعہ۔اسی لئے آج دعوتی جلسے مقصدیت سے خالی ہوگئے ہیں اور فقط ترفیہ اور فساد کا سبب ہیں۔

دعوت دین کے اسلوب کا تقاضا ہے کہ دعوت دین میں ایسا لب ولہجہ اور طرز تفہیم ہونا چاہیے کہ انسان کو سیدھا راستہ ملے حق کی آگاہی حاصل ہو یقین واذعان حاصل ہو نہ کہ تمویہ وتلبیس ہو، لفظی کھیل اور مناظرہ بازی ہو۔طرز تکلم اور گفتگو کرنے کا سلیقہ ایسا ہونا چاہیے کہ انسان بات سنے اور سمجھ جائے۔ اینچ پیچ لکھنے چھپنے بے جا تاویل وتشریح کا چکر نہیں چلنا چاہیے۔صراحت وضاحت سہولت اور آسانی ضروری ہے حاصل کلام ارشاد وتوجیہ ہو یہی مومنانہ اسلوب وطریقہ رہا ہے ارشاد باری ہے۔

وقال الذى آمن يقوم اتبعون اهدكم سبيل الرشاد (غافر: ٣٨)

اور کہا اس نے جو ایمان لا چکا تھا اے میری قوم میری بات مانو میں تمہیں راہ ہدایت دکھلا دوں گا۔

دعوت دین کا اسلوب ہادیانہ ہونا چاہیے اور اس کے لئے سارا جتن کرنا چاہیے لب

ولہجہ طرز کلام نیت وارادے خواہش وطلب، دلیل وحجت شیریں گفتار، ملائمت ونرمی نصح وخیر خواہی، جذبہ وتڑپ اس لئے ہونا چاہیے۔ مدعو راہ راست پر آجائے۔ اسی لئے دعوت دین میں سختی واکڑ تبرابازی ومناظرہ بازی یاوہ گوئی قصہ گوئی راگ راگنی طول بیانی فقہی موشگافی فتوی بازی نہیں چلتی۔ اسی طرح بہت سے لوگ یہ شوق پالے ہوئے ہوئے ہیں کہ دواشلوک یاد کر کے یا چند بائیبل کی آیات سنا کر ہلدی کے دوگانٹھ کے ذریعہ پنساری کی دکان لگاتے ہیں۔ قرآن وسنت سے ان کا موازنہ دین کے ساتھ گستاخی ہے اور عوام کے سامنے تعنت دکھلانا ہے موازنہ کا یہ استشراقی یہودی وصلیبی اسلوب ہمارے یہاں درآیا ہے۔ آج اسلوب دعوت میں یہ ساری سلبیات درآئی ہیں جن سے صرف لوگوں کے ذہن میں سر پھرا پن پیدا ہوتا ہے اور کار دعوت کو صرف نقصان پہنچتا ہے اور فتنے پیدا ہوتے ہیں۔ اسلوب دعوت میں ترغیب وترہیب بھی بہت اہم ہے۔ جنت کی ترغیب جہنم سے ترہیب نیکی کی ترغیب بدی سے ترہیب مطلوب ہیں۔

۹۔ اچھا ماحول اور اچھے ساتھی

دعوت وتبلیغ کے لئے اچھا ماحول بنایا جائے اور اچھے ساتھی چنے جائیں۔ دعاۃ کے لئے اچھے ساتھیوں کا انتخاب اور اچھے ماحول کی نمو و پرداخت ضروری ہے۔ اگر دعوتی نظام نہیں بنے گا اور اس نظام کے تحت دعوتی ماحول اور دعوتی کارکن تیار نہیں ہوں گے تو دعوت وتبلیغ محض انبوہ جمع کرنا ہے یا ہفتے کا بازار لگانا ہے اور بازار اٹھا دینا ہے یا سال کا میلہ لگانا ہے اور اٹھا دینا ہے اور اس وقت ہماری جماعت کا دعوتی حال یہی ہے۔ تقریر کا بازار لگا یا میلہ لگا اور اٹھ گیا۔

اچھا ماحول بنانے اور اچھا ساتھی بنانے کا مطلب کیا ہے؟ دراصل دونوں ایک ساتھ جڑے ہیں اچھے ساتھی ہوں گے تو اچھا ماحول بنے گا۔ اچھے ماحول اور اچھے ساتھی اسی وقت میسر آتے ہیں جب تعلیم وتربیت اور تزکیہ کا صحیح نظم قائم ہو اور ایسے مردان کار مخلص رجال دین اور علماء ملیں جو لوگوں کو صحیح بات بتا سکیں اور ان کی تربیت کر سکیں ان کا تزکیہ بھی کر سکیں۔ تزکیہ دراصل ایک اچھا ماحول بنانے اور اچھا انسان بنانے کا انبیائی عمل ہے۔ اس کے بغیر

اچھے ماحول اور اچھے انسان کا حصول ممکن نہیں ہے۔ مزکی انسان کے دخائل نفس اور اخلاقی وقلبی روگ کو جانتا ہے وہ اس کا علاج کر کے ایک اچھا انسان بنا دیتا ہے اور ایسے لوگوں کو جوڑ کر ایک محدود وصاف ستھرا ماحول بناتا ہے۔ پھر یہ کام آگے بڑھتا جاتا ہے۔

اچھے ساتھی اور اچھا ماحول بنانے کی کوشش کے پیچھے راز کیا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ جب دعوت دین کا کام صحیح رخ پر چلے اور اسے محسوس کیا جانے لگے تو اس وقت تین گروہ پیدا ہوتے ہیں موافقین منافقین اور مخالفین۔ موافقین اچھے ساتھی ہوتے ہیں اور ان سے اچھا ماحول بنتا ہے لیکن منافقین کی ریشہ دوانیاں اور مخالفین کی عداوت اچھے ساتھیوں کو بگاڑنے اور اچھے ماحول کو تباہ کرنے میں لگی رہتی ہے۔ اگر دعوت وتبلیغ میلہ لگانے اور بازار لگانے والے انداز کا ہو تو کوئی مسئلہ نہیں اس لئے کہ وہاں اچھے ماحول کی طلب ہے نہ اچھے ساتھیوں کی جو استمراری کام اور سنجیدہ کام کے لئے لابدی ہیں اور یہاں کل کا کل وقتی معاملہ ہے جب بھی صحیح ڈھنگ سے کار دعوت ہوگا طبعی بات ہے کہ یہ تینوں گروہ پیدا ہوں گے۔ مجھے اس کا تجربہ فیجی میں بھی ہوا ہے اور علی گڑھ میں بھی فیجی میں عداوت نے ہمیں تباہ کیا اور خبیث طبیعت کے لوگ آج بھی ہمیں طعنہ دیتے ہیں اور علی گڑھ میں منافقت نے ہمیں ڈسا اور گھٹیا ذہنیت کے لوگ آج بھی ہمیں ڈستے ہیں۔ اور بلا حقیقت جانے۔ اللہ ایسے لوگوں سے سمجھے۔

مخالفت اور منافقت سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ کار دعوت کرنے والوں کے درمیان باہم اعتبار قائم رہے اور باہم الفت اخوت پروان چڑھے۔ ایک دوسرے کا احترام کرنا جانیں سرگرمیوں کی خبر ہو آدمی کی پہچان اور شناخت کی صلاحیت ہو صبر وبرداشت اور کاموں کا جائزہ لیا جاتا رہے امانتوں کا حساب کتاب درست رہے۔ کارکردگی صلاحیت، قربانی اور صالحیت اور علمیت لوگوں کے پرکھ کا معیار بن جائے۔ کانا پھوسی کرنے والوں اور اندر اندر کھچڑی پکانے والوں کی ریشہ دوانیوں سے چوکنا رہا جائے دائرہ دعوت میں داخلہ اس کو ملے جس کو جانچ اور پرکھ لیا جائے۔ بغیر کچھ جانچے پرکھے براہ راست کسی کو بھی کار دعوت کے دائرے میں نہ لیا جائے۔

اور ماحول سچائی کا تقدس کا اور اخوت کا بنایا جائے۔ گٹ بندی کرنے والوں بات بنانے والوں سے چوکنا رہا جائے۔ جو اجتماعی ماحول سے تال میل نہ کر سکے اور ہر وقت اپنی الگ راہ بنانے کے درپے رہے اس سے احتراز کیا جائے۔

مخالفین کی عداوت اور منافقین کی ریشہ دوانیوں کی دھار بہت تیز ہوتی ہے اگر عزیمت اور ہمت وحوصلہ نہ ہو سنجیدگی اور مقصد سے وابستگی اور لگن نہ ہو تو سارے ساتھیوں کے بکھرنے میں دیری نہیں لگتی بنی اسرائیل کی مثال قرآن میں بالتفصیل موجود ہے کہ کس طرح وہ ہر موقعے پر بکھر جایا کرتے تھے اور انبیاء کو تنہا چھوڑ دیتے تھے۔

اچھے ساتھی کی یافت اور اچھے ماحول کی نمو وپرداخت دعوت کے پودے کو جڑ پکڑنے اور اس کی نشو ونما کے لئے بہت ضروری ہے۔ یہ امام کائنات رحمت عالم نبی مکرم محمد اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز تھا کہ آپ کو صحابہ کرام جیسے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ساتھی ملے اور آپ نے ان کو لے کر پاکیزہ مشک بو روح افزا ماحول بنایا اور مخالفین ومنافقین سب سے اس طرح نمٹ لیا کہ ان کا خاتمہ ہی ہو گیا۔

آج صورت حال یہ ہے اور دینی شعور اس طرح دھندلا گیا ہے کہ اکثر دینی کاموں سے منافقین چمٹ جاتے ہیں اور لوگ انھیں دینی رہبر مان لیتے ہیں یا وہ خود مسلط ہو جاتے ہیں ایسے ماحول میں کار دعوت کے لئے پاکیزہ ساتھی اور پاکیزہ ماحول میسر ہونا بڑا کٹھن ہے لیکن عزم وحوصلہ تدبر اور دانشمندی قیادت وبصیرت ہو تو آج بھی ملت اسلامیہ کے اندر ان کے میسر ہونے کا امکان ہے۔ بہر حال کار دعوت کے فروغ کے لئے یہ بنیادی اسباب میں سے ہیں جب یہ نظر انداز ہوں گے تو کار دعوت کا قصہ ختم۔ ان کی ضرورت کیوں ہے؟ اللہ کا حکم ہے ارشاد ہے۔

یا ایها الذین آمنوا اتقوالله وکونوا مع الصادقین (التوبة : ۱۱۹)

اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

سچے لوگوں کو تلاش کرنا اور ان کے ساتھ نیکی اور سچائی سے رہنا دعوت دین کی سب سے بڑی طاقت ہے اور برے لوگوں سے بچ کر رہنا اور برائی سے دور رہنا اشد ضروری ہے۔

سچوں کا ساتھ اس وقت تک برقرار رہتا ہے جب تک ان کے ساتھ خلوص محبت او ریگانگت برقرار رہے اور نگاہوں میں ان کی قدر قائم رہے دنیاداری سے دور رہا جائے ۔منافقوں اور مخالفوں کے مکروفریب ریشہ دوانی اور مخفی تدابیر میں گرفتار ہونے سے بچاؤ اختیار کیا جائے۔ رب کریم کا ارشاد ہے۔

واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه ولا تعد عيناك عنهم تريد زينة الحياة الدنيا، ولا تطع من أغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هواه وكان أمره فرطا (الكهف: ۲۸)

اور آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ لگائے رکھئے جو صبح وشام (بالاستمرار) اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اپنی نگاہیں ان سے پھیر نہ رکھئے جو دنیوی زندگی کی زیبائش چاہتے ہیں۔ اور ان کی بات نہ مانئے جن کے دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیئے ہیں اور وہ اپنی خواہش نفس کے پیروکار ہیں اور ان کا حال حد سے گذر گیا ہے۔

اچھے ساتھی کیسے میسر ہوں گے اور انھیں کیسے ساتھ لگائے رکھا جائے آیت میں اس کی توضیح ہوئی ان کی قدر دانی ہونی چاہیے انھیں آنکھ کا تارا بنا کے رکھنا چاہیے اچھے ساتھی اللہ کی خوشنودی کے طلبگار ہوتے ہیں انھیں نظر انداز کرنا دنیاداری ہے۔ ان کے مقابلے میں مخالفین منافقین اور غلط لوگوں کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیے۔ یہ ہی نفس کے پجاری ہوتے ہیں ان کا حال تباہ ہوتا ہے۔

اچھا ماحول بنانا اور برے ماحول سے دور رہنا ضروری ہے ارشاد باری تعالی ہے۔

وجاء رجل من اقصى المدينة يسعى قال يا موسى ان الملأ يأتمرون بك ليقتلوك فاخرج انى لك من الناصحين فخرج منها خائفا يترقب قال رب نجنى من القوم الظالمين (القصص: ۲۰ — ۲۱)

ایک شخص شہر کے آخری کنارے سے دوڑے ہوئے آئے کہنے لگے اے موسی درباری آپ کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر دیں اس لئے آپ یہاں سے نکل

جائیے بے شک میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں۔

یہاں برے حالات اور ماحول سے نکلنے کا واقعہ بھی مذکور ہے ساتھ ہی اچھے ساتھی کارول بھی نمایاں ہے۔اس لئے اچھے خیر خواہ مخلص سچے اوروفادار ساتھی کا دعوت دین کے کام میں اساسی کردار مانا جاتا ہے۔

برے ماحول سے بچنا برے ساتھیوں سے بچنا کاردعوت میں لگے فرد کے لئے ضروری ہے اگر ایک شخص دعوت دین کے کام سے جڑنے کا دعوی بھی کرے اور برے ماحول اور برے ساتھیوں سے اجتناب کرے اوران کی دوستی اوررفاقت سے باز نہ آئے تو وہ دعوت کے کام میں لگنے کے لائق نہیں ہے دعوت کا کام مسلسل تزکیہ تعلیم وتعمیر ذات اورتعمیر افراد کا ایک مسلسل عمل ہے اگر اس سے جڑے ہونے کے درمیان یہ شعور پیدا نہ ہو اوران کے حالات میں مسلسل سدھار نہ ہوتو نہ اچھے ساتھی میسر ہوتے ہیں نہ اچھا ماحول بن پاتا ہے۔خوف الٰہی،ذکر الٰہی،ابتہال انابت توکل علی اللہ،امید،کامیابی وکامرانی کی کیفیت ہروقت کاردعوت میں لگے انسان کے اندر نکھرتی اور پیدا ہوتی رہتی ہے سماج کی برائیوں سے بچنا سماج کے بددین اور برے لوگوں سے دوری اختیار کرنا دعوت کے کام سے جڑے ہوئے لوگوں کے لئے ضروری ہے۔ارشاد ہے:

واذا رأيت الذين يخوضون في آياتنا فأعرض عنهم حتى يخوضوا في حديث غيره واما ينسينك الشيطان فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين (الأنعام: ٦٨)

اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات میں عیب جوئی کررہے ہیں توان لوگوں سے کنارہ کش ہوجاؤ یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اوراگر تم کو شیطان بھلادے تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالم انسانوں کے پاس مت بیٹھو۔

کاردعوت میں لگے کارکنوں کو ہر حال اور ہر ماحول میں برائی اور بروں سے کنارہ کشی اختیار کرنی ہوتی ہے اور کنارہ کشی کا کبھی آخری مرحلہ بھی آتا ہے تو دیار کفر اور شر سے انسان کو ہجرت کرنی پڑتی ہے۔

یہ تو دشمنوں اور مخالفین کی بات ہوئی منافقین سایے کی طرح قافلہ حق اور کاروان حق کے ساتھ ہمیشہ چپکے رہتے ہیں۔ان دونوں کے متعلق رب پاک کا ارشاد ہے۔

يا ايها النبي جاهد الكفار والمنافقين واغلظ عليهم وما واهم جهنم وبئس المصير (التحريم: ٩)

اے نبی کفار اور منافقین سے (باللسان) جہاد کیجئے اوران پر سخت رہئے ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور بہت برا ٹھکانا ہے۔

ان سے جہاد باللسان کا قرینہ منافقین کا ذکر ہے اورغلظت ہے۔ظاہر ہے منافقین سے جہاد بالسیف کا حکم نہیں ملا نیز غلظت اور جہاد باللسان کے درمیان موانست اورتجانس ہے۔

دعوت کے کام کرنے والے اگر صحیح اور سخت موقف رکھیں تو عبداللہ بن ابی کی روحانی اولاد کی ریشہ دوانیوں سے نجات مل سکتی ہے اور مخالفین کی مخالفت کا اثر زائل ہوسکتا ہے۔

دعوتی کارکنوں کی استقامت،کام سے لگاؤ اور شوق کارکردگی اورمحنت اور باہمی اعتماد اور متفقہ موقف اور یکساں عقیدہ وعمل بصیرت اور تیقظ اجتماعی شعور اور باہمی تفاہم اورتعاون سے منافقین اور مخالفین کے مضرات سے بچاؤ حاصل ہوسکتا ہے ورنہ اس دور کے منافقین سارے اسباب چاٹ جائیں گے اور مخالفین دباڈالیں گے۔

کاردعوت کے لئے اچھا ماحول اور اچھے ساتھی بڑا حساس مسئلہ ہے اس کو نظر انداز کرنے سے سارا کاروبار دعوت تباہ ہوسکتا ہے۔

۹۔استمرار دعوت

دعوت دین ہمہ وقتی عمل ہے یہ کوئی وقتی اور فصلی کام نہیں ہے نہ دعوت دین کوئی تفریحی کام ہے۔جب دعوت کا کام وقتی ہوتا ہے تو اس کی مثال کسی موسمی میلے یا بازار کی ہوتی ہے کہ بھیڑ جمع ہوئی اور پھر بکھر گئی۔استمرار دعوت سے دعوت کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں اوراس کے فوائد وثمرات نمایاں ہوتے ہیں کام میں اگر تسلسل نہ ہوتو ساری محنت رائیگاں چلی جاتی ہے اورسب کچھ اکارت ہوجاتا ہے گرمی سردی بہار برسات ہر موسم میں ہمیشہ دعوت ضروری ہے لوگ محنت جاری رکھیں ملاقات جاری رہے تقریریں ہوتی رہیں تعلیم ہوتی

رہے تزکیہ کا عمل چلتا رہے دروس میں صبح وشام تسلسل قائم رہے۔مطالعہ جاری رہے افہام وتفہیم کا سلسلہ قائم رہے منا کر کا ازالہ ہوتا رہے بدعات کا رد ہوتا رہے شرک کا ابطال جاری رہے تعمیر فرد اور تعمیر سماج ہوتا رہے مساجد آباد رہیں ان کے مناروں سے توحید کی صدا بلند ہوتی رہے علمی کام ہوتے رہیں وفود نکلنے کا سلسلہ قائم رہے تواصی بالحق وتواصی بالصبر ہوتا رہے دعوت کی ترقی وارتقاء کے لئے غور وفکر ہوتا رہے منصوبے بنتے رہیں۔ ارشادات وتوجیہات جاری رہیں۔نگرانی جاری رہے تجزیہ وتجربہ ہوتا رہے اور اللہ سے لو لگی رہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت وتبلیغ کا حال ہم سب کو معلوم ہے دعوت کا وہ اعلی معیار جس کو رسول اللہ نے قائم کیا وہی ہمارے لئے اصلی معیار ہے اس معیار اور اسوہ میں ایک چیز دعوت میں استمرار ہے۔پیہم عمل سے ہی دعوت کا حق ادا ہوتا ہے جس طرح آپ نے دعوتی کام میں محنت کی اسی طرح اپنے صحابہ کو تیار کیا جنہوں نے شبانہ روز ان تھک محنت کی اور وہ انتہائی کامیابی حاصل کی جس کا حصول بشری امکان میں ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے اپنے صحابہ کو تیار کیا حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے سنئے روایت کرتے ہیں۔

دعانا النبي صلى الله عليه وسلم فبايعناه فقال فيما أخذ علينا أن بايعنا على السمع والطاعة فى منشطنا ومكرهنا، وعسرنا ويسرنا واثرة علينا وان لا ينازع الأمر أهله إلا ان تروا كفرا بواحا عندكم من الله فيه برهان (بخاري ٧٠٥٥)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دعوت دی اور ہم سے جن چیزوں کا عہد لیا ان میں سے یہ بھی تھا کہ ہم سے بیعت کی کہ سنیں گے اور مانیں گے اپنی خوشی میں بھی اور پریشانی میں بھی شدت میں بھی اور آسانی میں بھی اور اسی حالت میں بھی کہ ہم کو نظر انداز کر دیا جاےء اور ہم سے عہد لیا تھا حکمرانوں کے معاملہ حکمرانی میں منازعت نہ کریں گے الا یہ کہ تم کفر بواح دیکھو جس میں تمہارے رب کی جانب سے تمہارے پاس دلیل ہو۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے اور ہر ایک کی سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ اگر کسی کام میں

تسلسل نہ رہے اور اسے مستقل نہ کیا جائے تو وہ صفر بن جاتا ہے اگر ایک دن کھانا کھائیں اور دو دن نہ کھائیں تو جسم میں توانائی نہیں برقرار رہ سکتی ہے اگر دوا کا کورس ناغہ کر کے پورا کیا جائے تو دوا بے اثر ہو جاتی ہے اگر تعلیم میں ناغہ ہو تو طالب علم تعلیم میں پھسڈی ہو جاتا ہے۔ یہ اگر اتھلیٹ برابر مشق نہ کرے تو وہ میدان سے آؤٹ ہو جاتا ہے یہی حال دعوت وتبلیغ کا ہے استقرار اور تسلسل عمل کے بار آور ہونے کے لئے شرط ہے۔لیکن مشکل یہی ہے کہ یہی سب سے اہم کام تعطل کا شکار رہتا ہے اور یہی کام سب سے زیادہ غیر منظم غیر منصوبہ بند طریقے سے ہوتا ہے۔

جس جگہ دعوت وتبلیغ کا نظم قائم ہو جائے وہاں برابر دعوت کا کام ہونا ضروری ہے صبح وشام کام ہو اور پروگرام میں تسلسل قائم رہے موسم سخت ہو یا اچھا ہو بارش کا ٹائم ہو موسم سرما ہو موسم کا بہانہ نہیں ہونا چاہیے نہ کسی کام کی مشغولیت کا شرعی اور طبعی عذر کے سوا کوئی عذر نہیں کرنا چاہیے مسلسل کام کے لئے ضروری ہے ہمہ وقتی کام کے مطابق دعوتی پروگرام طے رہے کام کے لئے افراد طے رہیں نگرانی جاری رہے۔

کار دعوت میں تسلسل قائم نہیں ہو سکتا جب تک دعوت کا پورا ایک بہترین نظم نہ قائم ہو اور تربیت یافتہ افراد کار نہ ملیں اور مخلص اور فعال قیادت اور مرکزی قیادت نہ موجود ہو۔عمل میں تسلسل قائم ہونے سے دعوت کے نتیجہ خیز ہونے نہ ہونے اور اس کے متوقع نتائج سامنے آنے نہ آنے کا اندازہ ہوتا ہے اور کار تسلسل کا تقاضا ہوتا ہے کہ کام میں پھیلاؤ ہو اور محنت بڑے پیمانے پر ہو۔

ہمارے یہاں دعوت کا کل کا کل کام غیر منظم جزئی وقتی سخن سازی اور نیتائی کام ہوتا ہے ہر کار دعوت کا ایک اہم حصہ نیتائی کا ہوتا ہے جلسہ آرگنائز کرنے میں نیتائی پروگرام چلانے میں نیتائی کرسی صدارت پر براجمان ہونے میں نیتائی اور بلوں کا امتیاز لگا کر نمایاں لوگوں کے ذریعہ اسٹیج کو سجانے میں نیتائی وغیرہ وغیرہ ظاہر ہے جہاں غیر سنجیدگی ہر شے میں نمایاں ہو وہاں دعوت میں تسلسل اور استقرار کا کیا سوال رہ جاتا ہے۔ جب کارکنوں کے اندر دعوت کے لئے جنون پیدا ہو جائے اور دعوت دین کو اپنی زندگی کی

ترجیحات میں شامل کرلیں تو ایسے لوگ دعوت میں تسلسل اور استقرار برقرار رکھ سکتے ہیں۔

دعوت میں استمرار کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ جہلاء اور مخالفین کی طرف توجہ نہ دی جائے تا کہ ان کی مخالفت کا ردعمل تعطل اور فتور کا باعث نہ بنے ارشاد باری ہے:

فاصدع بما تومر وأعرض عن المشركين انا كفيناك المستهزئين الذين يجعلون مع الله الها آخر فسوف يعلمون (الحجر ٩٤-٩٦)

غرض آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا اسے صاف صاف سنا دیجئے اور مشرکین کو نظرانداز کیجئے یقیناً ہم آپ کے لئے کافی ہیں ان کھلی اڑانے والوں کے بارے میں۔ جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتے ہیں جلد ہی انھیں پتہ چل جائے گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فذرني ومن يكذب بهذا الحديث سنستدرجهم من حيث لا يعلمون وأملي لهم ان كيدي متين (القلم: ٤٤-٤٥)

پس مجھے چھوڑ دیجئے اور ان کو جو اس کلام کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو بتدریج اس طرح جہنم کی طرف لے جا رہے ہیں کہ ان کو خبر بھی نہیں اور دنیا میں ان کو مہلت دیتا ہوں بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔

یہ استمرار بالدعوۃ کا راستہ ہے اور اسے اللہ تعالی طے کرتا ہے کہ کار دعوت اخلاص کے ساتھ ہوتا رہے۔ مخالفین دشمنان دین اور معاندین سے الجھنا اور ان سے متاثر ہونا ان کا دباؤ محسوس کرنا درست نہیں، انھیں نظرانداز کیا جائے۔ آخری درجے میں دعوت دین کا حکم ہے اور مخالفین پر سخت رہنے کی تاکید ہے ارشاد ہے۔

فلا تطع الكافرين وجاهدهم به جهادا كبيرا (الفرقان: ٥٢)

آپ کافروں کی باتیں نہ مانئے اور ان سے قرآن کے ذریعہ زبردست مقابلہ کیجئے۔

استمرار دعوت کے لئے ضروری ہے کہ جو لوگ دعوت دین سے نفرت کریں باتیں نہ مانیں اس پر حزن وملال نہیں ہونا چاہیے۔ دعوت دی جائے اور نتیجہ اللہ کے حوالے کر دیا جائے۔

رب کریم کا ارشاد ہے:

فلعلك باخع نفسك على آثارهم ان لم يؤمنوا بهذا الحديث اسفا (الكهف: ٦)

شاید آپ ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان ہلاک کر دیں گے اگر وہ اس کلام الہی پر ایمان نہ لائیں۔

فلا تذهب نفسك عليهم حسرات ان الله عليم بما يصنعون (فاطر:٨)

ان پر افسوس کرتے آپ کی جان نہ چلی جائے بے شک اللہ ان کے سارے کرتوت سے بخوبی آگاہ ہے۔

یہ ہے شان دعوت۔ کام کئے جانا ہے کامیابی پر غرور نہیں ناکامی پر حسرت نہیں مزدوری اللہ سے مطلوب ہے وہ تو ہر حال میں ملے گی اس کی ضمانت اللہ نے دی ہے بسا اوقات داعی کی کارکردگی کی صلاحیت کو یہی چیز کھا جاتی ہے کہ وہ ناکامی اذیت رسانی طنز وتعریض استہزاء اور انکار سے پریشان ہو جاتا ہے اور اس کا کام تھم جاتا ہے یا تھک ہار کر بیٹھ جاتا ہے۔

دعوت میں استمرار کے لئے ضروری ہے کہ اعراض عن الجاہلین ہو اور نتیجہ اللہ کو سونپنے کے ساتھ منصوبہ بندی ہو جس میں صلاحیت کو سامنے رکھا جائے اور وقت کو بھی۔ آدمی کے پاس جتنی صلاحیت ہو بس اتنا کام ہو اور جتنا وقت ہو اس کے مطابق کام ہو اور وقت پر کام ہو تا کہ انسان تھکے ہارے نہیں نہ اکتائے، اس طرح اس کے منصوبے میں اپنے علم میں اضافے کا اور اپنی اصلاح کا بھی پروگرام شامل ہو۔ ساتھ ہی بطانہ صالحہ کے ساتھ مشورہ اور معاونت بھی جاری ہو اور اجتماعی کوشش ہو اس طرح کلی کار دعوت کے انجام دینے میں سہولت ہوگی اور تسلسل بھی قائم رہے گا۔

۱۱۔وسائل دعوت

وسائل دعوت بہت سے ہو سکتے ہیں جائز وسائل کا صحیح استعمال ایک مسلمان کے لئے مباح ہے لیکن وسائل وسائل ہیں غایت نہیں ہو سکتے۔ اگر وسائل غایت بن جائیں

اورغایت نگاہوں سے اوجھل ہوجائے اصول کونظرانداز کردیا جاےءتو پھرنظم دعوت درہم
برہم ہوجائے گا۔

دینی ادارے، مساجد کے منابرتعلیم تدریس، افتاء، اصلاح فرد اصلاح سماج، تزکیہ
وتربیت کی جھانس، دینی کتب تقاریر، ریڈیو، ٹی وی اُخبارات میگزین، وفود دعوت جلسے
کانفرنسیں شخصی ملاقات ذرائع ترسیل وغیرہ وغیرہ وغیرہ متنوع وسائل دعوت ہیں اگرانھیں
ہدف وغایت بنالیں اوران کے پیچھے دعوت دین کا ثمرہ حاصل نہ ہوانھیں ذرائع ہی کوفرض
واجب سمجھ لیا جائے اوراللہ کے پیغام کی ترسیل نہ ہوسکے یا ہومگر ثانوی درجے میں تو پھر
دعوت دین سودمند نہ ہوگی۔

ہمارے سامنے تبلیغی جماعت کی مثال ہے اس جماعت کے لوگ اپنے جس خاص
ڈھنگ سے جماعت نکالتے ہیں وہ اس خروج کو جہادوہجرت کہتے ہیں اوراسے نصرت الٰہی
کا سبب گردانتے ہیں ظاہر ہے یہ تاویل باطل ہے اوردین کے مقدس معانی کی حامل دینی
مصطلحات کے ساتھ کھلواڑ کرنا ہے یہ تماشا قابل مذمت ہے اسی طرح بہت سے کم فہم ٹی وی
اوراخبارات وریڈیو کے دینی پروگراموں سے بڑا چکا چوند ہوتے ہیں اورٹی وی واخباری
مولویوں اورخطباء کو بڑی وقعت دیتے ہیں اورایسا سمجھتے ہیں جیسے سارے جگ میں ان کے
ذریعہ دین کا ڈنکا بج جائے گا جب کہ واقعہ یہ ہے کہ ان کے ذریعہ کی دعوت نہیں ہوتی ان
کے ذریعے ابلاغ ہوسکتا ہے کہ سننے والوں کے کان میں بات پہنچ گئی۔دعوت اس سے اونچی
چیز ہے۔دعوت میں تزکیہ تلاوت قرآن اورتعلیم کتاب وحکمت شامل ہے اگر ابلاغ کے
ساتھ تعلیم کتاب وسنت اورتزکیہ نہیں ہے تو ابلاغ سے فقط سر پھرا پن پیدا ہوسکتا ہے
اور بروقت ذرائع ابلاغ سے دین کی اشاعت کی کوشش سرپھرا پن پھیلا رہی ہے۔دین سے
زیادہ مقرر قابل احترام بنا جارہا ہے۔

ذرائع ابلاغ کسی بھی وقت دعوت دین کا معمولی سا حق ادا کرسکتے ہیں۔ذرائع ابلاغ
دعوت دین کے سلسلے کا ایک چھوٹا سا جز ہیں اور یہ بھی ایک پریشان کن بات ہے کہ ذرائع
اپنی فطرت ماہیت اور طبیعت ریا نمود اور ہوس زر کا امکانی حد تک فتنہ لئے ہوتے ہیں

افادیت کے مقابلے میں ان کا خرچ بھی مسرفانہ حدتک ہے۔ان کے ذریعے دعوت دین
بے جان دعوت ہے ان دیکھے اور دیکھے تک آواز پہنچادی گئی اور بقیہ دعوت کی دیگر ذمہ
داریوں سے کچھ لینا دینا نہیں نہ مدعو سے کوئی مطلب ہے تقریری دعوت اور وہ بھی پردے
کے پیچھے سے ایک بے جان دعوت ہے دعوت یہ نہیں ہے کہ تقریر کی اور پردہ فرمالیا۔دعوت
تقریر کرکے پردہ فرمالینے کا نام نہیں ہے ایسا کرنا خود ایک مصیبت ہے۔

دعوت دین کے وسائل ثانوی درجہ کے حامل ہیں اصل چیز ان کی غایت وہدف ہے
اورداعی کے حالات ہیں۔اگر دعوتی وسائل مہیا ہوں اوراعلی پیمانے کے ہوں مگر ان کے
ذریعہ ذہن وطبیعت میں تبدیلی نہ آئے سیرت سازی نہ ہوسکے سماج کی اصلاح بھی نہ
ہوسکے بلکہ اس کے برعکس فتنہ وفساد کا ذریعہ بن جائیں۔اسی طرح اگر ان وسائل کو استعمال
کرنے والے کارکن اوردعاۃ سچے نہ ہوں دنیا دار اورزر پرست ہوں خائن اورمنافق ہوں
تو وسائل بگاڑ کا باعث بن جائیں گے۔

اولا وسائل کو جائز ہونا چاہیے دوسرے ان کا صحیح استعمال ہونا چاہیے تیسرے ان کی
حیثیت سے زیادہ ان کو مقام نہ دیا جائے رابعا ان کے استعمال کرنے والے مخلص اورامانت
دار ہوں خامسا موثر اوردورس نتیجہ کے حامل وسائل کو صرف استعمال کرنا چاہیے۔سادسا:
مادی وسائل کو بڑے پیمانے پر استعمال کرنے کی وقعت عالم مخلص کے مقابلے میں نہیں بڑھنا
چاہیے۔سابعا: پوری انسانیت پر مؤثر ہونے کے لئے مادی وسائل ہی کو انتہائی مرتبہ نہیں
دینا چاہیے ان کے مقابلے میں تقوی خلوص اخلاق حسنہ شرافت ومروت علم وبصیرت کو ان
کے مقابلے میں ہرحال میں ترجیح ملنی چاہیے۔اگر مادی وسائل کے مقابلے میں اخلاقی دینی
اورعلمی خوبیوں کو حقیر اور بدتر جانا جائے تو بھی دعوت دین کی کامیابی مشکوک۔ادھار کے
اجالوں کی دکان زیادہ دنوں تک نہیں چل سکتی۔

آج کا المیہ یہی ہے کہ دعوت دین کے کام میں مادی وسائل کو بہت زیادہ اہمیت
حاصل ہوگئی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دعوت دین کے نام پر حاصل ہونے والے مادی وسائل
نے اخلاق اوردیانتداری کو تباہ کردیا ہے خائن جاہل بدکردار تعلّی پسند بے وقوف قسم کے لوگ

خیراتی مشروعات کا لالچ دے کر علماء اور دین پسندوں کو اپنا غلام گردش بنا ڈالا ہے۔ یہ وقت
کا سب سے بڑا المیہ ہے کہ نامعقول لوگ امام رشد و ہدایت بنے ہیں۔

وسائل دعوت میں سب سے زیادہ موثر دینی تعلیمی ادارے ہیں۔ بروقت یہی ساری
دینی کھپت پوری کرتے ہیں اور کار دعوت کے لئے مطلوب صلاحیت فراہم کرتے ہیں کسی
بھی دعوت کے پیچھے اگر علمی اور ثقافتی طائفہ موجود نہ ہو اور یہ دعوت کے لئے براہین و حجج
فراہم نہ کریں نیز تعلیم وتزکیہ کا رصد بھی فراہم نہ کریں تو کار دعوت باوزن نہیں بن سکتا۔ نہ
ان کے بغیر اس کی جڑیں مضبوط ہوسکتی ہیں۔ دینی علوم جتنا زیادہ علماء کے اندر گہرے ہوں
گے اس کے بقدر دعوت بھی مضبوط اور توانا ہوگی۔ اور اسے پائیداری حاصل ہوگی۔ اس لئے
دینی تعلیمی اداروں کی فعالیت اور اثر آفرینی کو ہر ایک کو تسلیم کر لینا چاہیے۔

وسائل دعوت میں جس کی جس قدر اہمیت ہے اس کو سامنے رکھ کام کرنا چاہیے۔
وسائل دعوت میں سب سے زیادہ موثر پرسنل اپروچ ہے پرسنل اپروچ میں داعی اور
مدعو دونوں آمنے سامنے ہوتے ہیں۔ داعی کی شخصیت اس کا پختہ ایمان اس کی مدلل باتیں
اس کا خلوص آن واحد میں انسان کے دل کی دنیا کو بدل سکتا ہے۔ دعوت دین صرف
پھیپھڑوں کے زور سے فضا میں الفاظ کو اچھالنے کا نام نہیں ہے الفاظ کے ساتھ داعی کے
خلوص اور اخلاق کی طاقت ہوتی ہے تب ہر چہ از دل ریزد بر دل خیزد دل سے جو بات نکلتی
ہے اثر رکھتی ہے پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے کا منظر سامنے آتا ہے اگر دعوت کا مطلب
یہی ہوتا کہ مختلف ذرائع سے فضا میں الفاظ اچھال دیئے جائیں تو پھر اللہ تعالی کے لئے یہ
بس تھا کہ جبرئیل امین قرآن کو پڑھ کر سنا دیتے اور ساری دنیا سن لیتی اس کے برعکس رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری کائنات بشری میں امام کائنات ہونے کے باوجود دعوت دین کی
خاطر سب سے زیادہ اذیت اٹھانی پڑی۔ ہر ہر قدم پر قتل کا خطرہ اور بارہا آپ پر قاتلانہ
حملے ہوئے۔ ہجرت کرنی پڑی۔ قتال کرنا پڑا۔ گھر اور وطن چھوڑنا پڑا اپنے اور پرائے دشمن
بنے۔ طائف کی گلیوں میں آپ کو گھسیٹا گیا مکہ میں ستائے گئے مخالفین کا وار ہوا اسے پھیرا
اور اسے پھیرنے میں متنوع قسم کے جتن کرنے پڑے تعلیم وتربیت کرنی پڑی اجتماعی نظم قائم

کرنا پڑا اور دعوت دین کی راہ سے ہوتے ہوئے قیام حکومت تک پہنچے دعوت کی آخری منزل
یہی ہے کہ وسائل دعوت کو استعمال کرتے ہوئے قیام حکومت تک بات پہنچے۔

۱۲۔تعمیم دعوت

دعوت دین کی حد نہیں ہے۔ دعوت دین صرف گھر محلّہ اور علاقہ تک محدود نہیں رہتی۔
یہ فرد سے شروع ہوتی ہے اور پوری کائنات بشری تک پھیل جاتی ہے اس کا موضوع
ومخاطب کل انسان ہیں اور مقصود ہدایت انسانی ہے اسلام دین رحمت ہے اور کل کائنات
انسانی کے لئے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوشش کی کہ حتی الامکان زیادہ زیادہ لوگوں
تک پیغام الہی پہنچے آپ کے چال دعوت کے متعلق ہے۔

وکان یقول یاایھا الناس قولوا لااله الا الله تفلحوا (احمد)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ملتے، ان کے ساتھ ان کے گھروں میں جاتے،
انھیں اللہ کی طرف بلاتے اور قبائل پر خود کو پیش کرتے اور کہتے اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہو
کامیاب ہو جاؤ گے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد
بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اس کی تفصیل ہے۔

حتی مر بمجلس فيه اخلاط من المسلمين والمشركين عبدة
الأوثان واليهود فسلم عليهم النبى صلى الله عليه وسلم ثم وقف فنزل
فدعاهم الى الله وقرأعليهم القرآن (مسلم: ١٧٩٨)

آپ کا گذر ایسی مجلس سے ہوا جس میں مسلمان اور بتوں کے پجاری مشرک
اور یہودی ملے جلے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سلام کیا پھر رکے سواری سے اترے
اور ان کو اللہ کی طرف دعوت دی اور انھیں قرآن پڑھ کر سنایا۔

رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد عورت امیر غریب آزاد بادشاہ گورنر عرب وعجم
سب کو دعوت دی آپ نے کسری وقیصر کو خط بھیجا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

ان النبی صلی الله علیه وسلم کتب الی کسری وقیصر والی

النجاشی والی کل جبار یدعوهم الی الله تعالی (مسلم ۱۷۷٤)

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسری وقیصر اور نجاشی کو خط لکھا اور ہر حکمراں کو انھیں اللہ تعالی کی طرف بلایا۔

رب کریم نے آپ کا منصب ہی یہی متعین کیا ہے کہ آپ کا پیغام سارے جہان کے لئے ہے ارشاد ہے۔

وما ارسلناك إلا كافة للناس بشيرا ونذيرا (سبا: ۲۸)

اور ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے:

یا ایها النبی انا ارسلنك شاهدا ومبشرا ونذیرا وداعیا إلی الله باذنه وسراجا منیرا وبشر المؤمنین بأن لهم من الله فضلا کبیرا (الأحزاب:٤٧)

اے نبی ہم نے آپ کو اس شان کا رسول بنایا ہے کہ آپ گواہ ہیں بشارت دینے والے ہیں ڈرانے والے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی طرف اس کے اذن سے بلانے والے ہیں اور روشن چراغ ہیں اور مومنوں کو بشارت دیدیجئے اللہ کی طرف سے ان کے لئے بہت بڑا فضل ہے۔

اس طرح آپ نے اپنی دعوت کی عالمیت کی بنیاد رکھی اور اپنے حین حیات پورے جزیرۃ العرب کو اسلام کے آگے سرنگوں کردیا اور پھر کاروان دعوت بڑھتا گیا اور دنیا کے ہر مذہب کے ماننے والے اس کے دامن میں پناہ لینے لگے اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا تاآں کہ دنیا کا ہرفرد مسلمان ہوجائے ۔ اصلا اسلام ہی ایک آفاقی دین ہے یہودیت ، بنی اسرائیل کا خودساختہ دین مسیحیت ،عیسائیوں کا خودساختہ اور بنی اسرائیل کے لئے خاص لیکن اسلام کے ساتھ مقابلہ آرائی کے لئے اسے آفاقی بنادیا گیا اور ساری دنیا میں باطل کی اشاعت کے لئے سب سے زیادہ محنت ہوتی ہے اور خرچ اٹھتا ہے۔

یہ مسلمانوں کے اوپر واجب ہے کہ رسول گرامی کے طریقہ دعوت کے مطابق دین کی اشاعت تمام دنیا میں ہر مذہب کے ماننے والوں میں کریں۔اس کی آفاقیت ختم ہوجاتی ہے اگر اس کی اس طرح کی تبلیغ نہ ہو۔ یہ ایک عظیم جرم ہے کہ غیر مسلموں میں دعوت وتبلیغ نہ ہو۔ اور اس دور میں جبکہ ساری دنیا میں انسان کو تحریر وتقریر کی قانونا آزادی ہے ۔ پہلے دعوت وتبلیغ پر قدغن لگا رہتا تھا اور اس کا راستہ کھولنے کے لئے جنگ لڑنی پڑتی تھی ۔

انتہائی مشکل حالات میں رسول گرامی نے دعوت وتبلیغ کی اور عمومیت دعوت کی بنیاد رکھی وانذر عشیرتك الأقربین کے بعد فاصدع بما تؤمر وأعرض عن المشرکین کا حکم آپ کو ملا۔اور خوف ودہشت اور سریت کے دور میں بھی عمومی دعوت جاری تھی اور اسی دور میں ملت کو عظیم سرمایہ حاصل ہوا۔گیارہ مشہور قبائل کے چنیدہ اور منتخب لوگ آپ کے ساتھ ہوگئے۔ بنوہاشم سے علی بن ابی طالب ،جعفر، ام الفضل، عبیدہ اسماء خدیجہ غلام زید رضوان اللہ علیہم اجمعین ۔ بنی امیہ سے عثمان ، خالد بن سعید، امیہ، حاطب، عبداللہ بن جحش ابواحمد بن جحش فاطمہ رضی اللہ عنہم ۔ بنی مخزوم سے ابوسلمہ، عیاش، عمار، اسماء، یاسر، سمیہ، ارقم، رضی اللہ عنہم ۔ بنی تمیم سے ابوبکر الصدیق ،طلحہ، عامر، بلال، صہیب ، رضی اللہ عنہم ۔ بنی عدی سے سعید، فاطمہ، عامر، نعیم ، واقد ، خالد، عامر، ایاس، بنوزہرہ سے سعد بن ابی وقاص عبدالرحمٰن بن عوف، عمیر بن ابی وقاص، المطلب بن ازہر عبداللہ بن مسعود، خباب بن ارت ، مسعود بن ربیعہ بنوسہم سے خنیس بن حذافہ حفصہ بنت عمر بنوجمح سے حاطب بن حارث ، فاطمہ ، خطاب بن حارث فکیہہ ، السائب بن عثمان، معمر بن حارث، عثمان بن مظعون، عبداللہ بن مظعون حاطب بن عمر اور دوسرے قبائل سے عمرو بن عبسہ السلمی اور ابوذر غفاری رضوان اللہ علیہم اجمعین ۔

اس فہرست سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بالکل ابتدائی دور میں جب سریت تھی کس طرح قبول اسلام میں مکہ کے قبائل کی نمائندگی موجود تھی اور ابتداء ہی سے تعمیم رسالت کا عمل موجود تھا۔اور یہ بھی قابل غور ہے کہ یہی آفتاب وماہتاب تھے جن سے جگ میں اجالا پھیلا اور آج بھی ان کے روشن کارناموں سے ہر طرف اجالا پھیل رہا ہے۔

اگر دعوت اپنے کمال عموم اور وسعت کو برقرار رکھے اور شروع ہی سے محدودیت کا شکار نہ ہو تو باکمال لوگ مل جاتے ہیں اور ان کے کمال میں اضافہ ہوتا رہتا ہے لیکن عصبیت علاقائیت اور شخصیت کی اس پراگر چھاپ ہو تعقل پرستی اس پر غالب آجائے تو اس کی فطری خوبی اور حسن پامال ہو جاتا ہے اور اس کے اندر تنگی آجاتی ہے پھر باکمال لوگوں کے لئے وہ باعث کشش نہیں رہ جاتی۔ اس کے اندر ایسی تنگی آجاتی ہے کہ وسعت فکر ونظر کے حامل انسان اس کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ اگر اس کے حلقے میں داخل بھی ہو جائیں تو ان کا دم گھٹ جاتا ہے۔ اور ان کی وسعت فکر، بلند کردار اور حسن نظر کو موت آجاتی ہے۔ عصبیت کا شکار ہونے کے بعد دعوت اپنی توانائی کھو دیتی ہے اور اس سے انسان کی تعمیر اور سیرت سازی نہیں ہو پاتی بلکہ دعوت اپنے محور کو کھو کر عصبیت کے زرد رنگ میں ڈوب کر انسانی فکر کا ہیولی ہی بگاڑ دیتی ہے۔

تجزیہ کے طور پر اگر دیکھیں تو یہ بات واضح ہوگی کہ اگر دعوت کا اسلوب مناظراتی ہو جائے تو اس کی طرف صرف سطحی کم فہم اور ہڑبونگ پسند لوگ بھاگیں گے اور دین کو لڑنے اور فساد پھیلانے کا ذریعہ بنالیں گے اور دین کی پسند کو اپنی پسند کی چیز بنا بیٹھیں گے اور بس اور اسلامی اخلاق کردار سمجھداری مروت شرافت اور بڑکپن ان سے روٹھ جائے گا سطحیت شور شرابہ ان کا وطیرہ بن جائے گا پہلے بھی ایسا ہوا اور اب ایسا زیادہ ہو رہا ہے جن کی باتوں یا تحریروں میں مناظراتی رنگ وروغن ہوتا ہے شور وشر دشنام بازی اور طنز وتعریض گھن گرج آہنگ وآواز کا جادو جگاتے ہیں وہ سامعین کے ذہنوں میں تعصب بھرتے ہیں اور ان کی اسلامی شخصیات کو تاراج کر ڈالتے ہیں مناظراتی اسلوب فکر وخیال میں تنگنائی پیدا کرتا ہے اور اسلامی تعلیمات کو ایک محدود دائرے ایک خاص حلقہ کی چیز بنا دیتا ہے اور ایک خاص ذہن کے لئے قابل قبول ہوتا ہے اور دین جیت ہار کا مسئلہ بن جاتا ہے ہدایت اور صالحیت کا مسئلہ نہیں رہ جاتا ہے۔ دعوت وتبلیغ کے لئے مناظراتی اسلوب زہر ہے اور اسلام کی روشن تعلیمات کے لئے ایک قبائے تنگ ہے۔

کار دعوت مناظرانہ رنگ میں کرنے سے اسلام کی شادابی اور بانکپن ختم ہو جاتا ہے اور

اس کے عادی سامعین سر پھرے بن جاتے ہیں جو محدودیت کا شکار ہوتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ضدی ہٹ دھرم اور اکہری سوچ کے ماہر ہوتے ہیں جو سراسر اسلامی دعوت کی عمومیت کے خلاف ہے۔

۱۳۔ارکان دعوت

دعوت وتبلیغ کے جو اصول وضوابط ہیں ان کے مطابق ہی دعوت وتبلیغ ہونی چاہیے۔ اصولی ومنہجی تبلیغ ہی کا بہترین نتیجہ سامنے آسکتا ہے اصولی ومنہجی تبلیغ کے لئے بنیادی طور پر دو چیزوں کو دیکھنا پڑتا ہے۔ ا۔داعی ۲۔دعوت۔ مدعو کا لحاظ ہونا چاہیے حالات وظروف بھی نگاہوں میں رہیں۔ نتائج وثمرات کے متعلق بھی فکر رہے۔ یہ ثانوی امور ہیں اصلا داعی ودعوت ہے۔ دعوت اگر منہجی ہو تو تلقائی طور پر ثانوی چیزیں بھی درست ہو سکتی ہیں۔

داعی:

دعوت کا کام ہر مسلمان کر سکتا ہے۔ ہر مسلمان کو اپنی علم وصلاحیت کے مطابق دعوت کا کام کرنا چاہیے۔ تمام مسلمان اس دنیا میں انسانوں کی ہدایت کے ذمہ دار ہیں۔ عالم اپنے علم کے مطابق شرعا وتفصیلا دعوت کا کام کرے گا۔ دینی بصیرت اور حکمت کے ساتھ دعوت کا کام کرے گا۔ اور دوسرے لوگ حاجتا وضرورتا خدمت دین میں لگیں گے۔ دعوت کے کام میں مالدار اپنا مال لگائے گا صاحب اثر ورسوخ دعوت کے لئے اپنا اثر ورسوخ استعمال کرے گا ایک عام آدمی دعوت کے لئے لوگوں کے اندر عام آمادگی پیدا کرے گا۔ دین کی اصولی اور موٹی باتیں ہر ایک دوسرے سے سادہ الفاظ میں کہہ سکتا ہے۔ عقیدہ درست رکھئے۔ عبادت فرض ہے۔ اللہ کے لئے عبادت کی بجا آوری ضروری ہے۔ حلال کمانا اور کھانا چاہیے۔ برائی سے بچنا چاہیے اچھے کام کرنا چاہیے دوسروں کے حقوق ادا کرنا چاہیے۔ جھوٹ فریب سے بچنا چاہیے۔ ایمانداری کی زندگی ضروری ہے۔ اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ جنت پانے کے لئے شوق ہونا چاہیے۔ جہنم کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔ قبر میں سوال ہوگا اس کے لئے تیاری ضروری ہے اور اس طرح کی بے شمار اصول اور اساسی تعلیمات ہیں اسے کون نہیں جانتا اور کون نہیں کہہ سکتا۔

ہر مسلمان اپنی صلاحیت اور طاقت کے مطابق داعی الی اللہ اور ہر ایک کو اپنے دائرہ کار کا اندازہ ہوتا ہے۔لیکن اللہ کا خوف اور حقیقت پسندی ضروری ہے اللہ کا خوف اور حقیقت پسندی اگر موجود ہے تو ہر کام آسان ہوگا اللہ کا خوف اور حقیقت پسندی اگر نہیں ہے تو پھر انتشار ہی انتشار ہے۔

ایک داعی کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پاس صحیح علم ہو صحیح علم سے مراد ہے کتاب وسنت کا علم۔علم تفصیلی ہو علماء کے یا علم مجمل عوام کے لئے اور کتاب وسنت کا علم سلف صالحین صحابہ اور ان کی راہ پر چلنے والوں کے فہم وطریقے کے مطابق۔

دعوت دین کا یہ علم ضروری ہے اللہ تعالی نے فرمایا:

ادع الی سبیل ربك بالحكمة (النحل:۱۳۵)

اپنے رب کی طرف حکمت سے بلاؤ۔

قل هذه سبيلي ادعو الى الله على بصيرة (سوره يوسف:۱۱۸)

کہیے یہی میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ بلاتا ہوں۔

علم دین ایک فریضہ ہے مجملا اور مفصلا جس سے جتنا بن پائے سیکھنا ضروری ہے بلا علم صحیح دعوت وتبلیغ کرنا لوگوں کو تباہ کرنا ہے، اصلاح کے بجائے فساد پھیلانا ہے۔صحیح علم کے بغیر جو بھی دعوت وتبلیغ ہوتی ہے اس کا نتیجہ فساد ہوتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ صحیح علم کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح وہ علم ہے جس میں ضعاف اور موضوعات نہ ہوں قصے اور کہانیاں نہ ہوں فضول قسم کے فضائل نہ ہوں۔بے دلیل رائے اور قیاس نہ ہو، عقل پرستی اور شخصیت پرستی نہ ہو۔غلو اور تشدد نہ ہو جزء پرستی نہ ہو خروج وبغاوت اور شذوذ پسندی کو جس سے بڑھاوا نہ ملے۔زمانہ سازی اور تحریکیت کی تلقین نہ ہو، جس سے مادہ پرستی کو بڑھاوا نہ ملتا ہو الوہیت کے بجائے ربوبیت کو اساس دین نہ بنایا گیا ہو فرقہ پرستی نفاق نہ ہو اور سیرت کو طریقہ عمل بنایا گیا ہو۔

کتاب وسنت کے فہم کے بہت سے طریقے ہیں اور ان سے بہت سے مسلک بنتے

ہیں اور ان کے نتیجے میں انواع واقسام کی دعوت وتبلیغ بھی ہوتی ہے لیکن اللہ کو منظور ہے کہ دین کا ایک فہم ہو ایک منہج ہو اس لئے اسی نے حکم دیا کہ کتاب وسنت کے صحیح فہم کے حصول کے لئے سلف صالحین کے طریقے کا التزام ضروری ہے تاکہ گمراہ فرقے نہ پیدا ہوں اور ہوا پرست جماعتیں وجود میں نہ آئیں سلف صالحین کے فہم اور طریقہ عمل کو ضابطہ اور منہج بنادیا گیا اور اس کو طریقہ دعوت واصلاح اور اللہ کی شریعت کی تنفیذ کا طریقہ بتایا گیا۔ارشاد ربانی ہے۔

فان آمنوا بمثل ما أمنتم به فقدا اهتدوا وان تولوا فانما هم شقاق فسيكفيكهم الله وهو السميع العليم صبغة الله ومن احسن من الله صبغة ونحن له عابدون (البقرة۱۳۷—۱۳۸)

پس اگر وہ اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو وہ ہدایت پالیں اور اگر باز رہیں تو یقیناً وہ مخالفت میں بڑھے ہوئے ہیں پھر وہ تمہاری طرف سے جلد ہی ان سے نمٹ لے گا اور اللہ سب کچھ سنتا سب کچھ جانتا ہے ہم نے اللہ کا رنگ پکڑ لیا ہے اور کون ہے جس کا رنگ اللہ سے بہتر ہو اور ہم اس کے عبادت گذار ہیں۔

صحابہ کرام کا ایمان ہمارے لئے اسوہ ہے اس طرح کا ایمان کسی بھی فرد جماعت اور زمانے کے لئے باعث ہدایت اور کامیابی ہے ان کی راہ دین سے ہٹنا الگ راہ پر چلنا ہے اختلاف ہے ایسی راہ اختیار کرنے والے دین کے باغی ہیں اور اللہ کی پکڑ کے مستحق ہیں صحابہ کا طرز فہم وعمل رنگ الہی میں ڈوبا ہوا تھا اور وہی بہترین دینی پہچان ہے اسی کو اپنا نا چاہے اور اعلان کردینا چاہیے کہ ہم اللہ کے بندے ہیں۔

سورہ نساء میں ارشاد ہے:

ومن يشاقق الرسول من بعد ماتبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ماتولى ونصله جهنم، وساء ت مصيرا (النساء: ۱۱۵)

اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا اس کے بعد کہ اس کے لئے حق واضح ہو چکا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ پر چل دیا جو کچھ وہ کرتا ہے ہم اسے کرنے دیں

گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔

آیت سے واضح ہے راہ عمل رسول کی اطاعت ہے اور اطاعت کے ذریعہ تجربے سے ثابت صحابہ کرام اسلاف عظام کا طریقہ ہے مسلمانوں کی راہ عمل کسی امام کسی فقیہ کا مذہب نہیں ہے اللہ ورسول کی اطاعت ہے اور صحابہ کا متفق علیہ عقیدہ وعمل فکر وفہم ہے یعنی ان کا طے شدہ متفق علیہ راہ عمل۔

لاتعداد راہ عمل مسالک مذاہب فرقے پیدا ہوئے اور ہوں گے مگر درجہ استناد صحابہ کی راہ عمل اور راہ دین کو ملا کسی دوسرے کو نہیں۔ ارشاد نبوی ہے۔

افترق اليهود على احدى او اثنين وسبعين فرقة وتفرقت النصارى على احدى أو اثنين وسبعين فرقة وتفترق أمتى على ثلاث وسبعين فرقة كلها فى النار الا واحدة (ابوداؤد ٤٥٦٦)

یہود اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئے نصاری اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئے۔ اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ایک کے سواسب جہنمی ہوں گے۔

یہ ناجی فرقہ کون سا ہوگا اس کی تعیین خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دی ہے ھی ما انا علیه واصحابی (صحیح ۲۰۴) ناجی فرقہ وہ ہے جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔

ان تفصیلات سے اندازہ ہوا کہ راہ نجات وہدایت راہ صحابہ ہے ان کا ایمان معتبر، ان کا عمل معتبر، ان کا فہم معتبر صحابہ کرام کے منہج فکر وعمل میں وہ تمام علمی خوبیاں اور تمام حقیقتیں آجاتی ہیں جن سے ایک مسلمان دنیا وآخرت میں سرخروئی حاصل کر سکتا ہے۔

ما انا علیه واصحابی کا جو منہج طے ہوتا ہے اس میں رہبانیت علماء کو رب ماننے کی گنجائش نہیں ہوتی ہے نہ دین میں طبقاتی نظام قائم ہوتا ہے۔ طبقہ علماء ضرور ہوتا ہے لیکن اس کا ایسا نظم نہیں قائم ہوتا ہے کہ وہ دین کا مالک اور آقا بن بیٹھے اور دین کی تجارت کرے اور دوسروں پر رعب جمائے۔

عوام وعلماء جس قدر اس منہج سے مستفید ہوں اسی کے بقدر ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور فطری طور پر ہر ایک کی پہچان بنتی ہے اور علماء عزت واحترام کے مستحق بنتے ہیں اور عوام کو

ان سے دینی شفقت اور دینی ہمدردی ملتی ہے۔ اور ہر ایک حسب وسعت دین کا خادم ہوتا ہے۔

علم ایک سمندر ہے اور ہر علم کے الگ الگ اصول وضابطے ہوتے ہیں اور دعوت وتبلیغ میں تمام علمی گہرائیوں اور گیرائیوں کی بھی ضرورت پڑتی ہے معاون علوم کی ضرورت پڑتی ہے لیکن اس کے مراحل ہوتے ہیں۔ اور الگ الگ میدان کار ہوتے ہیں۔ یہاں عمومی دعوت کی بات کی جارہی ہے۔ عمومی دعوت میں عام رابطے کی ضرورت ہے اور عام رابطے میں جب تک کم از کم مطلوب علمی دعوتی تقاضوں کے مطابق اجتماعی اور عمومی دعوتی جدوجہد نہ ہوگی، دعوت کے اندر پھیلاؤ نہیں آسکتا ہے منہج صحابہ کے مطابق کم از کم معیار مطلوب علم کی تفصیل آئے گی۔

منہج سلف اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کی متابعت کرنے والوں کا منہج ہے یہ منہج دین کے صحیح فہم اور کامل عمل پیرائی کے نتیجے میں بنا اور اسے اللہ تعالی نے سبیل المؤمنین قرار دیا دین کے صحیح فہم اور مکمل عملی تطبیق کا نام ہے منہج سلف اور اسے اللہ کی طرف سے سند ملی ہے اور اسکے متعلق اس کی رضا بھی حاصل ہے۔

منہج سلف کے مطابق یہ طے ہوتا ہے کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول کے فرمان پر مکمل شرح صدر اور دل کی چاہت کے ساتھ سر تسلیم خم کر دینا پھر کسی امام فقیہہ پر، صوفی تنظیم، تنظیم کے سربراہ سماج خاندان، انسان کے خود ساختہ اصولوں اور ضابطوں کو نہ دیکھنا اور ہر چھوٹے بڑے امور میں دین کو ہمیشہ کے لئے دین ودنیا کی کامرانی کا سبب جاننا۔

☆ قرآن کریم اور سنت صحیحہ کو اس طرح سمجھنا اور ان پر عمل کرنا جس طرح رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت صحابہ نے رسول گرامی کو دیکھ اور سن کر انھیں سمجھا اور ان پر عمل کیا ہے۔

☆ دین کو سمجھنے کے لئے جذبہ صادق رکھنا اور لسانی تقاضوں کو ملحوظ رکھنا اپنی ذاتی حیثیت منوانے کے لئے راہ شذوذ اختیار کرنے سے گریز کرنا۔

☆ دین کے کلی تقاضوں کو ملحوظ رکھنا اور اس کے مقاصد دینیہ کو سامنے رکھنا اور مستند

اور تلقی بالقبول سے سرفراز علمائے، مبصرین اور مدلل مفاہیم دینیہ سے استکبار نہ کرنا۔

☆ دین کے اجتماعی تقاضوں کو ملحوظ رکھنا اور تفرق کی راہ اختیار کرنے سے گریز کرنا۔

☆ دین کے لئے جس جانفشانی اور قربانی کی ضرورت ہے اسے پورا کرنا۔

☆ ایمان وعمل کے وہ حقائق جو نصوص دینیہ سے ثابت ہوں ان پر جمے رہنا تصوف تقلید، اعتزال وتشیع کی لائی ہوئی تمام غیر دینی غیر اصولی باتوں سے قطعاً گریز کرنا۔

☆ اصلاح فرد اور اصلاح سماج کی ترتیب کو ملحوظ رکھنا اور دین کو سیاسی کھیل بنانے سے گریز کرنا اور ایسی تمام سرگرمیوں اور تربیتوں سے گریز کرنا، جن کے پیچھے کتاب وسنت کی دلیل اور ترتیب نہ ہو۔

☆ دینی دلیل کے بغیر کسی کی جذباتی تقریر یا جذباتی پروگرام کے پیچھے بھاگنے کے بجائے پہلے ہر ایک کو کتاب وسنت کے معیار پر پرکھنا۔

دین کو جو کمائی کا ذریعہ بنائے اور ذاتی شہرت وملکیت کا سبب بنائے اور فرد واحد کی حیثیت سے سارا کام کر رہے اور اسلام کی اجتماعیت کا اس کے پیچھے شعور نہ ہو اس سے اعراض کرنا۔

اخلاص:

داعی کے اوپر لازم ہے کہ اس کے اندر اخلاص موجود ہو۔ اخلاص دراصل سچائی اور مقصدیت کی علامت ہے۔ اگر کسی بھی فکر وعمل کے پیچھے اخلاص موجود نہیں ہے۔ تو پورا نہ ہوگا نہ بہتر ہوگا۔ بلکہ اپنے ساتھ فساد بھی لائے گا۔ اخلاص کے بغیر ہر طرف فساد ہی فساد پھیل سکتا ہے کسی بھی سرگرمی پروگرام اور عمل میں جب اخلاص کا فقدان ہوتا ہے تو وہ فساد کا سبب بن جاتے ہیں اور جتنا زیادہ کام پھیلتا ہے اتنا ہی زیادہ فساد پھیلتا جاتا ہے۔

اخلاص سے انسان کا مقصد اور منزل متعین ہوتی ہے انتشار سے اسے تحفظ ملتا ہے اسے یکسوئی حاصل ہوتی ہے انسان کے اندر بے غرضی اور بے لوثی پیدا ہوتی ہے۔ اخلاص کے سبب انسان کے اندر پاکیزہ جذبات پیدا ہوتے ہیں اور اس کا تعلق اللہ سے مضبوط ہوتا ہے۔ اخلاص کے سبب انسان مایوسی کا شکار نہیں ہوتا نہ کام سے تھکتا ہے نیز اس کے کام میں

برکت ہوتی ہے۔ غیر مخلص انسان مفاد کا بندہ ہوتا ہے۔ اس کے اندر سچائی نہیں ہوتی ہے۔

سچائی اور اخلاص کا نتیجہ ہوتا ہے کہ انسان باعمل ہوتا ہے۔ جو کہتا ہے اس کے مطابق اس کا عمل ہوتا ہے۔ غیر مخلص انسان بدعمل یا بے عمل بھی ہوا کرتا ہے۔ ہر کام میں اخلاص ضروری ہے لیکن خصوصی طور پر دعوت وتبلیغ کے کام میں داعی کے اندر اخلاص پایا جانا بہت ضروری ہے ساتھ ہی قول اور عمل کے درمیان یکسانیت بھی لازم ہے۔ حکم الٰہی ہے۔

وما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين حنفاء (البينة: ٥)

اخلاص جب ہوتا ہے تو انسان کمیت سے پہلے کیفیت دیکھتا ہے ارشاد باری ہے۔

لن ينال الله لحومها، ولا دماءها ولكن يناله التقوى منكم (الحج:٣٧)

اخلاص دراصل انسان کا تعلق اللہ سے جوڑ دیتا ہے۔ اور جن اصول وضوابط کو انسان مانتا ہے انھیں دل سے تسلیم کرتا ہے اور ان کی خاطر ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے آمادہ ہوتا ہے اور ان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ہر وقت پوری طرح آمادہ رہتا ہے۔

دعوت دین میں اخلاص کا مطلب ہے کہ اسلام کے سوا دیگر ادیان مذاہب اور افکار کو باطل اور گمراہی تسلیم کیا جائے اور اسلامی تعلیمات کو مان کر مکمل شرح صدر کے ساتھ ان پر عمل کیا جائے۔ اور دین کی بجا آوری میں جذبہ فدائیت شوق فراواں موجود ہو اس کے اوپر کسی طرح کا اثر نہ آنے پائے۔ اس کے پائے استقامت میں کسی طرح کا تزلزل نہ پیدا ہو۔ دشمنان اسلام کی دشمنی، منافقوں اور علماء سوء کا تخاذل پروپیگنڈے اور جھوٹ، باطل کی مادی طاقت خود آرائی شور شر اور دولت کی ریل پیل سے اس کے دل میں ہول نہ اٹھے۔ حیرت ودہشت سے باطل اور کذب کی تکریم وتعظیم کا اس کے اندر جذبہ نہ اٹھنے لگے۔

اس طرح کا اخلاص کہ اس کے پیچھے مادیت، طمع زر، نام ونمود شہرت اور منصب کے جھمیلے اور فتنے نہ ہوں اور مخلص داعی ان سے پاک ہو تو لازمی بات ہے کہ ایسے داعی کے اندر اصول دین جڑ پکڑیں گے ایمان کی کونپلیں پھوٹیں گی۔ اللہ اور اس کے رسول سے محبت اور اطاعت کا جذبہ سرشاری کی حد تک پیدا ہوگا۔

مخلص داعی دین کے تقاضوں کو پورا کریں گے۔ایمان،اطاعت،محبت،رجا،خوف اورتوکل کے معانی ان کی فکر واحساسات، خیالات ،نشاطات اورتصرفات میں نمایاں ہوں گے۔فکرآخرت ان کے اندر رچی بسی ہوگی۔اس کی عملی زندگی بہتر ہوگی قول عمل میں تضاد نہ ہوگا۔جودعوی ہوگااس کے مطابق عمل ہوگا۔

اخلاص کوئی لفظی اورظاہری دعوی داری نہیں ہے اخلاص کے عظیم معانی ہیں جو پوری زندگی پرسایہ فگن ہوتے ہیں۔اخلاص ایک مسلمان کی پوری عملی اورعقائدی زندگی کو اپنے احاطے میں لئے ہوئے ہے۔ایک سچے مومن کی زندگی کا کوئی حصہ اخلاص کے دائرے سے باہرنہیں ہوتا ہے اخلاص کے دائرے سے اس کا جوبھی حصہ باہر ہوگا وہ یا تو ریا کے دائرے میں ہوگا یا نفاق کے دائرے میں یا فسق وفجوراورعصیان وطغیان کے دائرے میں آئے گا۔

دعوت دین کا تعلق اخلاص کے ساتھ بہت گہرا ہے۔اگر دعوت اخلاص کے دائرے کے اندر ہے تو پھراس کے ثمرات برکات اورنتائج سامنے آئیں گے ورنہ دعوت ایک دعوی، فیشن،سرپھراپن،ریاکاری،عیاری اور زرپرستی بن کر رہ جائے گی۔دعوت زبانی دعووں کا نام نہیں ہے۔نہ اثر سے خالی بے روح مناظراتی افتائی اوراعلامی وقصصی تقریروں کا نام ہے۔نہ دعوت موازناتی اورمیڈیائی بیانات اورلیکچرس کا نام ہے۔دعوت ایک سچائی کا نام ہے اوراس کے لئے فداکاری اور یقین واذعان کا نام ہے اورعملا اس کو پوری زندگی میں اتارلینے کا نام ہے۔سچائی جاننے بیان کرنے اوراسے اپنی زندگی میں اتارلینے اورسچوں کا ساتھ دینے کا نام ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اتقوا الله وکونوا مع الصادقین (التوبة: ۱۱۹)

اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے ہو اللہ سے ڈرو اور سچوں کا ساتھ دو۔

چند جملوں میں اگراخلاص کی حقیقت بیان کی جائے تو اس طرح ہے اخلاص سچائی کو تسلیم کرنے اوراس کے لئے فدا ہونے اورقربانی دینے کا نام ہے اخلاص ریاکاری نفاق فسادفسق سے دور رہنے اوررضائے الہی تلاش کرنے کا نام ہے۔اخلاص اصولوں کی پابندی کرنے اوران پر جمے رہنے کا نام ہے۔اخلاص انسان کو عامل اور باکردار بنادیتا ہے اوراس

سے انسان کے فکر وخیال کی تطہیر ہوتی ہے۔اس کے اخلاق وکردار کی تطہیر ہوتی ہے اوررضائے الہی کے حصول کے لئے مخلص انسان تسلیم ورضا کا پیکر بن جاتا ہے اوراللہ کی رضا کے حصول کے لئے سارے وسائل رضا کو تلاش کرتا ہے اورانھیں حصول رضا کے لئے استعمال کرتے ہیں اخلاص انسان کے عقیدہ وعمل سب کو اپنے گھیرے میں لئے ہوتا ہے۔

دعوت میں اخلاص داعی کوسچا کھرا عامل باکرداراوردل وجان سے سچائی کو ہرطرح عام کرنے کی کوشش میں لگادیتا ہے راہ توکل اورصبرورضا کا اسے خوگر بنادیتا ہے۔اسے دعوت کے نام پرسوداگری کرنے اوردولت کمانے سے روکتا ہے۔

اخلاق:

ایک داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسلامی اخلاق سے متصف ہو۔اس کے لئے جائزہ لینا ضروری ہے کہ وہ کس درجہ اعلی اخلاق پر فائز ہے اوراس کے اندر کتنی اخلاق کی کمی ہے۔انسان جب کسی انسان سے دعوتی ودینی تعامل کرتا ہے تو اس تعامل کو بارآور ہونے کا موقع اس وقت ملتا ہے جب انسان اخلاق کا حسن اوراس کی توانائی رکھتا ہو۔اخلاق پرکشش بھی ہوتا ہے اوراثر گیر بھی ہوتا ہے جب فرد کی زندگی اخلاق سے مزین ہوتی ہے تو اس کی دعوت کو اس کے اخلاق کی کشش،حسن اور طاقت مدعو کو باندھ لیتی ہے۔دعوت کو پرکشش طاقت وراوراثر پذیر بننے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اندر کچھ بنیادی اخلاقی خوبیاں پائی جائیں۔ان میں سب سے ہم صبر توکل تواضع حلم اوراطاعت شعاری اورخیرخواہی ہے۔ اگر یہ چیزیں داعی کے اندر پائی جاتی ہیں تو اسے کامیابی ضرور ملے گی۔

دعوت کا ایک عملی خاکہ:

اسلام میں دعوت دین کی مکمل تعلیم دی گئی ہے۔دعوت دین محض زبانی جمع خرچ نہیں ہے۔دعوت کا کام ہرحال میں ہوتا ہے۔قلت میں کثرت میں۔حکومت ہو تب بھی نہ ہو تب بھی۔کمزور ہوں تب بھی،طاقتور ہوں تب بھی،ارشادربانی ہے۔

ولینصرن الله من ینصره ان الله لقوی عزیز الذین ان مکناھم فی الارض أقاموا الصلوة، واتوا الزکوة، وأمرا بالمعروف ونھوا عن

المنکر ولله عاقبة الأمور (الحج:٤١)

جواللہ کی مدد کرتے ہیں یقیناً اللہ ان کی مدد کرے گا بے شک اللہ بہت توانا ہے ہر طرح غالب ہے جنہیں ہم اگر زمین پر غلبہ عطا کر دیں تو صلاۃ قائم کریں گے زکاۃ دیں گے اچھائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے اور امور کا انجام اللہ تعالی کے اختیار میں ہے۔

حکومت اور سلطنت ملنے پر بھی دعوت وتبلیغ حکومتی ترجیحات میں شامل ہے۔ عام حکم ہے۔

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینهون عن المنکر، واولئك هم المفحلون (آل عمران:١٠٤)

تمہارے اندر سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو خیر کی دعوت دے۔ اچھائی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور یہی کامیاب لوگ ہیں۔

دعوت وتبلیغ کا یہ عمومی حکم ہے۔ دعوت دین ہر حال میں ہونی چاہیے۔ اس کے بغیر کوئی زندہ ہی نہیں رہ سکتا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں دعوت دین کے لئے مکمل رہنمائی موجود ہے۔ اوران کے اندر دعوت دین کے لئے مکمل منصوبہ عمل ہے۔ دعوت دین صرف تقریر کرنے کا نام نہیں ہے نہ ابلاغ کا نام ہے۔ دعوت دراصل فروغ دین کی وہ عملی تعلیمی تربیتی واراجتماعی جدوجہد ہے جس سے دین کو فروغ حاصل ہوتا ہے اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے فرد وسماج کی تعمیر سازی کا کام ہوتا ہے۔ دعوت دین دراصل دین کو اپنے اوپر اورسماج کے اوپر امکانی حدتک رضا کارانہ طور پر عملا لاگو کرنے اور لاگو کرنے کی دعوت دینے کا نام ہے۔ دعوت کے پیچھے تعلیم تزکیہ امر بالمعروف نہی عن المنکر اصلاح ذات بین، اصلاح فساد، اجتماعی عملی جدوجہد ہوتی ہے۔ اوراجتماعی عمل میں عملی وفکری یکسانیت، باہمی خوشگوار تعلقات اور کاردعوت کرنے والوں کے درمیان برادرانہ رشتہ اور روز بروز خود ان کی درستگی وعملی ترقی شامل ہے۔ دعوت دین میں داخل ہے دین کا بہترین فہم اور اخلاص کے ساتھ کام کرنے کا جذبہ، ذوق عبادت کی نشونما اور خدمت خلق کی لگن۔ راہ عمل میں لگاتا رلگ کر محنت کرنا جذبات وقت اور مال کی قربانی کے دینے کے ساتھ اذیتوں پر صبر کرنا اور کسی طرح کا تخاذل نہ اختیار کرنا نہ اپنی الگ راہ بنانی۔

دعوت دین کے لئے خاص دینی علمی صلاحیت کی ضرورت ہے علماء کے لئے اعلی معیار کی اور دیگر لوگوں کے لئے عام معیار کی اور ساتھ ہی کارکنوں کے لئے علماء کی تربیت اور تزکیہ کی ضرورت ہے انفرادی تزکیہ کی بھی اور اجتماعی تزکیہ کی بھی اور مستند علماء کی نگرانی کی بھی ضرورت ہے۔ اسی طرح یہ کام رضا کارانہ طور پر کرنے کی ضرورت ہے اور عوام سے لے کر خواص کے حلقے تک یہ کام کرنے کی ضرورت ہے اصول دعوت اسلوب دعوت کے تمام تقاضوں کو سامنے رکھ کر۔ اس طرح دعوت کا کام مسلم غیر مسلم ہر حلقے میں کرنے کی ضرورت ہے۔ کاردعوت ایک مرکزی دینی قیادت کی رہنمائی میں سمع وطاعت کے ساتھ ہونا چاہیے۔

دعوت دین کا ایک مکمل خاکہ اور منصوبہ قرآن وسنت کی روشنی میں ہمارے سامنے ہونا چاہیے جس کی تعیین مصادر دین میں موجود ہے۔ امام کائنات رسول رحمت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دین کا جو طریقہ اپنایا تھا وہی طریقہ ہمیں بھی اپنانا چاہیے۔ اسی میں خیر اور کامیابی بھی اگر آپ کا طریقہ چھوڑ کر دوسرے طریقے اپنائے جائیں تو جلد یا بدر اس کا نتیجہ فتنہ ہے۔ فتنے سے انسان بچ نہیں سکتا ہے۔

دعوت دین کے اندر اتنا امکان ہے کہ اگر کاردعوت دعوت دین کے صحیح دینی مفہوم کے پس منظر میں کیا جائے تو انسانی فکر وخیال میں سب سے بڑی تبدیلی آسکتی ہے۔ دعوت فضا میں پھیپھڑے کے زور سے زخرے کی وساطت سے زبان کے ذریعہ الفاظ کو اچھالنے کا نام نہیں ہے اور جو لوگ دعوت کو بس یہی سمجھتے ہیں وہ نادان ہیں اور دین کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں اور دعوت دین سے دامن بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بڑا آسان کام ہے کہ آدمی تقریر کردے یا زیادہ سے زیادہ دور تک اپنی تقریر کی آواز پہنچادے مشکل یہ ہے کہ اس کے پیچھے علم ہو، معرفت الٰہی ہو، دین داری، سمجھداری اصلاح فرد وسماج کے سدھار کے لئے اجتماعی عمل ہو اور باہم تربیت وتزکیہ کا ایک سلسلہ ہو اور آدمی فروغ دین کے لئے رضا کارانہ وقت مال اور جذبات کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو اور منکرات کے ازالے کے لئے جدوجہد کرے اور اس راہ میں عائد ساری پریشانیوں کو جھیلنے کے لئے تیار رہے اور کسی بھی طرح راہ فرار اختیار نہ کرے۔

دعوت دین کا کام کرنے والوں کے لئے سب سے بڑا فتنہ یہ ہوتا ہے کہ دعوت دین کے نام پر ذاتی شہرت اور اکتساب زر کا دھندہ اختیار کریں اور عیش وعشرت کی زندگی اپنائیں اور ذاتی اسٹیٹ تیار کریں ۔ اور باس بن کر فیکٹری مالک ہی بن بیٹھیں اور تعنت کا مظاہرہ کریں ایسے دعاۃ یہودیت کی روش اپناتے ہیں ۔ اور کلام الٰہی کو بیچ کھانے کے مترادف ہیں ۔ اور اپنی دعوتی جدوجہد سے سر پھرا پن اور خارجیت کو فروغ دیتے ہیں ۔

دعوت وتبلیغ کے اثر انداز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ یہ سامنے رکھا جائے کہ کس طرح انبیاء کرام نے دعوت وتبلیغ کی ہے اور انہوں نے ہمارے لئے دعوت وتبلیغ کے لئے کیا نمونہ چھوڑا ہے ۔ اور خاص کر خاتم النبیین رسول عربی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو ہمیں سامنے رکھنا چاہیے ۔ اگر دعوت کے نبوی طریقے کو چھوڑ کر آپ کے امتی دوسرے طریقے اپنائیں تو ایسی دعوت کامیاب نہیں ہوسکتی نہ اس کے نتائج اچھے نکل سکتے ہیں ۔

مختلف رجحانات رکھنے والوں کی دعوت کے نتائج ہمارے سامنے ہیں تحریکی رجحان صوفی اور مسلکی رجحان کی دعوت کے ثمرات واثرات ہمارے سامنے ہیں وہ اچھے ہیں یا برے ہیں ان سے قطع نظر جب کتاب وسنت کی دعوت کے داعیوں کے نتائج دعوت پر نگاہ پڑتی ہے تو برجستہ یہی زبان پر آتا ہے سر پھرا پن غور طلب بات یہ ہے کہ آخر یہ سر پھرا پن کیوں ۔ اس کے سلبی اسباب پر تفصیل سے گفتگو ہو چکی کمیوں کی طرف توجہ دلائی جا چکی ۔ سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ اس وقت دعوت کی تنظیم کیسے ہو کہ دعوت کا دین سے سر پھرا پن ختم ہو اور دعوت سے شخصیت سازی اور سماج سازی ہو سکے تعمیر ذات اور تعمیر سماج کا کام بن سکے ۔ اس کے لئے دعوت وتبلیغ میں بنیادی تبدیلی لانے کی ضرورت ہے اور دعوت وتبلیغ کا ایک عام منصوبہ بنانے کی ۔

ایک طرف ماضی میں اللہ کے نیک بندوں نے کتاب وسنت کی تعلیمات وہدایات کو بلا کسی آمیزش پھیلایا اور جو جس علاقے میں گیا اس نے آخری حد تک کوشش کی بندگان الٰہی کو ’’صراط مستقیم‘‘ ’’ما انا علیہ واصحابی‘‘ کی راہ دکھلائی ۔ دعوت دین ان کا رات دن کا مشغلہ تھا اس میں انہوں نے کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی ۔ ایسی محنت کا نتیجہ کیا ہوسکتا تھا عیاں ہے

تاریخ دعوت کے سنہرے ابواب میں ان کا ذکر ہے ایسا بھی ہوا ہے فرد واحد کی محنت کے نتیجے میں درجنوں گاؤں راہ سنت پر لگ گئے اور اب تمام وسائل کی فراوانی کے باوجود ہم سے ان کا سرمایہ دعوت نہیں سنبھالا جاتا ۔ حتی کہ ہمیں ایسے بہت سے علاقوں کا آج تک پتہ نہیں جہاں خالص اہل حدیث بستیاں ہیں اور نہ بہت سی اہل حدیث بستیوں میں ان علاقوں کا پتہ ہے جہاں تصوف کی ساری شرکیہ خرافات راہ پا چکی ہیں ۔ قادیانی الگ زور لگاتے ہیں ، قبوریت چاہے دال کی ہو چاہے ب کی تعویذ گنڈہ کے نام پر بہت سے موحدوں کے گھروں میں راہ پا چکی ہے ۔ بدعملی ، حرام خوری ، ترک فرائض ، فیشن عام ہوتی جارہی ہے سوال یہ ہے ان زخموں کا علاج کیا ہے اس درد کا مداوا کہاں ہے ۔

ان تمام مسائل کا واحد حل دعوت الی اللہ میں مل سکتا ہے ۔ بروقت ہمارے یہاں دعوت کا نہ نٹ ورک ہے نہ تربیتی نظام ہے موسمی دعوت ہے گاؤں ، قصبے اور شہروں میں جہاں اہل حدیث ہیں کسی سر پھرے کے سر میں سودا سمایا کچھ سر پھرے مولوی مل گئے انہوں نے رٹی رٹائی تقریر کی فیس وصول کی اور چلتے بنے ۔ اور سامعین نے قوالی کا مزا لیا اور پھر سو گئے ۔ حتی کہ اس ماحول میں مشاہدہ یہ ہے کہ ثقہ علماء بھی عوامی مزاج کے مطابق اترنے کی کوشش کرتے ہیں اور عوام کی تربیت کرنے کے بجائے ان کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کچھ اخلاق باختہ ، پیشہ ور مولویوں نے ماحول کو ایسا بگاڑ دیا ہے کہ ثقاہت ، علمی وقار ، گہرائی وگیرائی ، تقوی واخلاص بے وقعت بن کر رہ گئے ہیں ۔ بڑے بڑے علماء کو عوام اسٹیج سے اتار دیتی ہے اور قوال قسم کے چھوٹ بھیوں کو سر آنکھوں پر بٹھاتی ہے اور تعلیمات دین کا کتنا حصہ ان تک پہنچ پاتا ہے یہ افسوسناک بھی ہے اور غمناک بھی ۔

آج عوام کا مزاج یہ بن رہا ہے یا بن گیا ہے دوسری طرف خالص دینی دعوت اور منہج کل کا کل تباہی کے دہانے پر پہنچ چکا ہے ۔ لوگ جزئی مسائل سے آگے نہیں بڑھتے ۔ ان کے اندر سطحیت گھر کرتی جارہی ہے ۔ مناظرے کی ان کو لت لگ گئی ہے جس سے کتاب وسنت کی دعوت کی بدنامی اور رسوائی ہوتی ہے ۔ سنجیدہ اور تعلیم یافتہ حضرات اس طرز عمل اور ذہنیت سے چڑتے ہیں اگر یہی اٹھان رہی اور اس میں ترقی ہوتی رہی تو قوالی سننے ، گانا

گانے اور دوسرے مسالک کو گالی دینے کے سوا ہمارے پاس کچھ نہ رہ جائے گا، اخلاق ومروت تہمت بن جائے گی۔

موجودہ جلسوں والی دعوت کا نقصان یہ بھی ہے کہ عوام سامع بن کررہ جاتے ہیں اور وقتی طور پر دعوت میں ان کی کوئی خاص حصہ رصدی نہیں ہوتی، جو سنا سنا پھر ہاتھ جھاڑ اٹھ گئے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سیکھنے سکھلانے سے ان کا تعلق بہت کم جڑ پاتا ہے۔ اس بگڑی حالت میں اللہ جن نیک بندوں کو دعوت کی توفیق دے دیتا ہے وہ خوش نصیب ہیں۔ لیکن غالب رجحان قابل ستائش نہیں ہے۔ بہرحال اس جزئی اور غیر منظّم، غیر متواصل دعوت کے اندر جو اہم کمی رہ جاتی ہے وہ درج ذیل ہے۔

کمزوریاں:

(۱) سطحیت، (۲) راگ راگنی کا چسکا (۳) نقطہ اتحاد کا فقدان (۴) مرکزیت کا فقدان (۵) سیکھنے سکھلانے میں عوام کی محرومی (۶) تربیت کا فقدان (۷) کل افراد تک عدم رسائی (۸) یکسوئی یک جہتی اور توانائی کا فقدان (۱۰) دعوت چند مسائل تک محدود (۱۱) غیر مسلموں تک عدم رسائی (۱۲) خواتین تک عدم رسائی (۱۳) ثقہ علماء کی عدم نگرانی (۱۴) عملی وفکری یکسوئی کا فقدان۔

دعوت کا نظام و پیغام دونوں ہمارے لیے ضروری ہیں دونوں کا ایک ساتھ ہونا ضروری ہے۔ مسلسل جدوجہد اور لگن طے ہے اجتماعی اور متواتر جدوجہد ہی مؤثر ہوتی ہے وہی اصل توانائی بن جاتی ہے۔ اپنے فکر وفہم اور دعوت کو پھیلانے کے لیے کا ہر ایکشن بالکل سوچا سمجھا اور نپا تلا ہونا چاہیے اور بہت غور وفکر کے بعد طے کیا جانا چاہیے ہر چلت پھرت بالکل دین کے ڈھانچے میں ڈھلی ہونی چاہیے اور صحیح دعوت کو بتانا چاہیے بات اصولی ہو اصول پر ارتکاز افراد کی کایا پلٹ دیتا ہے اور ایسی تڑپ اور جذبہ بیدار کر دیتا ہے کہ لوگ تعلیم وتعلم سے جڑ جاتے ہیں اور دعوت کو اپنا مشن بنالیتے ہیں۔

دعوتی توانائی:

دراصل تڑپ جذبہ صادق، یہ انہماک دعوت کے کام میں تسلسل سے پیدا ہوتا ہے۔

دعوتی توانائی مسلسل اجتماعی جدوجہد اور انفرادی جذبے، اخلاص اور صالحیت سے آتی ہے۔ منظّم مربوط اجتماعی کام میں سماج کا ہر طبقہ شریک ہو جاتا ہے اور پھر کام میں ایسی کشش پیدا ہوتی ہے کہ لوگ اس کی طرف بھاگے ہوئے آتے ہیں۔ اور اس سے جڑتے چلے جاتے ہیں۔ لوگ یہ نہیں دیکھتے ابھی سردی ہے ذرا اسے ختم ہو لینے دو۔ ابھی بارش ہے ذرا اسے تھم لینے دو۔ ابھی گرمی ہے ذرا لو کو نکل جانے دو اور یوں پورا سال ختم ہو جاتا ہے۔ دعوتی سرگرمیاں مسلسل اور سال بہ سال ہونی چاہئیں۔ جب دنیا کے سارے کام ہر وقت اور ہر موسم میں ہوتے ہیں رکتے نہیں تو دعوت دین کیوں رکے۔

دعوتی کام پوری زندگی لگا دینے اور پورے انہماک سے لگ جانے سے صحیح ڈھنگ سے انجام پا سکتا ہے اور مطلوب احیاء دین واحیاء سنت ہو ہمیشہ یہی پیش نگاہ رہے اس کے لیے چند لوگوں کو مرکزی قیادت کے لیے متفرغ ہونا پڑے گا جو بیٹھ کر سوچتے رہیں، کام کا نقشہ بناتے ہیں، ہدایات دیتے ہیں۔ اور اس کی قیادت کی ذمہ داری نبھاتے رہیں۔

ایسا نہ ہو کہ دعوت کے نام پر بینڈوں کی بھیڑ لگ جائے اور ان کی تلاش صرف ''ہری گھاس ہی کی ہو۔ تحریکیں، جمعیات ومنظمات کیسے پھلتی پھولتی اور مرجاتی ہیں اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ بیٹھ کر ہاہا ہو ہو ہو، سازش کا جال بنا جائے اور حلوا کھانے والی بات رہ جائے درست نہیں کہلائی جا سکتی۔ اوقات کار کی تعین، پروگرام بنانا۔ اوقات کا صحیح استعمال کہ ضائع نہ ہوں اور صرف تربیت میں گذریں۔ بیکاری قریب نہ پھٹکے، سونے جاگنے، کھانے پینے، تعلیم وتعلم، دعوت وتبلیغ کا وقت متعین ہو اور آداب بھی۔ دعوت وتربیت اسی کو دیا جائے جو طالب ہو یا جسکے اندر لگن پیدا ہو جائے، کسی کو سفارش، کسی کی جنبہ داری، کسی کو سر چڑھانے، کسی کو گرانے کی بات نہ ہو، نہ یہاں کوئی تنظیمی رسا کشی ہو، قابل التفات وقابل احترام وہ بنے، جو ذمہ دار بنے، جس کی کارکردگی عظیم ہو۔ اچھی کارکردگی کے لیے آمادہ کیا جائے اور محنت کا عادی بنایا جائے۔ قانونی ودستوری داؤں پیچ سے دوری لازم ہے۔ کسی کے لیے اٹھا پھینک کا مسئلہ ہی نہ رہے۔ ایسی تربیت دی جائے کہ آدمی کو یہ شعور مل جائے کہ میں کیا ہوں؟ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا ملنا چاہیے اور کس حد تک وہ ذمہ داری کا مستحق ہے۔

انسان کے اندر ایسا جذبہ پیدا ہوجائے کہ لینے کے بجائے دینے کے لئے، خدمت لینے کے بجائے خدمت کرنے کے لیے تیار ہوجائے۔ سرکشی کے بجائے جذبہ اطاعت جاگتا رہے، فساد کے بجائے اصلاح کا جذبہ جوان رہے۔ کشمکش کے بجائے محنت، تعاون اور احترام کا ماحول قائم رہے۔ مسلسل نگرانی اور چوکسی رہے کہ کام اگر بگڑے تو اسے درست کیا جائے اور افراد کی صلاحیتوں، کارکردگی اور احساسات کا پتہ رہے۔

مرکزی قیادت

(۱) مرکزی قیادت: تین چار آدمیوں کی ایک شورائی کمیٹی کی ہو جو برابر دعوتی امور پر سوچتی، غور کرتی پروگرام بناتی اور دورہ کرتی رہے اور اپنے علمی اخلاقی اور ایمانی وزن سے نظم برقرار رکھے جو صرف بلاتنخواہ اس پر لگ جائیں ان کا خرچ عوام برداشت کرے اور وہ کل وقتی داعی رہیں، مرکز میں موجود رہیں۔

(۲) ایسی مرکزی قیادت کے تحت ملک و بیرون جہاں تک ممکن ہو جال بچھایا جائے اور مساجد و مراکز کے تحت ہی رہے۔

(۳) عوام کو اور علماء کو جوڑا جائے، علماء کے لیے کورس ہو جو ان کی صلاحیت کو نکھارتا ہو وہ احیاء دین، احیاء سنت، منہج سلف، صلاح تقوی انبیاء کے منہج دعوت پر تقاریر کریں نصوص یاد کریں۔ اور عوام کے لیے تربیتی کورس چلائیں تین دن کا ہفتے کا پندرہ دن کا مہینے کا جیسی ضرورت ہو۔

(۴) عوام کو پروگرام دیاجائے۔

اس کے لئے کئی کورس ہو ہر کورس کے لیے عوام کو تیار کرنا ان سے ملنا ان کو آمادہ کرنا یہ کورس برابر چلے کورس مکمل کرنے والے خود واپس جا کر چلائیں۔

(۵) عوام کے لیے پروگرام☆ آؤ دین سیکھیں

قرآن سیکھنا

دعائیں سیکھنا

توحید-اتباع

حلال وحرام

اخلاق

عقائد

عبادات

اسلامی معاشرت

سماجی زندگی

حلال کی کمائی، حلال کھانا

نوٹ: تجربات کے بعد اس میں حک واضافہ ہوتا رہے گا۔

(۶) آؤعمل کریں

صلاۃ پنجگانہ کا حقیقی اہتمام

تہجد کا اہتمام

سنتوں کا اہتمام

ذکر واذکار کا اہتمام

حلال کھانے کمانے کا التزام

خوش اخلاقی

خدمت خلق

تعلیم پر توجہ

نوٹ: تجربات کے بعد حک واضافہ کی گنجائش

(۷) آؤ دین پھیلائیں

انفرادی ملاقات

صبح وشام درس قرآن، درس حدیث کا اہتمام

مساجد میں آنے کی دعوت

ہفت روزہ پروگرام

ماہنامہ پروگرام
سالانہ پروگرام
رسائل وکتب کی فراہمی
مکاتب کا قیام۔ بچوں کی تعلیم وغیرہ حک واضافہ کی گنجائش
نوٹ: یہ کام بہ تسلسل چلے، مشاورت اور کارگزاری رپورٹ کے ساتھ

☆ کیسے دین پھیلائیں

وفود کی تشکیل وارسال
باہم مقامی کارکنوں کا تبادلہ وفود
ضرورت پر باہری تبادلہ وفود
سالانہ جلسے بیرونی علاقائی ہر پیمانے کے
جوسیکھا سکھایا گیا مختلف مواقع پر بولنے کی مشق اور کاردعوت پر زور دینا
خرچ باہم وقتی، کلکشن، اور اپنا بوجھ آپ اور ہو سکے تو ایک دوسرے کا تعاون۔
فروعات سے زیادہ اصول پر اہتمام۔
دعوتی اسلوب پر زیادہ زور مناظراتی اسلوب سے قطعا احتراز۔
خلافیات، سیاسیات، شخصیات سے قطعا احتراز صرف طے شدہ پروگراموں کے مطابق کام۔
آداب محفل، اور آداب دعوت۔ سربراہ کے احکام کی تعمیل کا اعتبار
رسمیات سے قطعا احتراز مثلا صدارت جلسہ استقبالیہ، سکریٹری اسٹیج، بڑے آدمی کا بلاوا۔
بینر۔ فوٹوگرافی اور اشتہارات، سارا کام رضا کارانہ
زیادہ سے زیادہ آسان نظم۔ اور عوام سے فطری دینی تعلق
علاقائیت۔ تعصّبات۔ ذات برادری اور مالداری کی اونچ نیچ سے احتراز
قیادت ورہنمائی کا کام پروگرام بنانا، ہدایات جاری کرنا علماء کے ہاتھ میں
تمام ازموں غیر اسلامی نظریات نظام افکار سے برأت

دعوت میں شرکت کرنے والے اپنے رہن سہن نشست وبرخاست آنے جانے سونے جاگنے میں نظام الاوقات کی پابندی کریں گے اور سارے تصرفات میں سنت کا اہتمام، آداب شریعت کا پورا اہتمام۔
ہنسی مذاق، ٹھٹھا لاپرواہی سے کلی احتراز، وقار سنجیدگی کی پابندی
سربراہ کی تعین عمل اور ہدایات پر پورا عمل، اختلاف اور اختلافی امور سے قطعا گریز۔
یہ چند سطور ہیں جن کی اساس پر ایک آسان سا دعوتی نٹ ورک تیار ہوسکتا ہے۔

☆ راہ دعوت میں احتیاط:

دعوت اشاعت اسلام کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ یہ کام کسی بھی جگہ اور کسی بھی حالت میں اور کسی زمانے میں ہوسکتا ہے۔ یہ انفرادی طور پر بھی ہوسکتا ہے اور اجتماعی طور پر بھی ہوسکتا ہے۔ یہ عملا بھی ہوسکتا اور لفظا بھی ہوسکتا ہے۔ یہ تحریری طور پر بھی ہوسکتا ہے اور زبانی بھی ہوسکتا۔ یہ ہتھیار اٹھا کر بھی ہوسکتا ہے اور قلم کے ذریعے بھی ہوسکتا ہے۔ دعوت خدمت خلق کے ذریعہ بھی ہوسکتا ہے اور تعلیم وتدریس کے ذریعہ بھی ہوسکتا ہے۔ دعوت میں امر بالمعروف بھی آتا ہے اور نہی عن المنکر بھی۔ کام مسلمانوں میں ہوتا ہے اور غیر مسلموں میں بھی دعوت کا کام بلاد کفر میں بھی ہوسکتا ہے اور اسلامی ریاست میں بھی۔ دعوت کا مثالی کام منابر مساجد سے ہوتا ہے اور اب دعوت کا کام میڈیا کے ذریعہ برق رفتاری سے ہوتا ہے اور ہوسکتا ہے مستقبل میں کچھ دیگر ذرائع بھی دریافت ہوں۔

دعوت کے کام میں اخلاص، صالحیت، علم خالص، نصح وخیر خواہی اور افہام وتفہیم ضروری ہے۔ یہی خوبیاں دعوت کو مؤثر بناتی ہیں اور انسان کے اندر بنیادی تبدیلی لاتی ہیں۔ اگر یہ خوبیاں نہ ہوں تو دعوت دعوت نہیں رہ جاتی ہے، خالی زبان خرچی کا مسئلہ بن کر رہ جاتی ہے۔

دعوت کی نگرانی ضروری ہوتی ہے تاکہ:

- اسے کمائی کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔
- اسے شہرت کے حصول کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔
- خاص افکار کی ترویج کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔

- بدعات کی ترویج نہ ہو،شرک واباحیت نہ پھیلے۔
- سیاسی مقاصد نہ حاصل کئے جائیں۔
- تقلید وتصوف کی حزبیاتی اور فرقہ وارانہ دعوت نہ بن جائے۔
- ذات برادری،گروپ اور مسلک کی ترویج کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔
- دین میں کمی بیشی نہ کی جائے۔
- من پسند باتیں کی جائیں اور نہی عن المنکر سے احتراز کیا جائے۔
- قصہ کہانی اور قصہ گوئی بن کر نہ رہ جائے۔
- باطل افکار واعتقاد کی اشاعت کا ذریعہ نہ بنے۔
- خارجیت کی راہ نہ اپنا لے۔
- باطنیت کی راہ پر چلنے سے اسے بچایا جائے۔

اگر دعوت وتبلیغ مذکورامور کے لئے ہوں تو ایسی دعوت تباہی ضرور لاتی ہے اور جہنم خریدنے کا پیش خیمہ ہوئی ہے۔انسان اگر دعوت کے ذریعہ دنیا کا حصول چاہتا ہے تو رسوائی اس کا مقدر ہوتی ہے اور جہنم میں اوندھے منہ ڈال دیا جائے گا۔اور مشکل بھی ہے کہ اس وقت دعوت وتبلیغ کے چیمپین ایسے لوگ بن گئے جن کی دعوت کا مقصد مذکورہ امور کا حصول ہے اور جب سے (میڈیا ملا) پیدا ہوئے ہیں اوران پر (فیس بک ملا) (انٹرنیٹ ملا) (ٹویٹر ملا) پیدا ہوگئے ہیں انہوں نے دین اور علوم دین کو اپنے گھر کی کھتونی بنا ڈالا ہے اوران کا جاہلانہ تعنت ایسا بڑھ گیا ہے کہ خود کو عالم،داعی،مفتی،فاضل پتہ نہیں کیا سمجھنے کا جرم پال لیا ہے اور دعوت واجتماعیت بلکہ صالحیت اور شرافت کے دشمن بن گئے ہیں۔ان کی مثال ایسے ہے جیسے چوزہ انڈے سے نکلتے ہی آنکھ کھولے بغیر انڈا دینے کی ہوس پال لے۔(تحریکی ملا) تو سب سے خطرناک تھے ہی اور (قاضی کے قصہ گوشکم پرور ملا) بھی سخت خطرناک تھے تو آج کے (دانشور استشراقی ملا اور (میڈیائی ملا) سب سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔اور (میڈیائی ملائیت) سے نکل کر یہ لوگ (خارجی ملا) بن گئے ہیں۔اپنی ننھی منی عقل اوراور ننھے منے علم اور تھوہڑ کے پیڑ کی مانند ہوس شہرت کو دنیا کا سب سے بڑا کمال

جانتے ہیں۔انارکی نراج،انتشار،بےعقلی اور خود پسندی کے امراض سے یہ ایسے دوچار ہوتے ہیں کہ نہ علم کے رہ جاتے ہیں نہ دین کے،اس میں (تحریکی دانشور ملا) سب سے زیادہ خطرناک (خارجی ملا) بن رہے ہیں۔

دعوت کا کام اگر صحیح طریقے سے کتاب وسنت کی مطلوب تعلیمات کی بنیاد پر ہوتا ہے تو داعی اور مدعو دونوں کے اندر صالحیت پیدا ہوتی ہے،قلوب واذہان میں قرب پیدا ہوتا ہے اور ذہنی وقلبی بعد دور ہوتا ہے۔اعلائے کلمۃ الحق کے لیے توانائی اکھٹا ہوتی ہے،جذبے اور لگن میں اضافہ ہوتا ہے،شکوک وشبہات دونوں ہوتے ہیں،سیرت وکردار کی تشکیل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی ارزانی ہوتی ہے اوراس کی مدد شامل حال ہوتی ہے۔دین کی چاشنی ملتی ہے،دینی ذوق اور مزاج بنتا ہے،یکتائی آتی ہے اوراجتماعیت اور وحدت کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں۔

دعوت وتبلیغ پر علماء ثقات کی نگرانی ہر حال میں لازمی ہے۔جب بھی ان کی نگرانی غیر مسلم ہوگی دعوت کا کام ختم ہو جائے گا،اس کی جگہ فتنہ فساد لے لیں گے اور ذاتی ہوس کا غلبہ ہوگا۔ذاتی مقاصد کا حصول سب سے اہم بن جائے گا۔دعوت کا کام بطور ابلاغ کوئی بھی اپنی حسب صلاحیت معمولی پیمانے پر یا بڑے پیمانے پر کر سکتا ہے۔کتابیں وکیسٹ تقسیم کر سکتا ہے،خدمت خلق کے ذریعہ لوگوں کو لبھا سکتا ہے۔چند تقریریں رٹ کر خطیبانہ آہنگ سے لوگوں رجھا سکتا ہے ٹی وی کے ذریعہ لوگوں کے دلوں اور گھروں میں گھسنے کا جعلی یا حقیقی دعوے کر سکتا ہے مرکز بنا کر لوگوں کو اکٹھا کر سکتا ہے اوراسپیکرز کی خدمات حاصل کر سکتا ہے۔انہیں فنون دعوت کہہ سکتے ہیں ابلاغ دعوت کہہ سکتے ہیں۔ایک دعوت کو غیر مفید بننے سے روکنے میں ان کا کوئی رول نہیں ہوسکتا ہے۔یہ سب ایک روبوٹ قسم کے کام ہو سکتے ہیں۔دعوت پر اصل کمانڈ علماء کا ہوتا ہے وہی دعوت کو صحیح علمی وتربیتی رخ دے سکتے ہیں اور ثقہ علماء ہی دعوت کے ذریعہ اسلام کو دل ودماغ میں اتار سکتے ہیں اور انسانی سیرت وکردار کا جزء بنا سکتے ہیں اور انسانی وجود کو اسلام کے قالب میں ڈھال سکتے ہیں اوراسلام کی مکمل صحیح تعبیر پیش کر سکتے ہیں،شکوک وشبہات کو دور کر سکتے ہیں۔اپنے استناد اوراخلاص اور

معتبریت انسانی وجود میں زندگی اور حرارت بنا سکتے ہیں۔ اسلام صرف قانونی اور دستوری حقیقت اور سچائی ہی نہیں ہے بلکہ وہ انسانوں کے اندر دینی زندگی، جوش، جذبہ، حرارت، تازگی، شادابی، توانائی، جان نثاری، اعتبار واعتماد، محبت وطاعت، امید وخوف، قربانی، ایثار، بے نفسی کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ دعوت میں ایک عام آدمی بھی نصوص دین اور اس کے معانی ومفاہیم کو دوسروں تک پہنچا سکتا ہے لیکن ایمانی صداقت اور تیقن کا وہ جذبہ ہر آدمی کہاں سے لائے گا اور مذکورہ تمام غیر مرئی معانی اور قلبی اعمال واحساس کہاں سے لائے گا جن کے حصول میں بسا اوقات عمر گذر جاتی ہے مگر ان کا ادراک واحساس غیر ممکن ہوتا ہے۔ ان کا صحیح ادراک اور ان کی صحیح تعبیر صرف علماء کر سکتے ہیں۔ اور ان کو صحیح طور پر دوسرے کے اندر علماء ہی منتقل کر سکتے ہیں حتی کہ مثبت اور ثقہ علماء کے علاوہ بقراط وسقراط غیر ثقہ علماء کے بس کا بھی نہیں کہ ان قلبی اعمال واحساسات اور تیقنات کو دوسروں تک منتقل کر سکیں۔ قلبی اعمال واحساسات اور تیقنات بہت نازک ہوتے ہیں۔ یہ شخصی عزائم، خواہشات اور ذاتی مفادات کے ساتھ نہیں چل سکتے اور انھیں کھونے یا ان سے محروم ہونے کے بعد بڑے سے بڑے عالم کے اندر دعوت کو موثر بنانے کی صلاحیت نہیں رہ جاتی ہے۔

دعوت دین کا کام اگر ہمہ گیر اور موثر نہ ہو اور دین کو بطور دین نہ پیش کیا جائے بلکہ حزبیاتی انتخابات، نفس پرستانہ آلائش، سیاسی عزائم، دانشورانہ رائے اور انسانی افکار کی حیثیت سے پیش کیا جائے تو شاید بھیڑ زیادہ جمع کر لیا جائے یا لوگوں کو غیر دینی جذبات کے تحت وقتی طور پر باندھ لیا جائے۔ ان سب کا امکان ہے لیکن یہ کہ ایک متقی انسان بنایا جا سکے، اللہ سے اس کا تعلق جوڑا جا سکے، پائیدار سیرت وکردار کی تشکیل ہو سکے، معتدل اور متوازن بندہ مومن بنایا جا سکے اس کا امکان نہیں رہتا ہے۔ غلط دعوت، غلط طریقہ دعوت سے مستقیم انسان، مستقیم سیرت وکردار کا مسلمان نہیں بنایا جا سکتا ہے۔

بدقسمتی سے دعوت کا جو کام ہندوستان میں ہو رہا ہے وہ ہڑبونگ، ہنگامہ، فیشن، ذاتی مکتسبات کا عمل زیادہ ہے دعوت کم ہے۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا دعوت کے نام پر حزبیاتی، متصوفانہ، قصصی دعوت زیادہ ہے۔ رجال وافراد کی طرف بلاوا زیادہ ہے، دینی جزءیات کی

دعوت بیش از بیش ہے۔ دین کو انسانی افکار بنا کر سیاسی عزائم کا رنگ دے کر دعوت دینے کی کوشش زیادہ ہے۔ جماعتوں اور گروپوں کی طرف بلاوا زیادہ ہے۔

مسلمانوں کے اندر داخلی دعوت پرزور زیادہ ہے۔ دعوت ایقان، اذعان، تفہیم، حکمت وموعظت کے اسلوب اور لہجہ میں عموماً نہیں ہوتی ہے نہ اقناعی وبرہانی ہوتی ہے۔ دعوت جذباتی، قصصی، مجادلاتی، افتائی اور مذہبی ہوتی ہے۔ دعوت میں تضحیک، استہزاء، تکفیر اور اتہامات وشتائم کی کثرت ہوتی ہے۔ عموماً اہل سنت کہے جانے والے حلقے کی دعوت میں اس تعصب، حزبیت اور بدعنوانی کا راج ہے۔

اور ہڑبونگی جلسوں میں عموماً یہ رنگ زیادہ نکھرتا ہے اور بسا اوقات انسانیت، شرافت، ثقاہت اور علمیت کا مذاق ہوتا ہے اور اکتساب زر، شہرت نام آوری ہی ان جلسوں کے عناوین ہوتے ہیں۔ ایسے خطباء شہ نشین بنتے ہیں اور ان کے جیب وشکم کے جہنم کو بھرنے کا اہتمام ہوتا ہے جو علم واخلاق اور سیرت وکردار کے نام پر ننگ ہوتے ہیں۔ ان پیشہ ورانہ تقریروں سے دین کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ان سے عوامی اخلاقیات انحطاط کا شکار ہوتی ہیں اور علم وانسانیت کی تضحیک ہوتی ہے۔ کردار کی نفی یہ (خشب مسندہ) جہل، تعصب، نفرت، عداوت، کبر اور ریاکاری کا مجسمہ ہوتے ہیں۔ دراصل یہ اسلام، مسلمان اور انسانیت کے حق میں مجرم ہیں ان مجرموں کو عزت دینے سے اقدار اسلامی کی توہین ہوتی ہے۔ شر کے یہ گماشتے امت کے جیب وضمیر کے اوپر بوجھ ہیں اور سیاست پسند اسلامیوں کی دانشورانہ تقریریں اذہان وقلوب کو بگاڑنے اور حزبیت پھیلانے کے لیے سم قاتل ہیں۔ مسلمانوں کے اندر دعوت وتبلیغ کے حوالے سے جمعہ کے خطبات، ثقہ علماء کے دروس اور تدریس اور تقاریر ہی حاصل دعوت ہیں لیکن جعلی دعوت وتبلیغ کے مقابلے میں ان کا حجم کم ہے۔

ہندوستان میں شیعہ حضرات کو چھوڑ کر کہ وہ خارج از بحث ہیں اہل سنت کہلانے جانے والے حلقے میں دعوت کی عمومی حالت یہی ہے۔ ان کی دعوت عموماً مس گائڈ ہے، انتشار وخلفشار کا شکار ہے، ہڑبونگ وہنگامہ ہے۔ اس کی نگرانی نہیں ہے، نہ ان پر کسی کا کنٹرول ہے۔ عموماً عوام کی پسند اس پر حاوی ہے اور عوام کو رجھانے اور ان سے کمانے کا

رجحان ہے۔ وہ ثقہ علماء کی نگرانی سے محروم ہے اور ساری بلائیں اس کے ساتھ چلتی ہیں۔
عوام میں علم اور علماء کی بے اعتباری بڑھ رہی ہے۔

عوام میں علم دین کی ناقدری اور علماء بے زاری بڑھ رہی ہے۔ میڈیا نے جب سے دعوت کو پیشہ بنانا شروع کیا ہے اس کا سب سے زیادہ منفی اثر یہ بڑھ رہا ہے کہ میڈیائی اسلام کا ہرا یرا غیرا اکسپرٹ تسلیم کیا جانے لگا ہے اور اہل سنت کے حلقے کے نوجوان جن کو دین کی معمولی شد بد ہوجاتی ہے بطور خاص سر پھرے پن کا ثبوت دینے لگتے ہیں۔ برصغیر میں مودودی تحریکیت سے متاثر تحریکی نشے کو پئے ہوئے نوجوانوں کے علمی کبر کا تھرمامیٹر بہت ہائی ہوتا تھا۔ ان کا روڈ مین اور اکثر روڈ مین ہی ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے علماء وقت اساطین علم وفقاہت، زہد واتقا کے ائمہ کو خاطر میں نہ لاتے تھے نہ لائے ہیں۔ یہ شخصی منی عقل اور علم وخرد کے چوزے جن کی آنکھ بھی نہیں کھلی ہوئی ہے جہل کے شجر زقوم میں ملت کے لیے آتشین بارود سے کم نہیں ہیں۔ معمولی مسائل میں ملت کو یہ آتش زیر پا بنانے میں سب سے زیادہ مہارت رکھتے ہیں۔ ان کے اثرات بدتو تھے ہی اب اس شاخ بریدہ کی راہ پر ایسے نوجوان بھی چل پڑے ہیں جو ہردم گم گشتگی کے شکار رہتے ہیں اور فقہ وفتوی کا امام بنے ہوئے ہیں اور وقت کے دعاۃ اکبر میں خود کو شمار کرتے ہیں اور ملت کے شاہینوں کو شکار کرنے کے لئے زمین دعوت پر دام ہم رنگ بچھاتے ہیں۔

غیر مسلموں میں دعوت وتبلیغ کا بھی ایک فیشن چل پڑا ہے۔ غیر مسلموں میں دعوت وتبلیغ کے مالکانہ حقوق تحریکیوں نے اپنے لئے محفوظ کررکھے تھے جس کا مظاہرہ ہوتا رہتا تھا اورخصوصا قرآن تقسیم کرتے وقت فوٹو چھپوانے میں۔ زمینی حقائق ان کی دعوت وتبلیغ کی توکبھی قابل فہم نہیں رہی۔ جیسے ان کے دیگر اوہام اور تعلیات تھیں اور ہیں اس کا حال بھی انھیں اوہام اور تعلیوں جیسا ہے۔

غیر مسلمانوں میں دعوت وتبلیغ کا مخلص اور حقیقی گروپ پیدا ہوا جنہوں نے شہرہ اورمیڈیا سے خود کو دور رکھا اور میدانی کاموں پر توجہ زیادہ دی۔ اس کے لئے دعاۃ تیار کئے، انھیں تربیت دی ۔اس کا بہترین نتیجہ سامنے آیا اور بہت سے قلوب نور ایمان سے

منور ہوئے۔

ان کے سوا یکہ دکا پورے ملک میں کام ہوتا رہا، اوراس کے نتائج بھی سامنے آئے اورمفید نتائج نکلے۔ مذکورہ گروپ کی دیکھا دیکھی ایسے لوگ بھی میدان میں آگئے اور ایسے آؤبھاؤ سے اور ایسے دعاوی اور منامات کے سہارے کہ ایسا لگتا ہے سارے ملک ان کے قدموں پر جھک گیا اور ان کے ہاتھ پر اسلام کے لئے پتنگوں کی طرح ٹوٹ پڑا ہے۔ میڈیا میں چرچے اور ان کی نمائش، جنگ وجدال، مناظرہ کے لئے سانڈوں کی طرح دھاڑنا اور دعوت دین کو میدان کارزار بنانا، پہلوانی دکھانا اور جاہلوں کی سی جرأت دکھلانا اور مذمتی اسلوب اختیار کرنا اور غیر اسلامی کتب دینیہ کا قرآن کریم سے تقابل کرنے کا احمقانہ رویہ اختیار کرنا یہ سب تماشے کئی ایک نے غیر مسلموں میں دعوت دین کے نام پر کئے اور جعل سازی کے تماشے دکھلائے ۔ان کم علم دانشوروں نے دعوت کے نام پر ایسی فضا بنائی اور ایسے ایسے چمتکار دکھلانے کی کوشش کی کہ ایسا لگتا تھا دین کے نام پر ایک نیا کلٹ بن جائیں معمولی پڑھا لکھا منامات وتوہمات کا داعی کلیم صدیقی نے جلوہ دکھلایا۔ ان کو ندوہ والوں نے مسترد قرار دیا۔ عبداللہ طارق رامپوری ایک موہوم نام علماء دیوبند نے ان کی گمراہیوں کو طشت از بام کیا۔ طارق مرتضی علی گڑھ کا ایک شوریدہ سر عبداللہ طارق کا دم چھلا انہوں نے دین کو کھیل بنالیا اور ایسے دانشور بن گئے کہ بائبل گیتا اور رامائن کو قرآن کریم کے برابر گرداننے لگے اور احادیث رسول کے مکمل دشمن بن گئے۔ علی گڑھ شوریدہ سروں کی سرزمین، دین کو فیشن بنانے والوں کی سرزمین، ان تینوں کو یہاں پذیرائی جب دیکھو سر اٹھائے چلے آرہے ہیں اور دین کے نام پر غرہ میں مبتلا خود کو دانشور سمجھنے والوں کا سہارا، کچھ دنوں تک چمکے اور اب اللہ کا شکر ہے ان کے فتنے تھمے۔

دعوت وتبلیغ کے سلسلے کو پائدار مضبوط اور صحیح بنانے کی شدید ضرورت ہے۔

- دعوت وتبلیغ پر کلی طور پر علماء ثقات کا کنٹرول لازمی ہے خواہ وہ میڈیا کے ذریعہ ہو یا کسی اور کے ذریعہ ہو۔ خواہ مسلمانوں کے اندر ہو یا غیر مسلموں کے اندر۔
- دعوت وتبلیغ حزبیاتی نہ ہو۔

- دعوت وتبلیغ کتاب وسنت کے دلائل پر مبنی ہو۔
- دعوت وتبلیغ اقناعی اور مفاہمت کی بنیاد پر ہو۔
- دعوت وتبلیغ جزئیاتی نہ ہو۔
- دعوت وتبلیغ اصولی ہو۔
- دعوت وتبلیغ کے مطلوب، اصول وضوابط سامنے رہیں جیسے علم، صالحیت، اخلاص، تناصح وغیرہ۔
- دعوت وتبلیغ موازناتی، مجادلاتی اور مناظراتی نہ ہو۔
- دعوت وتبلیغ کو تشکیکات، تعقلات اور تفردات بچایا جائے۔
- دعوت وتبلیغ کو شخصی افکار وآراء اور نظریات سے بچایا جائے۔
- دعوت وتبلیغ کو انسانی نظریات وافکار کی آمیزش سے بچایا جائے۔

دعوت دین میں اتنے امکانات ہیں کہ اگر سلبیات سے اسے بچایا جائے اور رسول اکرم ﷺ کے اسوہ کے مطابق دعوت وتبلیغ کا کام ہو تو دنیا میں آج اساسی تبدیلی آسکتی ہے اور خیر کے سارے ذرائع بروئے کار آسکتے ہیں۔

اس اہم کام کے لیے شعبہ دعوت کا قیام از بس ضروری ہے۔ اس کا سربراہ خالص داعی قسم کا باخبر عالم ہونا چاہیے جو مادی وسائل سے زیادہ دعوت کے علمی اخلاقی اور عملی تقاضوں پر زور دے۔ اس شعبے کا اہم کام ہے تحقیق، تعلیم، تربیت، ترجمہ اور نگرانی۔ یہ شعبہ سب سے اہم شعبہ ہے اور بہت بڑا شعبہ۔ اور اس کا کام عوام وخواص مرد عورت بچہ جوان سب کے لئے ہوسکتا ہے اور گھر میدان مسجد ہر جگہ ہوسکتا ہے۔ مسلمانوں، غیر مسلمانوں سب کے لیے اور یہ شعبہ دعوت کے سارے علمی عملی اور میڈیائی ذرائع استعمال کرسکتا ہے۔ ٹی وی چینل، انٹرنیٹ، ویب سائٹ اور مختلف زبانوں میں اخبار ومیگزین استعمال کرسکتا ہے یہ شعبہ تصنیف وتالیف اور ریسرچ کو اپنا سکتا ہے مساجد میں نظام درس، نظام خطبہ موثر انداز میں قائم کرسکتا ہے۔ آڈی او، ویڈیو کا استعمال ہوسکتا ہے۔ دعوت وتبلیغ کی پالیسی بنا سکتا ہے دعاۃ وخطباء کے لیے شروط وقیود متعین کرسکتا ہے۔ دعوت کی نگرانی کرسکتا ہے۔ دعوتی کورس

بنا سکتا ہے۔ دعوتی وفود بھیج سکتا ہے۔ مراکز دعوت قائم کرسکتا ہے۔ دعوتی نصاب تیار کرسکتا ہے۔ دینی اجتماعات کے لئے رہنما اصول تیار کرسکتا ہے۔

اس شعبے کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ دعوت کے نام پر پورے ملک میں لوٹ مچی ہے اور مسلک اور جماعت کو غلط کار عیار دنیادار لوٹنے پر لگے ہوئے ہیں۔ ناٹک اور ڈرامہ بازی کا ہر طرف دعوت کے نام پر بازار لگا ہوا ہے۔ شعبہ دعوت موجودہ بے سمت بے ثمر دعوت کا بدل فراہم کرے۔

موجودہ تنظیم جماعت اس میدان میں زیرو ہے بلکہ ایک طرح سے دعوت کے نام پر اس نے کرپشن کو تنظیم میں بڑھاوا دیا ہے۔ کئی اعتبار سے اس نے دعوت کے نام پر کرپشن کو بڑھاوا دیا ہے خود دعوت کے نام پر زیرو اور غیر معیاری طریقوں سے قائم کئے گئے اجتماعات میں (مجرمین دعوت) کے ساتھ اسٹیج پر بیٹھنا دعوت کے حق میں جرم کرنے والوں کو بڑھاوا دینا نہیں ہے تو کیا ہے۔ وی آئی پی بننے کا ایسا شوق کہ ہر جگہ پہنچنے کے لئے اندر سے خفیہ سازشیں اور نا کارہ پن ایسا کہ چند منٹ چند صحیح جملے بولنے کی سکت نہیں اور چند بامعنی الفاظ ادا کرنے کی صلاحیت نہیں۔

تعلیم:

تنظیم جماعت کا تعلیمی شعبہ انتہائی حساس ہے۔ تعلیمی میدان میں تنظیم کی فعالیت لازمی ہے اس دور میں اگر تعلیم نہ دی جائے تو ایک بچہ مستقبل میں مزدور بن سکتا ہے۔ اسے دیگر میدان کار نہیں مل سکتے۔ اور جس طرح دنیا کے سرمایہ داروں نے اقتصادی نظام طے کیا ہے اور جس طرح کی اقتصادی سرگرمیاں بڑھ رہی ہیں۔ ان میں ایسے لوگوں کے لئے چھوٹی موٹی تجارت کی گنجائش آہستہ آہستہ ختم ہوتی جارہی ہے۔ ان کے لیے پروفیشنل ٹیکنیشین کی ضرورت پڑے گی بے ہنر مزدوروں کی بھی گنجائش نہیں رہے گی۔ اس لئے دینی تعلیم بھی دلانا ضروری ہے۔ اور دنیاوی تعلیم دلانا بھی ضروری ہے تا کہ معاشی بھاگ دوڑ اور بھیڑ میں مسلمان اپنی شناخت بھول نہ جائیں۔

تعلیمی شعبہ قائم کرنا اور تعلیمی پالیسی طے کرنا تنظیم کے لیے بہت ضروری ہے۔

اگر تنظیم کچھ نہ کر سکے اور تعلیم کو اپنے ہاتھوں میں لے لے اور اس کے لئے ساری توانائی لگا دے اور مکتب سے لے کر ہائی ایجوکیشن تک کا انتظام کر لے جائے۔ دینی تعلیم سے لے کر سیکولر تعلیم کے سکھانے کا جتن کر لے جائے تو یہی بہت بڑی کامیابی ہوسکتی ہے۔

مگر افسوس اس کا ہے کہ تنظیم کے پاس دراصل ایک مکتب بھی نہیں ہے۔ اس کے پاس نصاب تعلیم کے نام پر ایک کتاب (چمن اسلام) ہے۔ اس کو مہیا کرانے میں ناکام ہے اور کئی نجی ادارے اسے چھاپ کر بیچتے ہیں۔ نصاب تعلیم شعبہ تعلیم کی ذمہ داریوں میں ہے پورے ملک میں جماعتی تعلیمی مشن کی نگرانی اور اشراف تعلیمی پالیسی بنانا نصاب تعلیم یکسانیت لانا، کریکولم کا شعبہ قائم کرنا، ٹریننگ کا شعبہ قائم کرنا، تعلیمی بورڈ بنانا، مکاتب مدارس اسکول کالج یونیورسٹی حسب ضرورت قائم کرنا، ہاسٹل وکوچنگ سنٹر قائم کرنا، جماعتی طلباء کو ایک نظم میں باندھنا، ان کی دینی تعلیمی تربیت کرنا، تعلیم کو بڑھاوا دینے کے لئے تدبیریں کرنا، تعلیمی ماہرین کی خدمات حاصل کرنا اور اس پورے تعلیمی مشن کے لئے اپنے افراد تیار کرنا، بچیوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ دینا اور ان کی اعلیٰ تعلیم کے لئے بندوبست کرنا اور حکومت کی تعلیمی سہولتوں کو حاصل کرنا۔ اور پوری چوکسی سے (نو پرافٹ نو لاس) کے اصول پر تعلیمی امور میں عمل کرنا۔ افسوس نااہلی کا یہ حال ہے کہ کبھی تنظیم نے ان امور پر کسی سیمینار سمپوزیم یا چند ماہرین تعلیم کی خصوصی نشست کا اہتمام تک نہیں کیا اور پھر بھی پھکڑ اور الھڑ قیادت اور گٹکا چھاپ مدعوئین خصوصی کا یہ غرہ کہ ان کے کارنامے بہت عظیم ہیں اور بہت سے بے وقوف بھی یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ قیادت نے بڑا کام کیا ہے۔

☆ علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت:

مسلم اقلیت کے استقرار اور ثبات کے لیے لابدی ہے کہ مسلم سماج میں علوم اسلامیہ کا ادراک زیادہ گہرا ہو۔ علوم اسلامیہ مسلم سماج کی اصلی پہچان ہے، اس کے وجود کی اساس ہیں ان کا تشخص اور اصلی کردار ہیں۔

ہندوستان میں علوم اسلامیہ کی تدریس واشاعت اور تعیم کا چرچا تو بہت ہے لیکن حقیقت میں ایسا ہے نہیں۔ عموما ان کو تبرک کے طور پر پڑھایا جاتا ہے اور رواجی وحزبیاتی

تقلیدی طور پر ان کی تعلیم ہوتی ہے۔ علوم اسلامیہ میں مہارت، درک اور عمق انسان کو بابصیرت، حکیم اور تابناک بنا دیتی ہے۔ اس سے انسان کی شخصیت کھل اٹھتی ہے، پیاری اور پاکیزہ بن جاتی ہے۔ ان کے حصول سے انسان انسانیت، عبدیت، تواضع، حلم ووقار کے عروج اور کمال پر پہنچ جاتا ہے۔ اگر کسی کو علم ووقار کا پیکر ملاحظہ کرنا تو شیخ ابن باز، شیخ عثیمین اور ان کے شاگردوں کو دیکھے، علامہ البانی اور ان کے شاگردوں کو دیکھے۔

علوم اسلامیہ میں علوم قرآن، علوم حدیث، فقہ، اصول فقہ، عقائد، اصول عقائد آتے ہیں۔ ان کے معاون علوم صرف، نحو، بلاغت اور ادب عربی ہیں۔ ان علوم کے زیر اثر رہنے والے معاشرے میں استناد، برہان، حکمت، ہدایت، حجت، بصیرت ہمیشہ فراواں رہے گی۔ جب بھی اہل سنت کے مرتب علوم کی تعلیم ہوگی اور معیار فہم واستناد سلف صالحین کے فہم وتعبیرات کو مانا جائے گا ایسا معاشرہ زندہ معاشرہ رہے گا۔

بدقسمتی سے اہل سنت کہے جانے والے اداروں میں عموما ان علوم اسلامیہ کی تعلیم ہوتی ہے جو سلف صالحین کے فہم اور منہج کے مطابق نہیں ہیں نصوص کتاب وسنت کی عمومی تعلیم بطور تبرک ہوتی ہے۔ تقلید وتصوف پر ہے۔ ساری فقہ واصول فقہ فقہی ومسلکی تقلید پر منحصر ہے اور اس تقلید نے جنگ وجدال، مخاصمت، مجادلت، حزبیاتی منافرت، مسلکی تعصّبات کی بدعت کے سوا کچھ نہ دیا ہے۔ ان سے ایسی رجال پرستی کو بڑھاوا ہے کہ رجال مسلک خواہ صحیح کہیں یا غلط کہیں سب صحیح بس خطا کا امکان اور غیر رجال مسلک کی ساری باتیں غلط صحت کا فقط امکان اور ایسے ایسے اصول وضابطے بنے کہ نصوص حدیث سے پیچھا چھوٹے اور دوسروں کی کاٹ ہوسکے۔ ان اصول نے اباحیت پرستی سکھلائی، حیلہ حلالہ کی راہ دکھلائی، محرمات کو حلال اور حلال کو محرمات میں داخل کیا، فرائض کے سقوط کو تدبیریں ہوئیں، رائے اور قیاس کو نص پر ترجیح دی، کفو کے مسئلے نے سماجی طبقات قائم کئے، اسلام کے نظام مساوات کو پامال کیا اور کل دین کو اپنی ہوس پرستی اور اکتساب دولت وشہرت کا ذریعہ بنایا۔

اور فقہ بھی متاخرین کی پڑھائی جاتی ہے جس میں قیل وقال اور فرقہ پرستی ومجادلت زیادہ رہتی ہے اور اسلوب مذمتی وتردیدی ہوتا ہے اور روح دین سے خالی ہوتی ہے۔

ظاہر ہے ایسی فقہی تعلیم کے حصول سے مخاصمت اور مجادلت ہی کا ذہن بن سکتا ہے۔
متاخرین کے مسلکی طرز فکر و مجادلاتی اسلوب کلام اور فلسفہ یونان کے زیر اثر کلامی مباحث
کو کچی عمر کے بچے جب پڑھتے ہیں یا ان مباحث کو پڑھایا جاتا ہے تو اس کا اثر اس کے سوا
اور کیا ہوگا کہ مسلکی کروسیڈر پیدا ہوں اور تنگ نظری میں اتنے ممتاز نکل جائیں کہ
دوسروں کو برداشت کرنے کا ان کے پاس یارا نہ رہ جائے۔

یہی حال تفسیر کا ہے۔ تفسیر بالرای اور تفسیر اشاری کا رواج مدارس میں ہے۔ ان سے
کلام الٰہی کلام بشر بن جاتا ہے اور کلام الٰہی کے سارے خصائص اور اس کے سارے ادبی،
عقائدی، اخلاقی اور تربیتی اثرات ختم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس کی آفاقیت روحانیت
اور اصلاحی تاثیر ختم ہو جاتی ہے۔ مسالک کے سانچے میں ڈھلے فقہیات اور کلامی عقائد پر
سارا زور صرف ہو کر رہ جاتا ہے۔ ساری کائنات پر اس کی کارفرما ربوبیت اور انسانوں پر
اس کی رحمانیت و رحیمیت، اس کی الوہیت کے بکھرے مناظر اور تمام پیغمبروں کی دعوت،
اس کے اسماء وصفات اور ربوبیت کے سارے کمالات تدریس تفسیر میں غائب ہو جاتے
ہیں اور ایسی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جن میں تفسیر بالرای کی ترجمانی ہوتی ہے۔ علوم قرآن
کے نام پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔

کلام پاک کی ایک حیثیت برہان و فرقان کی ہے۔ اس نے حق و باطل کے درمیان
قیامت تک کے لئے امتیاز پیدا کر دیا ہے اور وہ انسانی افکار و نظریات جو اس کے طے کردہ
خط مستقیم سے باہر ہوں ان کو باطل قرار دیا ہے۔ قرآن کریم کا جو طرز استدلال ہے
اور مشاہداتی، تکوینی و عقابی جو نتائج ہیں وہ مکمل نظر انداز ہو جاتے ہیں۔ قرآن کے جو انفس
و آفاق کے دلائل ہیں اور ان سے انسانی عقل جو نتائج برآمد کر سکتی ہے ان کو کلی طور پر نظر انداز
کر دیا جاتا ہے۔

تفسیر قرآن پر مدارس اسلامیہ میں سب سے کم توجہ دی جاتی ہے اور صرف لفظی
اور کلامی امور پر توجہ ہوتی ہے۔ قرآن کریم پر ایک ظلم یہ روا کر لیا گیا ہے کہ ہرا ہرا غیر قرآن کا
ترجمہ اور تفسیر کرنے لگا ہے۔ عبدالکریم پاریکھ صاحب کا عربی زبان نہیں جانتے تھے، ترجمہ کا

شوق پال لیا اور مشکل یہ ہے کہ ان کی توثیق بھی علماء نے کر دی جبکہ یہ قرآن کریم کے اوپر ظلم
ہے اور غیر عربی داں کے لئے قرآن کریم کا ترجمہ کرنا حرام ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ ایک
پٹوادی منکر حدیث نے قرآن کریم کا ترجمہ کر ڈالا۔ کیسے کیا پتہ نہیں؟ تحریکیوں نے قرآن
کریم کے ساتھ سب سے زیادہ ناروا سلوک کیا۔ جس کو دیکھ بغل میں تفہیم القرآن دبائے
مفسر قرآن بنا گھومتا ہے جبکہ بذات تفہیم القرآن اردو میں سب سے زیادہ ناقص اور غیر مستند
تفسیر ہے اور تفسیر کے ملک نئے نظریے کے تحت سیاسی تفسیر کرنے کی کوشش کی۔ اس کی تصویر
تفسیر بالرای کی بن گئی ہے۔ تماشا یہ ہے کہ جن کو اردو بھی صحیح طور پر نہیں آتی وہ بھی تدبر فی
القرآن کا ناٹک کرتے ہیں اور قرآن میں غوطہ لگانے کی بزم سجاتے ہیں بے شک قرآن سیکھنے
اس کو سمجھنے کا جذبہ قابل قدر ہے لیکن سمجھنے اور خود مفسر بننے میں بڑا فرق ہے۔ کسی بھی مستند تفسیر
اور ترجمہ کو سامنے رکھ کر لوگ پڑھیں اور حتی المقدور قرآن معانی و مطالب سمجھیں مطلوب ہے
لیکن خوش فہمی اور علم کے جھوٹے غرور نے جاہلوں کے اندر مفسر قرآن بننے کا لپکا لگا دیا ہے۔
ایک صاحب اسرار احمد ڈاکٹر ہوا کرتے تھے، انہوں نے مودودی کے سیاسی منہج تفسیر کو اپنایا
اور ٹی وی مفسر بن گئے اور سیاسی دین پسندوں کے تفسیری امام بن گئے اور زمانے تک تفسیر
کو مشق ستم بنایا۔ مشکل یہ ہے کہ عوامی مزاج کے لئے ٹی وی پر آجانا کسی کے بڑا عالم ہونے کی
دلیل بن جاتی ہے۔ اللہ کا دین اور اللہ کا کلام یتیم نہیں ہے کہ کسی کے ٹی وی پر آنے سے انھیں
تقویت مل جائے گی، کسی کی سیاست بازی سے انھیں طاقت مل جائے گی۔

حدیث وعلوم حدیث کی تدریس کا حال برصغیر میں عجیب ہے۔ صحاح ستہ کا مدارس
میں دور بھی ہوتا ہے اور ان کی تدریس محبت رسول کی دلیل بھی بنتی ہے۔ مگر حالت یہ ہے کہ
برصغیر کی سرزمین حدیث اور علوم حدیث کے حق میں جارح ہے۔ اہل حدیث حلقے کو چھوڑ کر
اور کچھ سنجیدہ حضرات کو چھوڑ کر حدیث کے متعلق لوگوں کا عجیب مسخرہ پن ہے۔ علی گڑھ کی
سرزمین میں انکار حدیث یا تشکیک فی الاحادیث کی پود لگی اور پھر یہیں سے ہندوستانی
اعتزال کو بڑھاوا ملا ہیں۔ اس فکر سے شبلی، چراغ علی، مولانا حمید الدین، مولانا اسلم
جیراجپوری متاثر ہوئے۔ مولانا اسلم جیراجپوری سے غلام محمد پرویز نے یہ ضلالت سیکھی۔ علی

گڑھ کے اس شجر خبیثہ سے مولانا حمید الدین کے حوالے سے مولانا امین حسن اصلاحی اور ان کے ذریعے غامدی گروپ کا منکرین حدیث کا ایک بڑا گروپ تیار ہو گیا۔علی گڑھ کے گمراہ کن افکار سے اصلاحی اور پرویز کے ذریعہ مودودی صاحب بھی متاثر ہوئے اور تحریکی حلقے کے باخبر لوگوں کے بیان کے مطابق تقریبا آدھا حلقہ انکار حدیث کا نظریہ اپنائے ہوئے ہوتا ہے اور مودودی صاحب کا گرویدہ ہر فرد اس گمراہی سے متاثر ہے۔قریبا ۹۰ تا ۹۵ فیصد منکرین حدیث کا شجرہ انکار حدیث علی گڈھ سے ملتا ہے۔علی گڑھ کے اس فتنے کے اسیر عثمانی گھرانے کے عمر عثمانی اور حبیب الرحمٰن کاندھلوی بھی ہو گئے اور علی گڑھ کے شجرہ انکار حدیث سے ایک منچلے علی گرین تحریکی کا تعلق ہے۔ادراک زوال امت برصغیر کے تمام منکرین حدیث کا ایک سرقہ ہے۔اس کا مصنف ایک خود ساختہ دانشور اور زمانہ ساز قلمکار ہے ایسا قلمکار کہ اسے صحیح مفاہیم کے ساتھ چند جملے لکھنا نہیں آتا۔

حدیث سے عداوت کا ایک منظر عمر کریم پٹنوی اور شوق نیموی ہے اور وہ تمام حنفی علماء جنہیں حدیث سے زیادہ حنفیت سے لگاؤ ہے اور جن کا کام رجال حدیث ،علوم حدیث کی حیثیت گرانا ہے اور احادیث کے طریقہ توثیق کو مسترد کرنا اور تاویلات کے ذریعہ احادیث کا مثلہ کرنا۔ پانچویں دہے سے برصغیر کے دیوبندی علماء کرام پر کوثریت غالب آگئی اور کوثریت، قبوریت، جہمیت اور رد حدیث اور علوم حدیث کا نام ہے حنفی تعصب میں اندھا پن کا یہ شخص ایسا شکار ہوا کہ خصوصا حدیث وعلوم حدیث کی منزلیت کو تباہ کرنا اس کا سب سے پسندیدہ مشغلہ بن گیا۔سید احمد رضا بجنوری اور سید یوسف بنوری کی حدیثی تحریریں، اسی طرح یہ خاک جہاں کا خمیر تھا قصید النصوص شیخ عبد الفتاح ابو غدۃ نے اس نئے نام کے ساتھ اور اپنے تطویل لاطائل حواشی کے اضافات سے اس کو شائع کیا اور علمی تحریفات کا ایک نیا نقش قائم کیا۔

بہر حال حدیث وعلوم حدیث کے ساتھ یہاں کے لوگوں کے متضاد رویوں نے احادیث پر غضب ڈھایا ہے اور سنت رسول وحدیث کا جو مقام ومرتبہ ہے اسے یہاں نہ مل سکا، اسے مشق ستم بنایا جاتا رہا۔فکر وفہم کے اعتبار سے بھی اور قدر ومنزلت کے اعتبار سے

بھی۔اس برصغیر کے حدیث سے متعلق متضاد رویوں کے منظر نامے میں مظلوم اہل حدیث ہیں۔علماء ہی نہیں عوام بھی جنہوں نے حدیث کی قدر ومنزلت کو صحیح طور پر جانا اور دین میں مطلوب اس کے مرتبے کو تسلیم کیا اور اس سے جذباتی لگاؤ رکھا اور ایمان وعمل میں اسے حرز جان بنایا۔

تعلیم کے سلسلے میں یہ عرض کیا گیا تھا کہ دینی اور سیکولر دونوں تعلیمات میں مسلمانوں کو امتیازی ڈھنگ حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ وہ اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنے کی پوزیشن میں ہوں۔دینی تعلیم سلف صالحین کے منہج کے مطابق حاصل کرنے اور دینی علوم میں گہرائی پیدا کرنے اور سماج میں ان کی جڑیں پیوست کرنے سے دین کی پکڑ معاشرہ پر مضبوط ہوگی۔

اصلی منہجی دینی علوم کی تعلیم میں کوتاہی ،غفلت اور سطحیت جس قدر بڑھتی جائے گی مسلم سماج اتنا ہی کھوکھلا ہوتا جائے گا۔جس قدر علوم دینیہ میں گہرے اور ثقہ علماء پیدا ہوں گے اسی کے بقدر لوگوں کی وابستگی دین سے مضبوط ہوگی۔اقلیت میں ہونے کے ناطے دین کے تحفظ کی کل ذمہ داری ہمارے سر پر ہے اس لئے دین اور علوم دینیہ کے تحفظ کے لئے ہمیں قربانی دینی ہوگی۔مدارس میں تعلیمی معیار میں خچر نصاب تعلیم کا رواج پایا جا رہا ہے۔یہ فیشن تعلیم وتربیت دونوں کے لئے انتہائی نقصان دہ ہے۔اسے عام نصاب بنانا دینی تعلیمی پالیسی کے ہم آہنگ نہیں ہے۔ایک خاص دائرے میں ایسے نصاب کے طلبگاروں کے لیے ہلکے پھلکے انداز میں رکھا جاسکتا ہے تاکہ اگر اس سے سیکولر تعلیم حاصل کرنے والے فائدہ اٹھانا چاہیں تو ان کے لیے ایسی تعلیمی سہولت میسر ہو۔اسٹریم نصاب تعلیم کو خچر نصاب تعلیم بنانا اسے چوپٹ کرنے کے مترادف ہے۔اس سے چوطرفہ دینی تعلیم کا نقصان ہوا ہے اور جماعت کے لئے مطلوب تعداد میں علماء نہیں مل رہے ہیں۔میں یہ بات بڑی دردمندی سے کہنا چاہتا ہوں۔ایسا نصاب دینی تعلیم کے طلبگار طلبا پڑھنا بھی نہیں چاہتے ہیں۔اور وہ طلباء جو سیکولر یونیورسٹیوں میں جانا چاہتے ہیں ان کی راہ میں رکاوٹ بھی نہیں ہے اور دینی نصاب اس لئے بھی نہیں ہے کہ سیکولر یونیورسٹیوں کے ہم آہنگ بنایا جائے۔دینی نصاب کا مطلب یہ ہے کہ دینی علوم میں گہرائی حاصل ہوتا کہ دینی حکمت وبصیرت عام ہو۔خچر نصاب تعلیم سے

صرف دینی نصاب تعلیم کا نقصان ہوا ہے اوردن بدن اس سے سطحیت بڑھے گی۔ دینی نصاب تعلیم کے ساتھ مکمل ہائی اسکول کے نصاب کا لاحقہ دینی علوم کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہے اورسیکولراسٹیٹ میں جہاں دین اوردینی علوم کے مواقع کم ہیں مدارس میں سیکولر نصاب لاگوکرنا دینی حس اورملی دیانت داری اوردینی تعلیمی پالیسی کے سراسرخلاف ہے۔ باطل نظریات اورنظام جاہلیت کوایک دوپیریڈ میں پڑھایا جاسکتا ہے تاکہ علماءکونظام باطل کے متعلق خبر رہے۔سماجی ،اقتصادی، سیاسی نظریات اورکسی عالمی زبان کی تدریس دینی علوم کے ساتھ ہوسکتی ہےلیکن ان کی تعلیم نقدونظر کے ساتھ ہواور ہفتے میں آٹھ پیریڈ کافی ہے۔

خچر نصاب تعلیم اہل حدیث مدارس کے لیے بہت بڑا روگ اور دردسر ہے۔ یہ تجربہ انتہائی ناکام تجربہ ثابت ہوا ہے۔اس کی بازدید ہونی چاہیےاورخچر نصاب تعلیم مدارس کا ایک جزئی اورضمیمہ قسم کا نصاب ہو، ہلکا پھلکا ہو دوسال کا اور یہ سیکولراسٹریم میں جانے والے لوگو ں کے لیے ہو۔دینی نصاب تعلیم کوخچر نصاب تعلیم سے بچانا اوراس دلدل سے نکالنا ایک دینی تقاضا ہے۔ ویسے بھی دینی تعلیم کے پھیلاؤ کے لیے مراسلاتی کورس، سمرکورس، قلیل مدتی کورس مختلف زبانوں میں اورمختلف اقسام علوم پر تیار کرنا چاہیے تاکہ دینی تعلیم کی پہنچ دوردور تک بن سکے اورزیادہ سے زیادہ لوگ دینی علوم سے مستفید ہوسکیں۔عربی مدارس میں اب تک اس کی طرف دھیان نہیں دیا گیا ہے۔بےمطلب ناکام عالمی کانفرنسوں کے بجائے نتیجہ خیز کام کرنے کی طرف دھیان نہیں دیا جاتا۔سستی شہرت کے پیچھے بھاگنا انسان کے لیے بہت پرکشش ہوتا ہےلیکن محنت طلب کام سے جی چرانا انسان کی طبیعت میں داخل ہے۔

سیکولرتعلیم حاصل کرنا بھی مطلوب ہے۔ بنیادی تعلیم سے لے کرگریجویشن اوراعلیٰ تعلیم، پیشہ وارانہ اوراختصاصی تعلیم سب مطلوب ہیں۔تعلیم کے ہمہ جہتی موثرات ہیں اور ہرقسم کی صنف تعلیم کی ضرورت ہے۔مسلم اقلیت ایک بڑی اقلیت ہے۔اس کی ترقی اورتحفظ کے لیے تعلیم نہایت ضروری ہے۔ ملک کی آبادی کی مختلف اکائیاں جواپنی الگ شناخت رکھتی ہیں اپنے بچوں کی تعلیم کا انتظام کرتی ہیں اوروہ اپنی ذات، برادری اورعلاقائی شناخت کی اساس پراپنے مستقبل کے لیے فکرمند رہتی ہیں۔ پورے ملک میں مسلم کمیونٹی میں بہت

سے لوگ ذات برادری مذہب اورعلاقے کی اساس پراپنی شناخت رکھتے ہیں مگربطورمسلم امت یابطورمسلم برادری مسلک جماعت اورعلاقے مسلمانوں کے پاس اپنی تعلیم کے لیے مضبوط بندوبست نہیں ہے۔غربت کے سبب مسلم بچوں کی اکثریت علمی کاروان سے بالکل الگ تھلگ ہے۔مشرقی یوپی ، بہاراوربنگال میں کم ازمکتب کی تعلیم سے غریب بچے بھی روشناس ہوجاتے ہیں ان خطوں کے سوا کیرلا میں سب سے زیادہ تعلیم کا بندوبست مسلمانوں نے کررکھا ہے۔ بقیہ شاید ہی کہیں غریب بچوں کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔ جس قوم کے بچوں کی اکثریت کا تعلق علم سے نہ ہو وہ کوڑا کرکٹ ڈھیر پر چندی پلاسٹک اورکاغذ کے پرزے بٹورتے پھریں اورکھانا تلاش کریں اس قوم کا مستقبل کیا ہوسکتا ہے؟ اس سے آپ اندازہ لگاسکتے ہیں۔غوغائی نیتائی اورمنصب کی جلوہ آرائی کے متلاشی اگراپنی جدوجہداورسرگرمیوں کو برباد کرنے کے بجائے ان لاوارث اورغریب بچوں کوتلاش کریں توبہتر ہے۔ ذہانت سے اللہ تعالیٰ نے غریبوں کوبھی نواز ہے۔ بسا اوقات ایک ذہین فرد پوری قوم کا بہت بڑا سرمایہ بن سکتا ہے۔اگرہم ملت کے بچوں کی اکثریت کوعلمی وتعلیمی کارواں سے کاٹ دیں تو یہ ملت کے لیے ایک بوجھ کے سوااورکیا بن سکتے ہیں۔جو بچے تعلیم سے جڑتے ہیں ہائی اسکول تک جاتے جاتے مالی مشکلات کا شکار ہوکر بڑی تعداد میں ڈراپ آؤٹ ہوجاتے ہیں۔ بہت کم تعداد گریجویشن، آفٹرگریجویشن کرپاتے ہیں اوربہت کم پروفیشنل اوراعلی تعلیم حاصل کرپاتے ہیں۔ایسی صورت میں یہ طے ہے کہ ملک کی سیاسی، اقتصادی، صنعتی اورتعلیمی اوروسائل معیشت میں ہماری حصہ داری سب مختصر ہوسکتی ہے۔اگرایسے شہروں میں جہاں مسلمان اقتصادی طورپرخوش حال ہیں مالداربچوں کی تعلیم ترقی کے لئے انتظامات ہیں یا انتظامات کیے جاتے ہیں یا فیشن کے طورپرایسا انتظام ہے تو یہ دلیل نہیں ہے کہ تعلیمی کے مسئلے میں سب خیرہی خیر ہے۔قوم کی تعلیمی سرگرمی پیش رفت، ملت کے لئے انھیں تیار کرنا اورمسلم امت کا انھیں سرمایہ بنانا، تعلیم میں کمی زیادتی سے مسلمانوں کے انحطاط یا ترقی کی پیش رفت کا پیمانہ طے کرنا اورناپنا اورتعلیم کے لئے نونہالان امت کے لیے راہ علم متعین کرنا بہت بڑی ذمہ داری ہے۔لیکن کیا ملت کے پاس

یہ سوچ ہے؟ یہ احساس سود وزیاں ہے؟ سرگرمیاں، توانائیاں اور سرمایہ ہے؟ مسلمانوں کے پاس سرے سے قومی یا علاقائی کسی پیمانے کی تعلیمی پالیسی نہیں ہے اور اب مسئلہ مشکل تر ہوتا جارہا ہے۔

اصل تو یہ ہے کہ ہمیں نہ اپنی تعلیمی پوزیشن معلوم ہے، نہ ہمارے پاس تعلیمی ادارے ہیں کہ مسلم بچوں کے لیے کافی ہوں۔ نہ تعلیمی سہولیات نہ اعلیٰ تعلیم کے ادارے ہیں۔ نہ مثالی اسکول اور کالج ہیں۔ جو جہاں ہے اپنے اپنے مسائل سے جوجھ رہا ہے۔ مسلم کے نام کے ساتھ علی گڈھ میں ایک یونیورسٹی ہے۔ اس کا اور اس کے بانی کا لوگ اتنا نام لیتے ہیں کہ اتنا اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے ہوں گے۔ سوا سو سال سے زیادہ اس ادارے کی عمر ہے۔ اس سے کسی ضلع کے مسلمانوں کی تعلیم نہ پوری ہوسکی۔ بڑبولے پن کا شکار بھیا بھتیجوں کی یہ یونیورسٹی مسلمانوں کو سیکولر تعلیم کی پالیسی اور ماڈل نہ دے سکی۔ یہ تو بڑی بات ہے علی گڑھ شہر کے باشندوں کو اس سے کوئی تعلیمی اقتصادی اور سیاسی وسماجی رہنمائی نہ مل سکی۔ علی گڑھ میں ایک لاکھ مسلم بچے ہوں گے جو بچہ مزدوری میں لگے ہوئے ہیں اور یونیورسٹی کے سائے میں بے علم جی رہے ہیں۔ یہاں بہروپئے، خودغرض، شکم پرور، مفاد پرست عناصر کی بہتات ہے۔ انھیں علمی حیوان کہہ سکتے ہیں اور یونیورسٹی کو ان حیوانوں کا باڑہ۔

جب سے تعلیم کمرشیلائزیشن کا شکار ہوگئی ہے اور تعلیم مافیا بکثرت پیدا ہوگئے ہیں اور حکومت تعلیم کی طرف سے بے پرواسی ہوگئی ہے غریبوں کے لیے تعلیم مزید مشکل ہوگئی ہے اور درس گاہوں کی تعلیم نکمی ہوکر مہنگے کوچنگ پر انحصار کرنے لگی ہے غریب مزید پٹ گیا ہے۔

یہی صورت حال رہی تو مسلمان ہر شعبۂ حیات سے کٹ جائیں گے اور صرف حاشیے پر زندگی گذارنے کے لیے مجبور ہوں گے اور تو اور ممبئی میں ایک میڈیائی دعوتی جوکر پیدا ہوئے ہیں انہوں نے تعلیم پر بھی نظر عنایت کرڈالی ہے اور جمبو جٹ معیار کا ہوائی تعلیمی معیار قائم کیا ہے اور تمام تعلیمی مافیا سے بڑھ کر تعلیمی مافیا بن گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے ہوس پرستوں سے مسلمانوں کو نجات دے۔ آمین

تعلیم مافیا کا ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ اتنے زر پرست ہیں کہ تعلیم کے تقدس کو پامال کرکے رکھ دیا ہے اور تعلیم کی باقی ماندہ اخلاقیات کو تباہ کرکے رکھ دیا ہے۔ سارے اقدار تعلیم بے وقعت ہوگئے ہیں۔ تعلیم وتعلم کے سارے رشتے فرسودہ ہوچکے ہیں۔ تمام دیگر بے ثمر جہود کے بجائے اگر مسلمانوں کے ترجیحی ایجنڈوں میں تعلیم شامل ہو تو یہ نہایت خوش آئند بات ہوگی۔ مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لیے حکومت نے بہت سے منصوبوں کا اعلان کیا لیکن ان منصوبوں کو ظالم اور متعصب بیوروکریسی کے ایسے بروج مشیدہ میں رکھا گیا ہے کہ وہاں تک پہنچ صرف غلط کاروں کی ہوسکتی ہے، ایک شریف مسلمان ان کے صرف خواب دیکھ سکتا ہے۔ اور مسلمانوں کے پاس اتنی سکت نہیں ہے کہ اپنے مستقبل کا تعلیمی منصوبہ بناسکیں اور اسے چلا بھی سکیں۔

یہ طے ہے کہ جو قوم اس دور میں تعلیم میں پیچھے ہے وہ زندگی کے ہر دوڑ میں پیچھے رہے گی اور وہ اپنی زندگی کا خاکہ خود نہیں بناسکتی، نہ اپنے متعلق خود فیصلہ کرسکتی ہے۔ دوسرے ہی اس کے حال اور مستقبل کا فیصلہ کریں گے۔ وہ خود اپنے مستقبل کا فیصلہ نہیں کرسکتی۔ ہندوستانی مسلمان جس طرح تعلیم میں پیچھے ہیں اور دن بدن پیچھے جارہے ہیں ان کے اس پچھڑے پن کا علاج کوئی نہیں ہے۔ دوسروں کی کاسہ لیسی یا دوسروں کے پیچھے بھاگنا ہماری پستی کا علاج نہیں ہے۔ امت محمدیہ کے افراد تعلیم میں دوسروں سے پیچھے ہوں یہ ان کی فطرت کے خلاف ہے (لیکن خود کردہ را علاجے نیست) اس وقت مسلمانوں کے اندر تعلیم کے نام پر کام کرنے والوں کے اوپر سب سے بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ تعلیم کو مقدس فریضہ مان کر اور تعلیمی قدروں کو زندہ رکھتے ہوئے تعلیمی کام کریں۔

☆ امور مساجد

اس وقت مساجد ہی کتاب وسنت کی دعوت کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ ہماری مساجد کے خطبے ہی اپنوں اور دوسروں کے لئے سب سے زیادہ مفید ہیں۔ لیکن افسوس ان کا مسئلہ بھی سب سے زیادہ پیچیدہ بنا ہوا ہے۔ بناء مساجد سے لے کر مساجد کی آبادکاری تک سارا کام انتشار اور فوضی کا سبب بنا ہوا ہے۔ جماعتی مساجد کی یہی پہچان بن گئی ہے۔ اکثر ان میں شخصی

تصرفات اور بے جامداخلت نے ایک عمومی فساد برپا کررکھا ہے۔مساجد کو آباد کرنے کا کام بمشکل ہوتا ہے اور مسجد کا سارا مقصد فوت ہوکر رہ گیا ہے۔مساجد کے بہت سے مسائل ہیں۔

سب سے اہم مسئلہ مساجد کو آباد کرنا ہے۔مساجد اس وقت آباد ہوسکتی ہیں اور لوگوں کا دل ان میں اٹک سکتا ہے جب ان میں اخلاق ومحبت، ہمدردی وغمگساری کا ماحول بنے اور مساجد کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے انھیں پرسکون بنایا جائے۔اخلاص وللّٰہیت کی ان کے اندر رنگ وبوبسی ہوئی ہو۔لوگ ایک دوسرے سے انسیت رکھیں اور دلی تعلق قائم ہوجائے اور لوگوں کا دینی مزاج بنایا جائے۔مساجد میں بحث ومناظرہ شوروہنگامہ سے پرہیز کیا جائے۔نماز میں سکنیت وطمانیت ہو مساجد میں تولیت کے جھگڑے نہ ہوں۔ امامت وخطابت پر پوری توجہ ہو۔خطیب وامام ایسے ہوں کہ مسجد میں ان کی حیثیت رہبر اور رہنما کی ہو۔مساجد کی ساری ضروریات بجلی، پانی،صوتی سٹم،نظامت کامل،وضوخانہ،باتھ روم صاف ہوں،صفیں صاف ہوں سلیقے سے بچھی ہوئیں۔پھر ان سب کا بہتر انتظام یہ ہے اذان وقت پر ہو جماعت پرسکون ماحول میں ہو۔

مساجد میں بچوں کی تعلیم کا انتظام ہو۔عام دروس،خصوصی دروس، اور بڑی مساجد میں اختصاصی تعلیم مثلاً فقہ، حدیث،تفسیر سیرت کے دروس کا انتظام ہو،مساجد کو دعوت کا مرکز بنایا جائے۔یہ سب مساجد کی فعالیت میں اضافہ کرتے ہیں۔

ائمہ وخطباء کے لئے رفریشر کورس کا معقول بندوبست اوران کی ٹریننگ کا انتظام۔ان کو ملازمت میں رکھنے کے یکساں رہنما اصول۔تنخواہ میں یکسانیت۔کارکردگی کی اساس پر تنخواہ میں اضافہ، قیام وطعام کے معقول انتظامات، ہیئت ظاہرہ کی تعیین، رکھ رکھاؤ اور اخلاقیات کا لحاظ۔ایک مسجد سے دوسری مسجد میں منتقل کرنے کا بندوبست۔

مساجد میں عملی یکسانی آجائے اوران کی بھرپور افادیت میسر ہوجائے یہ ہدف ہونا چاہیے اور مساجد محلے کے دلوں کو جوڑیں اوران کی رہنمائی کا ذریعہ بن جائیں عین مطلوب ہے۔

مساجد کے اوقاف اور جائداد کی نگرانی اوران میں حتی الوسع اضافہ کرنے کی کوشش

اوران کو ضائع ہونے یا غلط استعمال سے بچانا،اوران کے متعلق فتنہ وفساد سے بچانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

اسی طرح تعمیر مساجد کے سلسلے میں ایک نظام بنانا اور مساجد کی ضرورت عدم ضرورت کا جائزہ لینا،اور امانت دار ہاتھوں کے ذریعہ ان کی تعمیر کروانا، بچولیوں دلالوں اور مساجد کے نام پر اکتساب زر کرنے والے غلط کار کرلوگوں کو اس مقدس کام سے دور رکھنا اور مساجد کے تقدس کو دلالوں سے بچانا تنظیم جماعت کرسکتی ہے۔یہ بھی وقت کی شدید ضرورت ہے اس راہ سے جماعت میں حرام خوروں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔یہ جماعت ومسلک کے لئے جگ ہنسائی کا سامان بن گئے ہیں بلکہ جماعت کے لئے ننگ ہیں۔

ان تمام امور کی دیکھ ریکھ اورانجام دہی کے لئے اشد ضروری ہے کہ مساجد کا خاص شعبہ قائم ہو اوران کا ہمہ وقتی امانت دار ذمہ دار مقرر ہو اوراس کے شعبہ کے جتنے آفیشیل تقاضے ہوں ان کو پورا کیا جائے۔

تنظیم جماعت نے جماعت کے اتنے اہم شعبے کو نظر انداز رکھا اور ۱۹۸۵ سے اب تک تنظیم کے ذریعہ شاید ہی کسی مسجد کی تعمیر ہوئی ہو اور بروقت دفتر نظامت میں جامعہ ابوبکر کے خفیہ دفتر کے ذریعہ مساجد کی مشروعات آتی ہیں۔دلالی کا کام زوروں پر ہوتا ہے بارہا کہا گیا تھا یہ کام جمعیت کے ذریعہ کیوں نہیں ہوتا لیکن سیاہ روسیاہ قلب مردہ ضمیر کب ایسی بات سن سکتے تھے مجھے ہمیشہ اس پر دکھ رہا اوراعتراض بھی کہ جب پورے ملک کی نمائندہ تنظیم موجود ہے تو مساجد مدارس اسکول خدمت خلق کے سارے کام کیوں نہیں جمعیۃ کے اسٹیج سے ہوتے۔کم فہموں کا انبوہ اور چالاک لوگوں کی چالاکی کہ ہمیشہ جمعیۃ کو تمام اہم کاموں سے دور رکھا گیا اوراسے بے مصرف بنا کر ذمہ داروں کو داد عیش دینے کے لئے کھلی چھوٹ دیدی گئی اور بکثرت حرام خوریوں کے مواقع فراہم کردیئے گئے جس نے جماعت کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا۔

جمعیۃ کے احیاء اصلاح اور جدید کاری کے لئے ان سارے پروگراموں کو رکھنا جماعت ومسلک کو زندہ اور فعال بنائے رکھنے کے لیے اشد ضروری ہے۔صرف نظام مساجد

اگر بنالیا جائے اور مذکورہ سارے امور کو پیش نظر رکھا جائے تو جماعت اتنی ترقی کرے گی کہ کوئی اس کا تصور نہیں کرسکتا۔ جماعت کے نظام مساجد کی شدید ضرورت اس لئے بھی ہے تاکہ مساجد آبائی میراث نہ بن جائیں مساجد سے متعلق اوقاف میں خرد برد نہ ہو۔اسی طرح بناء مساجد کے سلسلے میں فساد، دلالی،حرام خوری اور تخریب مساجد کا جو گھناؤنا کام ہورہا ہے اسے ختم کیا جائے۔ دلالی اور کمیشن اور اہل خیر کی عطا کی ہوئی رقم کو لوٹ کا مال بنانے کے لئے مساجد کو کھیل بنانے والے کھیتوں میں مساجد بنا کر تالا لگادیتے ہیں۔ بلاضرورت ایک ایک گاؤں میں کئی مساجد بن جاتی ہیں اور مساجد کو ویران کر کے فساد پھیلانے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔مساجد کی رقوم کو غبن کرنے کے لئے ناقص تعمیری سامان استعمال کرنے کا عام رواج ہے جماعت اہل حدیث میں یہ سارے گھٹیا اور جہنمی کام ہوئے اور ہوتے ہیں۔ذمہ داروں کے احساس پر جوں نہیں رینگتا۔ان سب کا یہی علاج ہے کہ تنظیم جماعت میں شعبہ امور مساجد قائم ہو اور پوری امانت داری اور دیانت داری سے مساجد کی خدمت ہو اور مساجد کو آباد کیا جائے۔

☆ خدمت خلق

اس ملک میں مسلمان عموماً اور اہل حدیث خصوصاً غربت میں مبتلا ہیں۔اہل حدیث آبادی کی اکثریت مشرقی یوپی بہار بنگال اور جھارکھنڈ میں ہے۔ان چاروں ریاستوں میں غربت معروف ہے۔علم کی کمی،معاشی مواقع کی قلت،صحت کے مسائل،روزی روٹی اور گھر کے مسائل عام ہیں۔شادی بیاہ کی مشکلات ہیں۔تہواروں کے مواقع پر محرومیاں ہیں۔ موسم کی سختیاں بھی پریشان کن ہوتی ہیں،روزگار کے مسائل ہیں۔فسادات کی بھی تباہیاں ہیں۔سیلاب اور طوفان وحوادث ہیں۔ یہ ایسے مسائل ہیں کہ ان کو نظرانداز نہیں کرسکتے۔ ان کا وقتی یا ہمہ وقتی حل چاہیے۔ یا کم ازکم تعاون کی ایسی شکل بنی چاہیے کہ غریبوں کے سر کا بوجھ ہلکا ہو ان کے درد کا مداوا ہوسکے۔

ان کے سوا سماج میں یتیم بیوہ، مطلقہ مریض، بوڑھے، معذورین اور اندھوں کی کمی نہیں ہے۔ بلاوجہ لوگ جیلوں میں پڑے ہیں۔مقدمات میں پھنسا دیئے گئے ہیں۔ ناگہانی

آفتیں اور مصیبتیں ہیں۔ان تمام حالات کا اسلام میں حل ہے اور ان کے مسائل کو حل کرنے کا پورا اہتمام ہے۔انھیں کسی معنی میں نظرانداز کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

ملک کے سیاسی حالات بنتے بگڑتے رہتے ہیں۔لوگ نفرت وکینہ کا شکار ہوجاتے ہیں اجاڑے جاتے ہیں یا مسلسل دباؤ کا شکار رہتے ہیں۔اجڑے ہوئے لوگوں کو بسانا اور مظلوموں کی ہمت افزائی کرنا ہمارے دینی فرائض میں داخل ہے۔اگر اس طرف توجہ نہ دی جائے تو ارتداد کے حالات پیدا ہوسکتے ہیں۔اور ایسی سازشیں ہورہی ہیں کہ مسلم خواتین کو جبراً ہندو نوجوانوں کے گھروں میں زبردستی بٹھادیا جائے اس پر توجہ دینی ضروری ہے۔ایسے واقعات رونما ہورہے ہیں اور تقریباً ہر شہر میں یکا دکا ایسے واقعات رونما ہورہے ہیں اگر ان کی طرف توجہ نہ دی جائے تو مادی دنیا میں عیش وآرام اور چمک دمک کا بہت جلد کم عمروں اور ناپختہ عمر کی بچیوں کو شکار بنایا جاسکتا ہے۔

ان امور کے متعلق ہماری تنظیم کبھی فکرمند نہیں رہی۔ بلکہ اسے کبھی اس نے اپنے ایجنڈے میں رکھا ہی نہیں۔ جب انسان بھوکا ہوتا ہے اس کے سر پر جب سایہ نہ ہو۔ وہ روز گار سے پریشان ہو۔غربت وجہالت کا منحوس سایہ اسے پریشان کئے ہوئے ہو۔مریض درد سے تڑپ رہا ہو۔یتیم بیوہ مطلقہ اور معذور اپاہج کو سماج میں جینے کا حق نہ ملے تو انھیں ساری دنیا تاریک نظر آتی ہے۔انھیں وہی مسیحا نظر آنے لگتا ہے، جو اس کے کام آئے خواہ کسی مذہب کا ہو۔ انھیں کمزوریوں کا سہارا پاکر عیسائیوں نے مسلمانوں کے اندر ارتداد کا کام کرنے کا حوصلہ کیا ہے۔اور اب بھی دینا کے ہر خطے میں ان کی فریب کاریوں کا سب سے بڑا یہی سہارا ہے۔ انہوں نے کمزور ملکوں کی لوٹی ہی دولت کی بہتات کی بنیاد پر ساری دنیا میں مشنری ورک کیا اور کامیاب بھی رہے اور اور خلق الہی کی خدمت کو انھوں نے عبادت اکبر اور فن بنالیا۔

ہماری جماعت کی توجہ اس طرف نہیں رہی۔اسی لیے کبھی جماعت اسلامی کی اونٹ کے منہ زیرہ والی دکھاوے کی کوششیں بھی کم فہموں کی نگاہ میں بڑی پرکشش معلوم ہوتی ہیں۔اور لوگ ان کی قابلیت بے جا کا دم بھرتے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ تو کتاب وسنت کی

تعلیم کی تاثیر ہے کہ لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور اپنے دامن میں سمیٹے رہتی ہے۔ اگر یہ تاثیر نہ ہوتی تو اصغر جیسے الھڑ شکم پرور جس تنظیم کی قیادت کریں وہ اسے ختم کر کے چھوڑیں بلکہ اسے بیچ کھائیں۔

ابھی حال میں کشمیر میں سیلاب آیا ایک لاکھ کروڑ کا نقصان ہوا۔ایک لاکھ گھر گر گئے۔ ۸۰؍ ہزار گھروں کو اتنا ضرر پہنچا ہے کہ رہنے کے لائق نہیں ہیں۔وہاں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ ایک سو سال پیچھے ہو گئے۔ ہماری جماعت کے پاس کیا ہے کہ اپنے کشمیری بھائیوں کی مدد کر سکے، یا کشمیر کی جماعت کے پاس اس طوفان کے نقصانات سے ابرنے کا کیا انتظام ہے۔نہ اس میں کام آنے کے لیے مین پاور ہے۔نہ اسباب ہیں، نہ اس کے لیے کسی کے پاس ٹریننگ ہے۔نہ کوئی نظم وضبط ہے۔نہ بہت زیادہ تعاون ہی ہو سکتا ہے۔ہر کام میں ہم ڈھیلے ڈھالے ہیں اور تنظیم کا وجود صرف خوش فہم دماغوں میں ہے۔زمینی حقائق سے اس کا تعلق نہ کے برابر ہے۔اسی طرح خدمت خلق کا مسئلہ ہے۔جب کہیں فساد ہو جاتا ہے یا کوئی آسمانی آفت آجاتی ہے۔تو چند لوگ کچھ ریلیف جمع کرتے ہیں اور آفت زدگان کے پاس پہنچ کر ڈمپ کر کے چلے آتے ہیں۔

خدمت خلق بہت بڑا کام ہے۔مستقل کام ہے اور بڑا متنوع اور ہمہ وقتی کام ہے۔ اس کے لئے سارے اسباب سارے سامان تجربے صلاحیتیں افراد کار سب میسر ہونے چاہیں اور اس کا مستقل فنڈ ہونا چاہیے، تاکہ اوپر گنائے گئے تمام کاموں کو ہم اپنے ایجنڈے میں شامل کر سکیں اور خدمت خلق کا ہمہ گیر کام ہو سکے اور مشاریع کے نام پر جو ہلڑ بازی ہو رہی ہے اور حرام خور اس سے جیب وشکم پروری کرنے اور پیٹ کا جہنم بھرنے کا کام کرتے ہیں۔جماعت ان بدبختوں سے نجات پائے اور باہر کے لوگوں کو بھی ان منحوسوں سے نجات ملے جو خائنوں چاپلوسوں اور مفاد جماعت بیچنے والوں کو دین وملت اور جماعت کا نمائندہ مان رہے ہیں اور جماعت کو برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

خدمت خلق کا شعبہ جماعت کی تنظیم کا بہت اہم اور بنیادی شعبہ ہے۔اس سے انسان زیادہ سے زیادہ ثواب کما سکتا اور دین کی بجا آوری کر سکتا ہے۔اس سے عظیم افادے

واستفادے کا دروازہ کھلتا ہے۔لوگوں کے اندر جذبہ ترحم پیدا ہوتا ہے۔دین کے بہت سارے واجبات کی انجام دہی ہوتی ہے۔اجتماعیت کا ماحول بنتا ہے۔اس سے افراد سازی، ذہن سازی، تعمیر سیرت اور تعمیر زندگی کے سنہرے مواقع میسر ہوتے ہیں اور انسانی وسائل کے فروغ۔انسانی درد کی مسیحائی کا موقع ہاتھ آتا ہے اور دعوت حق عام کرنے کے زریں اوقات مل جاتے ہیں۔

خدمت خلق کا شعبہ دراصل اس کا ثبوت بھی ہوتا ہے کہ آپ جو کہہ رہے ہیں اس کا عملی ثبوت بھی آپ کے پاس ہے۔خدمت خلق کے ذریعہ انسان کے اندر تواضع انکسار تحمل اور بردباری آتی ہے۔خودغرضی بے حسی اور نفس پرستی دور ہوتی ہے۔انسان جب دوسروں کے زخم پر پھایا رکھنا سیکھ لیتا ہے تو اس کی انسانیت جاگ اٹھتی ہے۔جب وہ دوسروں کے آنسو پوچھنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے تو اس کا دل بھی موم ہونے لگتا ہے۔جب کسی گرسنہ انسان کو کھلانے کا جتن کرتا ہے تو خود رزق الٰہی اس کے لئے مہیا ہونے کے لیے بے تاب ہو جاتی ہے۔جب وہ کسی انسان کی عزت کا رکھوالا بنتا ہے تو خود اس کی رکھوالی ہونے لگتی ہے۔

انسان جب حسن نیت کے ساتھ رضائے الٰہی کے حصول کے لئے خدمت خلق کرتا ہے اور فرائض وواجبات کا پابند ہوتا ہے تو اس کی یہ خدمت اسے شب زندہ دار اور صوام وقوام کے مرتبے پر پہنچا دیتی ہے اور ایسا شخص نصرت الٰہی کا حقدار بن جاتا ہے۔

انسان جب خدمت خلق میں لگتا ہے تو اس کے اندر شجاعت اور بہادری آجاتی ہے وہ ایک جری اور بہادر سماجی انسان بن جاتا ہے۔انسانی درد اور سماجی مشکلات اور ضرورتوں کو محسوس کرنے لگتا ہے۔

اسلام میں سماجی فلاح وبہبود مناصرت مناصحت مواسات معاونت کی جس تفصیل سے تعلیم دی گئی ہے اور ان کے جو فضائل اور درجات طے کئے گئے ہیں اور ان کے جو فضائل اور اجور بتلائے گئے ہیں۔کسی مذہب میں اس تفصیل کے ساتھ نہیں بتلایا گیا ہے لیکن بدقسمتی سے مسلمان اسی میدان میں سب سے پیچھے ہیں اور ہماری جماعت میں تو مشروعاتی

چھچھوندر پیدا ہوگئے ہیں جو جماعت میں صرف بدبو پھیلا رہے ہیں۔ اللہ انھیں غارت کرے اور جماعت کو ان لاخیروں سے نجات دے۔ اور جو اخلاص سے یہ کام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں اجر عظیم عطا کرے۔

خدمت خلق سے ایک شاندار انسانی تہذیب تشکیل پاتی ہے۔ غربت عموما تہذیب کی زبان اور تہذیبی روش چھین لیتی ہے۔ خدمت خلق سے اسلامی تہذیب بنتی اور سنورتی ہے۔ اس وقت پورے سماج کی شناخت تہذیب کے بجائے ہڑبونگ لوٹ کھسوٹ بدتمیزی دبنگئی اور بے مروتی ہے۔

خدمت خلق کے ساتھ بینر کیمرہ فوٹو ویڈیوگرافی نے دکھاوا فریب شہرت اور مکاری کا بازار لگادیا ہے۔ اللہ اس آفت سے سب کو بچائے۔ جماعت کی تنظیم بس اٹھک بیٹھک اور بلاوجہ کی بھیڑ بھاڑ میں مال برباد کررہی ہے۔ ان تفصیلات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جماعت کی تنظیم کس قدر عملی طور پر قلاش زیرو اور افلاس زدہ تھی اور ہے۔ جو کچھ اس کے قومی اسٹیج سے ہوسکتا تھا وہ بدبختوں کے پیٹ کا جہنم بھرنے کے لئے یا جھوٹی شہرت کے حصول کے لئے وقف ہوگیا ہے۔ جماعت کی اتنی بڑی آبادی مگر عملا زیرو، قلاش اور مفلس۔

جماعت میں خدمت خلق کا کام کرنے والوں کی کمی نہیں۔ ہر صلاحیت کے لوگ یہاں موجود ہیں۔ اور خدمت خلق کا کام کرنے کا بہتر سے بہتر انتظام کرسکتے ہیں۔ خدمت خلق کا کام کئے بغیر آج کسی بھی تنظیم کی حیثیت مسلم نہیں ہوسکتی۔ اسے لوگ کسی طرح کی اہمیت نہیں دے سکتے۔ نہ تسلیم کرسکتے ہیں۔ اس کے بغیر کوئی بھی تنظیم ادھوری رہ جائے گی۔

خدمت خلق کا شعبہ قائم کرکے تنظیم کم از کم جماعت کے غریبوں بیواؤں یتیموں مطلقہ عورتوں اپاہجوں اور مختلف عاہات سے جوجھ رہے لوگوں کی خبر گیری کرسکتی ہے اور اگر اس کا دامن وسیع ہوتا جائے تو دیگر مشکلات سے سے گذرے رہے لوگوں کی خبر گیری کرسکتی ہے۔

اس مشکلات بھرے مادی دور میں جب کہ مذکورہ لوگ کچلے جارہے ہیں۔ اگر دین پسند لوگ ان کے لئے نہ سوچیں اور ان کی مشکلات اور پریشانیوں کو حل کرنے کی کوشش نہ کریں تو آخر وہ کہاں جائیں؟ کون ان کے دین ایمان اور آبرو کے تحفظ کے لیے ان کی

مدد کرے گا؟ کون ان کی عزت وآبرو کو بچا کر ان کی پریشانیاں دور کرنے میں مدد کرے گا۔

اور اہل حدیث ہونے کے ناطے تو ہمارے اوپر سب سے پہلے فریضہ بنتا ہے کہ ہم اس طرح کا جتن کریں اور ہر طرح کمزوروں کی خبر گیری کریں۔ رسول گرامی ﷺ نے تو ہر جاندار جانور کو سیراب کرنے اور کھلانے کو صدقہ قرار دیا ہے (فی کل کبد رطب صدقہ) اور انسان کی مدد کرنے سے اسے اللہ کی مدد ملتی ہے (**واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ**) ایسی حالت میں ہمارے لیے تو بہت بڑی سعادت اور بشارت ہے کہ ہم خدمت خلق کا انتظام کریں۔ اس کے بغیر آج کے دور میں خصوصا جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں تنظیمات کو کامیابی نہیں مل سکتی۔

مسلم اقلیتیں تو ایسی پوزیشن میں ہوتی ہیں کہ اگر مسلم تنظیمات ان کے بارے میں فکر نہ کریں ان کی مشکلات ومسائل کی خبر نہ رکھیں ان کا حل نہ نکالیں تو ان کی حالت بالکل یتیمی کی سی ہوسکتی ہے اور ان کا دین ایمان اخلاق اور ذہنی قوت وصلاحیت کرش ہوکر رہ جائے گی۔ اور اس کا مشاہدہ آئے دن ہوتا رہتا ہے۔ کوئی کسی کا پرسان حال نہیں ہے۔

جماعتی تنظیم کا یہ کتنا المناک پہلو رہا ہے کہ کبھی اس نقطے پر غور ہوا نہ کام ہوا اور جمعیۃ خالی اٹھک بیٹھک کرتی رہ گئی یا جماعتی مفادات کے کاموں کو چھوڑ کر اسے ذاتی کمائی کا ذریعہ بنایا گیا۔ اللہ ایسے دنیاداروں کو غارت کرے!۔ اس بے حسی اور غفلت کا کیا علاج ہے؟ اتنی قدیم تنظیم لیکن اس کے کارپردازوں اور ذمہ داروں نے پتہ نہیں کیوں اسے بے خانماں اور بے عمل رکھا ہے اور اب جو اسے بسیرا ملا ہے اور اس کے اندر استقرار آیا ہے تو تیسرے درجے کی صلاحیت رکھنے والے اور تیسرے درجے کی عملی وفکری توانائی رکھنے والے اس پر ایسے مسلط ہوگئے ہیں جیسے گدھ مردے پر ٹوٹ پڑتا ہے اور جمعیۃ کو نوچ پھاڑ کر رکھ دیا ہے۔

ان کے سوا دیگر امور کی ضرورت:

یہ جماعتی تنظیم کے لیے پانچ بنیادی شعبے ہوئے۔ ان کے بغیر جماعت کی تنظیم سے ملی وجماعتی خدمت ہو ہی نہیں سکتی۔ نہ جماعتی اور مسلکی شناخت کا تحفظ ہوسکتا ہے۔ نہ جماعت

کی مشکلات ومسائل حل ہوسکتے ہیں۔ نہ اہل حدیث آبادی کی غربت اور جہالت کے متعلق فکرمندی ہوسکتی ہے۔ نہ دعوت وتبلیغ کا کام انجام پاسکتا ہے۔

ان پانچ شعبوں کی صحیح اور کامل کارکردگی کے ذریعہ ہندوستان کی مسلم اقلیت کے تئیں تنظیمات پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے ان ذمہ داریوں کی بجا آوری ہوسکے گی اور جماعت حقہ کی حیثیت سے ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جوابدہی سے بچ جائیں گے اور اگر تنظیم قائم کرکے جماعت کے لئے صرف فخر کرنے کا انتظام کرلیں درست نہیں ہے بلکہ بارگاہ الٰہی میں ہم مجرم قرار پائیں گے اور خود اس دنیا میں ناکامی ورسوائی ہاتھ آئے گی۔

آج جماعت کی تنظیم کی جو صورت حال ہے اور جس طرح ہم نے خیانتوں کی پرورش کی اور ایک فریب کار، نااہل اور بدعنوان کی جس طرح وکالت کرتے ہیں مسلک اور جماعت کی جڑ کھود رہے ہیں۔ اصول حق کو پامال کررہے ہیں۔ سلفی منہج کو پامال کررہے اور اپنی غفلت بے حسی عصیان اور کھلے ہوئے جرائم کی تائید کرکے حق اور جماعت کی پامالی کا باعث بن رہے ہیں۔

بہرحال ان شعب خمسہ کو قائم کرنا اور وسیع تر دائرے میں ان کی فعالیت اور ہمہ گیری کو برقرار رکھنا اور صحت کے ساتھ قائم کرنا ہمارے لئے اضطرار کے درجے میں ہے۔ ان کے سوا دیگر امور جن کی تنظیم کے لئے ضرورت ہے ان کی بھی طرف توجہ دینی چاہیے اور چاہیں تو مذکورہ پانچوں شعبوں کے دائروں کو بڑھاتے ہوئے تمام ان امور کو بڑھاتے جائیں جن کی ضرورت محسوس کی جائے جیسے شعبہ تصنیف وتالیف ریسرچ وتحقیق، شعبہ صحافت افتاء اور سب سے اہم ہے ہیئۃ کبار علماء کا قیام صحیح معنوں میں۔ نہ کہ علماء اور افتاء کا مذاق بنانے کے لیے۔ جس طرح جناب عبداللہ سعود اور اصغر صاحب نے کیا ہے۔ جماعت ایسے مذاق کا متحمل نہیں ہے اصغر کو ہر شئے کا مذاق بنانے کی عادت ہے۔ عبداللہ سعود کو کیا جلدی مچی تھی کہ بچکانوں کی ایک بزم فکہاء قائم کرڈالی ہے۔ جمعیۃ الخرتحبین کے طرز پر۔ انہوں نے بھی بچکانہ حرکت کرنے کی ٹھان لی۔ ٦ مارچ کی جامعہ سلفیہ کی میٹنگ میں (ہیئۃ کبار علماء) کے قیام بات آئی تھی اور اسے جامعہ سلفیہ کے اندر قائم کرنے کی بات تھی

اور ایک کمیٹی بنی تھی اور ارکان بھی طے ہوئے تھے لیکن خودسری کی بات دیکھئے کہ ہیئۃ کبار علماء کے ذکر کو گھول کر جناب پی گئے اور افتاء کے لئے ایسے لوگوں کی ایک بزم بنادی جن کے بارے میں امید رکھتے ہیں کہ ان کے فرمان کی تابعداری کریں گے۔ حالانکہ ان میں ایسے بھی ہیں جو ان کا بخیہ ادھیڑ سکتے ہیں۔ ادھر جامعہ سلفیہ میں ہیئۃ کبار علماء کا ذکر آیا کہ اصغری (ہیئۃ کبار علماء) کی تشکیل ہوگئی ہے اور اس میں ایسے لوگ ہیں جو شاید اہل حدیث کمپلیکس میں آکر کبڈی کھیلیں گے اور ایک دوسرے کے پالھے میں جائیں گے تو اصغر اصغر اجگر اجگر بولیں گے۔ یہی اس اصغری بزم فقہاء کی کل فقاہت ہوگی۔ یعنی میدان کار بننے نہیں دیا جائے گا۔ کام کی راہ میں گندگی ضرور پھیلائی جائے گی۔ جب جامعہ سلفیہ میں عبداللہ سعود صاحب کو من مانی کرنی ہے تو اپنے بنارس سے جامعہ چلائیں کیوں دوسروں سے چندہ مانگنے آجاتے ہیں اور کیوں لوگ انھیں چندہ دیتے ہیں چندہ لینے والے بے شرم اور چندہ دینے والے بے وقوف۔ اور اتنا زیادہ چندہ ہوتا ہے اس کا حساب بھی ہے کہ بس بلیک ہول میں جاتا ہے۔ ایک ناحیے سے ان کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہیے کہ یہ حاشیہ پر ہیں ابھی (ہیئۃ کبار علماء) کے قیام کی ضرورت کو باقی رکھ چھوڑا ہے۔

بہرحال ہیئۃ کبار علماء اس وقت موثر ہوسکتی ہے جب جماعت اپنی تنظیم صحیح خطوط پر قائم کرے۔ ورنہ اس ہیئۃ کی اہانت ہی ہوگی۔ ہیئۃ کبار علماء اگر دم دار ہو تو علماء جماعت کی کل زندگی کے متعلق دینی راہنمائی دے سکیں گے۔ کلی جزوی عصری نوازل عقیدہ وعمل دعوت تہذیب عائلی اور سیاسی تعلیمی وسماجی واقتصادی، امور فتن رد باطل، تنظیم احزاب، منہج رجال، شکوک وشبہات افکار کے متعلق بحوث فتاوی بیانات سب اس کے ذمہ ہو۔ اس کی حیثیت فقہی اکیڈیمیوں کی بھی ہو اور افتاء اورشاد اور بحوث کی بھی ہو اور علمی فقہی اتھارٹی کی بھی۔ تاکہ علماء کی حیثیت بحال ہو اور ان کی کھوئی ہوئی حیثیت انھیں واپس ملے۔ مضبوط اور ٹھوس لوگوں کی شمولیت ہی اسے باوقار بناسکتی ہے۔

دوسری جماعتوں خصوصاً دیوبندیوں کے تیسرے درجے کے علماء کو مسلم پرسنل لا بورڈ اور فقہ اکیڈمی میں پھلنے پھولنے اور فقاہت بگھارنے کا موقع ملا ہوا ہے اور کم علمی کے باوجود

بھی ملک کے فقہی منظر نامے پر چھائے ہوئے ہیں اور ہمارے وہ ذمہ دار جو ہیئۃ کبار العلماء کا پورا خاکہ رکھ کر اسے نہ قائم کر سکے۔افسوس ان غیر معتبر غیر ثقہ انجمنوں میں جانے کے لئے بے تاب رہتے ہیں اور جماعت کے علماء کو وہاں لے جانے میں بڑی مسرت محسوس کرتے ہیں۔ یہ ہے ہماری سوچ کا المناک واقعہ۔ ہماری سوچ نے کہاں کہاں نہیں جماعت کو رسوا اور برباد کیا اور کہاں اسے کھد یڑ میں گرایا نہیں مگر ہمیں اپنی کوتاہیوں پر افسوس کرنے کے بجائے ناز ہے والعیاذ باللہ۔

جامعہ سلفیہ کے خریجین اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے فیض یافتہ علماء کی جب کھیپ تیار ہوئی تو جماعت علمی طور پر خود کفیل ہوگئی۔ پھر کم از کم بیس سال بعد دیگر جامعات اور اداروں کے بھی علماء وخریجین اور سعودیہ جامعات سے مستفیدین کے گروہوں نے جماعت کو زرخیز اور مالا مال کیا۔لیکن افسوس نہ ان کی کما حقہ قدر ہوئی۔ نہ ان کی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال ہوا۔ بس ان سے روایتی کام لیا گیا ان کو تحریر وتفقہ تصنیف وتالیف میں ریسرچ و تحقیق اور دراسۃ ومطالعہ کے کاموں کا موقع نہیں ملا۔ ہندوستان کے سلفی اداروں کے معاصر علماء کے مقابلے میں دیگر مسلکوں اور جماعتوں کے معاصر علماء علم اور علمی گہرائی اور متنوع صلاحیتوں میں عشر عشیر بھی نہیں ہیں۔لیکن افسوس ان کے لئے دامن جماعت تنگ تھا۔انھیں جو وقفہ عمل ملا اسی وقفے میں فقہ اکیڈمی قائم ہوگئی۔ مسلم پرسنل بورڈ کی حیثیت اور اہمیت بڑھ گئی اور وہ بھی عرب کے علمی ومالی عطایا پر۔لیکن واہ رے ہماری جماعت کی تنظیم۔ اس وقفے میں وہ زیرو رہی۔ان کے علم اور ان کی ثقاہت کا استعمال کر کے ایک شکم پرور دعوتی جوکر اور ٹی وی ملا سلفی محل میں نقب زنی کرتا رہا اور ہمارے علماء اس کی چاکری پر فخر کرتے رہے اور زیادہ سے زیادہ سیکولر تعلیم کے نیم ملا جماعت میں مسلک کے نام پر خارجیت پھیلاتے رہے۔سمجھ میں نہیں آتا ہمارے اندر اتنی بے بصیرتی کم فہمی اور بزدلی کیوں ہے کہ جو کام ہمیں کرنا چاہیے اسے خود نہیں کرتے اور اس سے جان بوجھ کر احتراز کرتے ہیں اور دوسرے اسے کرنے لگیں تو اس کی چاکری کرنے میں لذت محسوس کرتے ہیں۔ بلکہ بدبختی کا یہ حال ہے کہ اس غلط رویے پر کچھ عرض کیا جائے تو ہر کہ ومہ کھوٹے سکوں کے

بچاری اول فول بکنے لگتے ہیں اور منافقت کے ماحول میں جینے والی دانشوری کرنے لگتے ہیں۔

ہیئۃ کبار علماء کے قیام کی اشد ضرورت ہے۔لیکن یہ اس وقت کارآمد ہوسکتی ہے۔ جب جماعت کی تنظیم کا احیاء ہو اور اسے صحیح خطوط پر قائم کیا جائے ورنہ اس کی فعالیت نام کی نہ ہوگی اور اسے بھی اصغر جیسے غلط کار دنیا دار لوگ بیرون ملک کیش کرانے کا ذریعہ بنالیں گے۔والعیاذ باللہ

☆ آخری بات

جماعت اہل حدیث کو اس ہندوا کثریتی ملک میں تنظیم کی اشد ضرورت ہے۔تنظیم صحیح خطوط پر قائم ہو تا کہ ملک بھر میں پھیلی اہل حدیث آبادی کے لئے اجتماعی جدوجہد کا پلیٹ فارم بن جائے اور اس کے دنیوی واخروی فلاح وبہبود کے لیے ہر وہ جتن کرے جو اس کے لئے ممکن ہو۔

وہ ایسی تنظیم ہو جس کے اندر شفافیت ہو، ذمہ داری کا احساس ہو، مال ومنصب کے جھگڑے نہ ہوں، ذمہ دار امانت دار ذی علم مخلص جماعت کا خیر خواہ اور بابصیرت ہو اور ہمہ تن اس کی ترقی کے لئے جٹا رہے۔یکسو ہو کر کل وقتی کام ہو اور تنظیم کے سوا اس کے پاس کوئی ذمہ داری پوسٹ منصب اور مفاد نہ ہو۔کارکن ایسے ہوں جن کے اندر لگن ہو اور ترجیحی طور پر تنظیم کا کام انجام دینے کے لئے تیار رہیں۔

تنظیم کے پاس وہ تمام شعبے زندہ اور متحرک شکل میں ہوں جن کے عمل اور سرگرمی کے نتائج برآمد ہوں اور پوری جماعت ان سے مستفید ہو۔تنظیم شورائیت اور اہل شوری کی اساس پر قائم ہو اور عمومی طور پر اس کا مزاج رضا کارانہ ہو رضائے الٰہی کے حصول کے لئے ہو۔اس کا آسان دینی دستور ہو۔جو ایچ پیچ سے پاک ہو اور سیکولر پارٹیوں کے دستور کی اس میں نقالی نہ کی گئی۔تنظیم ان تمام نقائص سے پاک ہو جن کے سبب تنظیم زیرو بنی رہی اور اپنی فعالیت اور اثر آفرینی سے محروم رہی۔

تنظیم میں علماء اثبات کی حیثیت بالا رہے جو شرعا مطلوب ہے۔اور ایسے تمام عناصر

سے پاک رہے جن کے اندر دینی وشرعی شرائط نہ پائے جائیں جو تنظیم کے لئے معیار بنائے گئے ہیں۔

وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے کہ اس وقت ہمت وحوصلے سے کام لے کر تنظیم کا احیاء کریں اور اصلاح وتجدید کاری کا کام کریں۔ اس تیز رفتار دنیا میں کاموں میں تاخیر منزل ومقصد تک پہنچنے نہیں دیتی ہے۔ "**یک لحہ از وغافل شد صد سالہ راہم دور شد**" جس نے کہا صحیح کہا اب تو صورت حال یہی ہے پہلے اگر یہ شعر خیالی ومثالی تھا تو اب حقیقت کی عکاسی کرتا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہماری دعوت کتاب وسنت پر مبنی ہے اس کی طاقت ہے کہ باقی ہیں اور طاقتور بھی۔ ورنہ ہمارے کرتوت ایسے ہیں کہ ہمارے دشمن ہمیں زیرو بنا چکے ہوتے اور بہت کچھ انفرادی کوششیں ہیں جن کے سبب مسلک کا چراغ روشن ہے اور جماعت زندہ ہے اور آگے بڑھ رہی ہے۔

تنظیمی اور اجتماعی جدوجہد میں زیرو ہونے کے باوجود مسلک اور جماعت کے لئے حالات امید افزا ہیں۔ اس حالت میں ایک پریشان کن الجھن یہ ہے کہ خارجیت کے عوامل رونما ہورہے ہیں اور سیکولر تعلیم کے حاملین داعی خطیب مبلغ اور مفتی بن کر ایک طرح سے دین کے ساتھ کھلواڑ کررہے ہیں اور عوام کے ذہن میں خارجی جراثیم ڈالنے کی کوشش کررہے ہیں۔ اس سے پہلے جماعت میں کبھی ایسا نہیں رہا کہ علوم شریعت سے بے خبر لوگوں کو مساجد کے منابر سونپے گئے ہوں یا انہوں نے مفتی بننے مقرر بننے کا شوق پالا ہو۔ لیکن افسوس ایسے لوگوں کا اس وقت از حد ڈمانڈ ہے والعیاذ باللہ۔ اس المیے پر کتنا رویا جائے کہ ایک زر پرست دعوتی جوکر کے پیروں میں ہمارے علماء پڑے ہوئے تھے وہ ان کی توہین کرتا رہتا تھا اور ان کے چبائے ہوئے نوالوں پر اپنی تقریر کی شان بگھارتا تھا۔

ان عجائبات، غرائبات خیانتوں اور جھوٹے کرشموں سے جماعت کو بچانے کی شدید ضرورت ہے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے جماعت کو بچائے آمین!

☆☆☆